# اسلام اور سیاست
## جلد(۱)

مصنف

آیۃ اللہ مصباح یزدی

فہرست

**پہلا جلسہ**
اسلامی سیاست کے سلسلے میں چند اھم سوالات
1۔ مقدمہ
2۔اسلام اور اس کا سیاسی نظریہ
3۔سلامی سیاسی نظریہ کا بنیادی ھونا
4۔اسلامی حکومت کی حقیقت اور اس کے ارکان
5۔اسلامی حکومت کا ڈھانچہ ، اس کے اختیارات اور وظایف کی وسعت
6۔اسلامی حکومت میں لوگوں کا کردار اور چند دیگر سوالات
7۔ اسلام کے سیاسی نظریہ کو پہچاننے کے طریقے

**دوسرا جلسہ**
اسلام کے سیاسی نظریہ کی بحث کی اھمیت اور ضرورت
1۔ اسلامی انقلاب سے مغرب ومشرق کا برتاؤ
2 ۔ جوانوں کی گمراھی کے لئے مغرب کا ایک ثقافتی حربہ
3۔فرھنگی تین حربے
الف:دین کو سیاست سے جدا کرنے کی فکر رائج کرنا
ب: ولایت فقیہ کا انکار
ج۔ ولایت فقیہ کو مورد اعتراض قرار دینا
4۔دشمن کی مذکورہ سازشوں کے مقابلے میں ھمارا وظیفہ
5۔دشمن کی سازشوں کے مقابلہ میں بہترینراستوں کا انتخاب
6۔دین کی تعریف اور اس کے حدود
7۔دینی طریقوں سے دینی معرفت کی ضرورت

**تیسرا جلسہ**
دین میں سیاست کی اھمیت
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ سیاست کی تعریف اور اسلام میں تین طاقتوں کی اھمیت
3۔عدالتی احکام قرآن کی نگاہ میں
4۔ سلام کا ھمہ گیر ھونا اور اسلامی حاکم کی اھمیت
5۔مذکورہ بحث کا خلاصہ

**چوتھا جلسہ**
دین میں سیاست کی اھمیت
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
پہلا اعتراض:
2۔کیادین سیاست سے جدا ھے؟)مذھبی و غیرمذھبی لوگوں کا نظریہ)
3 ۔دنیا اور آخرت میں چولی دامن کا رابطہ ھے
4۔انسان کے دنیاوی اعمال و کردار کی اھمیت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

5-انسان کے کردار کی اھمیت کو سمجھنے میں عقلی طاقت کی شعائیں
6-دین کے حدود
7-دین اور حکومت میں رابطہ
8-دین کی جامعیت

**پانچواں جلسہ**
اسلام میں آزادی (1)
1-گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2-علم اور دین کے مخصوص دائرے
3-دینی حاکمیت کا آزادی سے ٹکراؤ،ایک شبہ
4-مذکورہ شبہ دینی انداز میں
مذکورہ اعتراض کا جواب
5-قرآن پر مختلف توجہ کی دلیل
6-مذکورہ شبہ غیر مذھبی طریقہ سے
7-"ھیوم "کا اعتراضات اور ان کے جوابات
8-دوسرا جواب: آزادی مطلق اور لامحدود نہیں ھے
9-حاکمیت اور انسان کے خلیفۃ اللّٰھی عظمت کے درمیان تعارض ایک شبہ
اعتراض کا جواب
1-اسماء کا علم
2-اللہ کا خلیفہ روئے زمین پر عدالت و انصاف کو جاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ھو

**چھٹا جلسہ**
اسلام میں آزادی (2)
1-تاریخ انسان میں تحویل و تحول کی بنا پر ایک شبہ
2-ھمارا جواب
تشریعی لحاظ سے دوسرا جواب
3-گذشتہ اعتراض، ایک دوسرے لحاظ سے
4-ھمارا جواب
5- خدا کی نافرمانی تاریخ کی نظر میں
6-خدا کی اطاعت اور آزادی

**ساتواں جلسہ**
آزادی کے حدود
1-اسلام کا سیاسی نظریہ اور آزادی کو محدود کرنے کا شبہ
2-آزادی کے بارے میں مختلف نظریات
3- آزادی، مطلق نہیں ھے،اور آزادی کے دین پر مقدم ھونے کا جواب
4- ھر معاشرے کی مقدسات کی رعایت ضروری ھے-
5-آزادی کے نعرہ میں ناجائز غرض
6- آزاد گفتگو کی حد وحدود
7-الفاظ کے مفھوم اور مصادیق کو روشن کرنے کی ضرورت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

**آٹھواں جلسہ**
حکومت کے ڈھانچے کی وضاحت
1- عنصری اور مصداقی تعریف کی اھمیت
2-اسلام اور تینوں قوتوں کے جداجدا ھونے کا نظریہ
الف- قوۂ مقننہ:
ب- قوہ قضائیہ:
ج-قوہ مجریہ:
3- اسلام معاشرہ کو ادارہ نہیں کرسکتا (ایک شبہ)
4-قوانین کی مختلف اقسام اور متغیر قوانین ھونے کی ضرورت
الف- قانون اساسی
ب- پارلیمینٹ کے بنائے گئے قوانین
ج- انجمن حکومت کے بنائے گئے قوانین
5-قوانین کا اسلامی ھونے کا مطلب
6-اسلامی حکومت میں قانون گذاری کا مسئلہ
7-اسلامی حکومت میں قانون کے جاری کرنے والوں کو منصوب کرنا

**نواں جلسہ**
دینی نظام میں قوانین کامقام
1-اسلام کے سیاسی نظریہ کے اصول
الف-قانون
2-طبعی اور بنائے گئے قوانین کی اھیمت
ب -قوانین کا مرضی الٰھی اوردین کے مطابق ھونا ضروری ھے
3-دین کی ضروری باتوں کو قبول کرنا لازمی ھے
4-اسلام،اصول اور ثابت معرفتیں
5-قرآن کریم کے ثابت اور قطعی احکام ومفاھیم
6-اسلام مختلف تعبیریں رکھتا ھے-
7-اسلام انسان کی تمام ضرورتوں کو پوراکرتاھے
الف :سوال کے ثبوتی پھلوکی تحقیق
ب:-سوال کے اثباتی پھلو

**دسواں جلسہ**
قانون کے سلسلہ میں نظریات میں فرق
1- گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2-دور حاضر میں قانون سے بحث کرنے کی ضرورت
3-قوانین کے حدود کو معین کرنے میں دو مختلف نظریے
4-جمھوری حکومت میں قانون کی ضرورت
5- حقوق بشر کے اعتبار کا معیار
6-حقیقی اور تکوینی قوانین اور انسان کے اختیارات کی اھمیت
7- الٰھی اور تشریعی قوانین، انسان کے کمال اور سعادت کی ضامن ھے
8-حقوقی قوانین اور اخلاقی قوانین میں فرق
9-اسلامی اور خودمختاری کے نظریات میں فرق

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

**گیارھواں جلسہ**
قانون کے اعتبار کا معیار
1۔ بڑے سیاسی مسائل کی عمیق تحقیق کی ضرورت
2۔قانون کے معتبر ہونے کا معیار اور اس کی وسعت
الف: نظریۂ عدالت
ب: معاشرے کی ضرورتوں کو پوراکرنا
ج: عوام الناس کیا چاھتی ھے
3۔پہلے نظریہ پر اعتراض
4۔ اسلامی قوانین کی برتری
5۔دوسرا نظریہ عملی نہیں ھے
6۔تیسرے نظریہ کی کمی اور اسلامی لحاظ سے ضرورتوں کی وسعت
7۔اسلامی انقلاب اور اس کا معنوی مصلحتوں سے برتر مقام

**بارھواں جلسہ**
اقدار کے بارے میں اسلام اور مغربی تمدن میں نظریاتی فرق
۱۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
۲۔دین کی نظر میں بہترین قانون اور دوسروں کے نظریہ کے تحت تاثیر واقع ہونے کا خطرہ
۳۔دینی نظریات میں دوسروں سے متأثر ہونا
۴۔پلورالیزم دینی کا مطلب
۵۔بندگی خدا کی عظمت اور اس کا مطلق آزادی سے ٹکراؤ
۶۔یورپ اور علم ودین کے ٹکراؤ کا دور ہونا
7۔اسلام اور آزادیخواہ مکتب میں عوام الناس کی اھمیت
8۔اسلام اور یورپ میں جمہوریت اور قانون گذاری کا مرجع
9۔ جوانوں کے لئے ایک نصیحت
**تیرھواں جلسہ**
قانون کے سلسلے میں اسلام اور یورپ کے درمیان بنیادی فرق
1۔گذشتہ مطالب پرایک نظر
2: فردی آزادی اور قانون کے درمیان رابطہ
3۔اومانیرم اور لیبرالیزم کا قانون میں داخل ہونا
4۔یورپی ثقافت کے اصول اور اسلامی ثقافت سے ان کا موازنہ
5۔علماء اور اسلامی تالیفات کی ذمہ داریاں
6۔قانون کی حقیقت اور اسلام اور لیبرالیزم میں اس کی اھمیت
7۔مشروع آزادی کا نسبی ہونا
8۔اسلام کا لیبرالیزم سے ٹکراؤ
9۔اسلام اور ڈیموکراسی میں قانون گذاری
10۔اسلامی حکومت میں معتبر قانون

**چودھواں جلسہ**
قانون کے سلسلے میں غرب کی مادی نگاہ
1۔گذشتہ مطالب پر ایک نظر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2.مکتب حقوق طبیعی
۳.یورپ میں حقوق بشر کی حدود
4. اسلامی نظام پر تشدد طلب ہونے کا الزام اور اس کے خلاف سازشیں
5. لوگوں میں انتخابات سے بائیکاٹ کا راستہ ھموار کرنا
6. اسلامی مقدسات کی توھین کرنے والوں اور ثقافتی سازشوں سے مقابلہ کی ضرورت
7. خداوندعالم کی رحمت اور غضب کے بارے میں اسلامی تصویر کشی
8. ھدایت کے موانع کو بر طرف کرنے ،دشمنوں اور منافقین سے مقابلہ کی ضرورت
9. اسلامی سزا کے احکام کی مخالفت

**پندرھواں جلسہ**

اسلامی حکومت اور ثقافتی حربے
1.گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2.علماء اور ان کی خطرناک ذمہ داری
3.ملکی اخباروں میں مغربی غلط آزادی کی تبلیغ
4.اسلامی پروٹسٹانیزم، اسلام پر ایک حملہ
5.حق مسلّم کا مفھوم حقیقی
6.اسلام کی حقیقی قرائت اور اس کا صحیح مطلب
7. شرعی آزادی
8.دین اور قانون آزادی کو محدود کرتے ھیں.
۹.آزادی کو محدود کرنے کی ضرورت

**سولھواں جلسہ**

قانون اورآزادی کے لحاظ سے الھٰی اوروالحادی ثقافت میں فرق
1. انتخاب کی اھمیت اور ھدف تک پھونچنے کے لئے قوانین کی آگاھی اور رعایت
2. اخلاقی اور حقوقی قوانین میں فرق
3. الھٰی اور کفر والحادکی ثقافت میں فرق اور قانون کے بارے میں اختلاف نظر
4. مغربی ثقافت کے تین اھم رکن ھیں
5. اسلامی اور مغربی تمدن کا بنیادی فرق
6. آزادی کے حدود کو معین کرنے میں اسلام اور مغربی تمدن میں فرق

**سترھواں جلسہ**

ربوبیت تشریعی، حاکمیت اور قانون گزاری میں رابطہ
1.گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2.اصول موضوعہ کو معین کرنے کی ضرورت
3.خدا کی حاکمیت اور تشریعی الوھیت

**اٹھارھواں جلسہ**

قانون گذاری کے شرائط اور اسلام میں اس کی اھمیت
1. گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2.قانون گذاری کے شرائط خدا وندعالم میں منحصر ھیں
3. قانون بنانے والے متعدد ھوسکتے ھیں (ایک اعتراض)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

4۔ گذشتہ اعتراض کا جواب
5۔ قانون گذاری میں خدا کی اجازت بے اثر ھے .(دوسرا اعتراض)
6۔گذشتہ اعتراض کا جواب
7۔کیا انسان اپنی زندگی پر حقِ حاکمیت رکھتا ھے؟
8۔ انسان کی حاکمیت خدا سے نہیں ٹکراتی

**انیسواں جلسہ**
حکومت اور سیاست کے سلسلہ میں اسلام کی خصوصیت
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔حکومت سے مخصوص کاموں کے بارے میں تین نظریے
3۔ اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں کے کاموں میں ایک امتیازی فرق
4۔ انسانی معاشرہ کی حقیقت اسلام کی نگاہ میں
5۔ قانون گذار کی ضروری صفات
6۔ اسلامی اور لیبرالیزم قوانین میں اختلاف

**بیسواں جلسہ**
قانون وحکومت کی ایک نئی تصویر
1۔معاشر ہ پر ایک طبقاتی اور احزابی نظر
2۔ معاشر ہ کے طبقاتی اور احزابی نظام کے بارے میںاسلام کا نظریہ
3۔معاشرہ اور پیکر انسانی میں دیگر شباھتیں
4۔معاشرہ میں طبقاتی نظام کی روشنی میں حکومت کی اھمیت
5۔واقعی مصالح ومفاسد قانون کے پشت پناہ

**اکیسواں جلسہ**
اسلام اورجمہوریت (1)
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔قانون کے جاری کرنے والوں کے لئے بھی اذن خدا ضرور ی
3۔ جمہوریت کے معنی اور اس کے استعمال میں ایک بحران
4۔دور حاضر میں جمہوریت کا مفہوم
5۔ جمہوریت کی نئی تصویر سے استعمار کا بے جا فائدہ اٹھانا
6۔ اسلامی نظریہ کے مطابق جمہوریت کی مناسب تصویر

**بائیسواں جلسہ**
اسلام اورجمہوریت (2)
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔سیکولر جمہوری اور اس کے فلسفہ کی وضاحت
3۔سیکولر نظام کی فلسفی بنیاد مینمغالطہ
۴۔مدیریت کے میدان میں جمہوریت کا دوسرا رخ
5۔جمہوری اسلامی میں اسلام وولایت فقیہ کا سب سے اھم مقام
6۔اسلام کی مورد قبول جمہوریت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

**تنیسواں جلسہ**
انسانیت میں اصل وحدت کی تحقیق اور شہریوں کی اتباع
1۔ اسلامی نقطہ نظر کسی کا صاحب حق ہونا
۲۔تکالیف ا ور حقوق کے مابین طبیعی اور کسبی اختلاف کا اثر
(الف)۔اختلافات طبیعی اور جبری
(ب)انسانوں کے مابین دوسرا اختلاف اختیاری ھے
3۔ افراد کے لئے شہریت کے قوانین مینمختلف درجات کا معین ہونا
4۔اسلام کی نگاہ میں پہلے اور دوسرے طبقہ کی شہریت
5۔نظام ولایت فقیہ کا دوسرے نظاموں سے فرق

**اسلام اور سیاست جلد(۱)**

حضرت آیۃ اللہ مصباح یزدی مد ظلہ العالی

پہلا جلسہ

**اسلامی سیاست کے سلسلے میں چند اھم سوالات**

۔ مقدمہ 1
بے شک ھمارے اسلامی نظام اور انقلاب کے ثمرات میں سے ایک نماز جمعہ بھی ھے جس کے امت اسلامی کے لئے بہت سے فوائد ھیں مثلاً جس کا ایک ضمنی فائدہ مومنین کو ضروری چیزوں سے آگاہ کرنا ھے ، نماز جمعہ کے خطبوں سے قبل یا نماز جمعہ اور نماز عصر کے درمیان تقاریر کا سلسلہ لوگوں کے لئے بہت مفید ھے ، چنانچہ شروع انقلاب سے آج تک مختلف اساتید دانشمندان اور خطباء کے ذریعہ مختلف موضوعات منجملہ اعتقادی ‘تربیتی ‘ اقتصادی‘ وغیرہ جیسے عظیم اور مہم مسائل پرنماز جمعہ پڑھنے والوں کے درمیان یہ گفتگو ھوتی رھی ھے اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ بھی دوسرے لوگوں تک یہ آواز پھونچتی رھی ھے۔
ھم نے بھی ”اعتقادی نظام اور ارزش اسلام میں توحید کی اھمیت“ کے موضوع پر تقریریں کیں ھیں، جو الحمد للہ چھپ کر قارئین کرام تک پھونچ چکی ھیں، فی الحال بعض احباب اور دوستوں کی فرمایش اور ان کے اصرار پر” اسلام کے سیاسی نظریات “ کے عنوان کے تحت چند جلسہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ھیناور امیدوار ھیں کہ خداوند عالم اس سلسلہ میں ھماری مدد فرمائے، او رجو بھی اس کی مرضی ھو اور امت اسلام کے لئے مفید ھو وہ ھمیں الھام کرے ، او ر ھماری زبان پر جاری کرے ، تاکہ شھید پرور اور حزب اللّٰھی امت تک ھم اس کو پھونچا سکیں ، ھماری اس بحث کا عنوان بہت وسیع ھے ، اس کے اندر مختلف موضوعات کی بحثیں کی جاسکتی ھینچاھے وہ عمیق ھوں یا سادی اور رواں۔
اگرچہ اس سلسلہ میں امام خمینی کی تحریک کے آغاز (یعنی1341ھجری شمشی )سے لے کر آج تک بہت سی گفتگو ھوتی رھی ھے اور مضامین و کتابیں بھی لکھی گئی ھیں، اس طرح بہت سی تقاریر بھی ھوتی رھیں ھیں ، لیکن معاشرہ کے متوسط فھم لوگوں کے لئے بہت ھی کم اس طرح کے منظم مطالب بیان کئے گئے ھیں ، بھرحال احباب کا اصرا ر تھا کہ ان مطالب کو اس ترتیب سے بیان کیا جائے تاکہ سبھی لوگ اس سے استفادہ کرسکیں ،اور مختلف لوگوں کی خصوصا جوان طبقہ کی ضرورت کو پورا کرسکے ، الحمد للہ ھماری قوم تمدن کے لحاظ سے بہت عمدہ ھے ، خصوصاً آخری چند سالوں میں ھمارے معاشرے اور ماحول نے بہت زیادہ ترقی کی ھے ، اور بہت سے دقیق و عمیق مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ھیں ، بھر حال علمی او ر ادبی زبان ، علمی مراکز ( یونیورسٹی اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حوزات علمیہ )سے مخصوص ھے ، اور اگر عوام کے لئے گفتگو کرنا ھو تی ھے تو حتی المقدور علمی اصطلاحات نہیں ھونی چاھیئے تاکہ اکثر لوگ (چونکہ مطالعہ نہیں ھے ) ان ابحاث سے فائدہ اٹھا سکیں ، البتہ اس بات کی توجہ رکھنی چاھیے کہ اسلام کے سیاسی فلسفہ کے تحت جو گفتگو کی جائے گی اتنی مفصل بحث ھے جس کو ۱۰۰ جلسوں میں بھی بیان کرنا مشکل کام ھے ، اس وجہ سے ھم اپنے وقت اور جلسات کی محدودیت کی بنا پر کچھ منتخب مسائل کو چھیڑیں گے ، او ر جن مسائل کی زیادہ ضرورھے، اور جن کے سلسلہ میں سوالات اور شبہات کئے جاتے ھیں ،ان کے بارے میں بحث کریں گے۔

یہ توجہ رھے کہ ھمارا موضوع بنام''اسلام کا سیاسی فلسفہ '' تین کلموں سے مرکب ھے جس کے ھر ایک کلمہ کے لئے مفصل بحث درکار ھے اور سیاسی فلسفہ کی متعدداصطلاح ھیں (مثلاًعلم سیاست کا فلسفہ وعلم سیاست کے مقابل میں فلسفہ ٔ سیاسی) لیکن فلسفہ سیاسی سے ھماری یھاں مراد حکومت و سیاست کے بارے میں اسلامی نظریات کی توضیح وتفسیر ھے جو خاص اصولوں پر قائم ھے ، اور اسلامی حکومت کے سیاسی افکار بھی انھیں اصولوں کی بنیاد پرقابل وضاحت ھیں ۔

2.اسلام اور اس کا سیاسی نظریہ

جس وقت ھم یہ بحث کرتے ھیں کہ اسلام ''سیاست اور حکومت'' کے سلسلہ میں ایک خاص نظریہ رکھتا ھے ، جواسلامی اصول و ضوابط پر مبتنی ھے توسب سے پھلے یہ سوال ھوتاھے کہ کیا دین سیاست و حکومت کے بارے میں کوئی خاص نظریہ رکھتا ھے تاکہ اسلام اس سیاسی نظریہ کو بیان کرے ؟ یہ ایک ایسا مشھور سوال ھے جو صدیوں سے مختلف ممالک اور مختلف معاشرہ میں ھوتا آیا ھے ، ھمارے ملک میں بھی یہ سوال مورد بحث چلا آیا ھے خصوصا مشروطیت کے زمانے سے آج تک اس سوال پر کافی زور دیا گیا ھے ،اور اس سلسلہ میں مختلف طریقوں سے بحث بھی ھوچکی ھے ،البتہ امام خمینی ؒ کے بیانات کے پیش نظر اور مرحوم شھید مدرس کے مشھور و معروف جملہ کہ ''ھمارا دین عین سیاست اور ھماری سیاست عین دین ھے'' جس نے ھمارے ذھن میں نقش بنا لیا ھے ، اور یہ مسئلہ ھم لوگوں کے لئے واضح اور روشن ھوچکا ھے، اور ھم اپنے لئے اس سوال کا واضح جواب رکھتے ھیں ، لیکن اسلام کے سیاسی نظریہ اور دین کی سیاست میں دخالت جیسے مسائل پر تحقیق اور بررسی کی ضرورت ھے ۔

مغربی تمدن میں دین کو جامعیت نہیں دی گئی ھے اور اس کو محدود کرکے پیش کیا گیا ھے کہ دین کا تعلق اجتماعی وسیاسی مسائل سے نہیں ھے ، فقط دین کے اندر انسان کا خدا سے رابطہ ھونا چاھئے اور فرد کا رابطہ خدا سے کیا ھے اس اس چیز کو دین کے اندر مغربی تمدن کے نزدیک بیان کیا جاتا ھے، لھٰذا سیاسی، اجتماعی ، بین الاقوامی، حکومت اور لوگوں کے درمیان روابط اور حکومتوں کے آپسی روابط یہ سب انسان اور خدا کے رابطہ سے جداگانہ چیزیں ھیں، یعنی ان کا دین سے کوئی ربط نہیں ھے، لیکن اسلامی نقطہ نگاہ سے دین ایک وسیع مفھوم رکھتا ھے کہ جس کے اندر انسان کے فردی مسائل اجتماعی مسائل شامل ھیں اور اس کے اندر انسان کا خدا سے رابطہ اور انسان کا آپس میں رابطہ اور دیگر سیاسی، اجتماعی اور بین الاقوامی روابط بھی شامل ھیں یعنی دین کے اندر یہ ساری باتیں پائی جاتی ھیں، کیونکہ اسلام کے اعتبار سے خداوندعالم تمام دنیا پر حاکم ھے لھٰذا سیاست، اقتصاد (معاش) تعلیم وتربیت، مدیریت ارو وہ تمام مسائل جو انسانی زندگی سے متعلق ھیں وہ سب دینی احکام میں شامل ھیں۔

3 ۔اسلامی سیاسی نظریہ کا بنیادی ھونا

اب جبکہ ھم نے قبول کرلیا کہ اسلام حکومت اور سیاست کے سلسلے میں اپنا ایک نظریہ رکھتا ھے ، اور حکومت و سیاست کے بارے میں اسلام کی طرف ایک خاص نظریہ کی نسبت دی جاسکتی ھے ،اس نظریہ کی ماھیت و کیفیت کے بارے میں چند سوال پیدا ھوتے ھیں۔

کیا اسلام کا سیاسی نظریہ ایک بنیادی نظریہ ھے یا کسی نظریہ کی تقلید ھے ؟یعنی کیا اسلام نے یہ نظریہ اختراع اور ایجاد کیا ھے اور خدا کے نازل شدہ تمام احکام تعبدی کی طرح اس نظریہ کو پیش کیا ھے یا یہ کہ اسلام نے کسی ایک نظریہ کو لے کر اس کی تائید کرکے پیش کیا ھے؟ اس سوال کے جواب میں ھم یہ عرض کرتے ھیں کہ اسلام نے بھت سے مسائل میں سیرت عقلاء کی تائید کی ھے ، جسے اصطلاحاً اسلام میں ''امضاء روش عقلاء'' کھا جاتا ھے، مثال کے طور پر عام انسان جس طرح کے معاملات کرتے ھیں مثلا خرید وفروخت ،کرایہ ،بیمہ وغیرہ ان کو سیرت عقلائی کے نام سے یاد کیا جاتا ھے ، کہ لوگوں نے ان کو ایجاد کیا ھے اور شارع مقدس نے ان کی تائید فرمائی ھے ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ کیا حکومت ا ور سیاست کے سلسلہ میں اسلام کا نظریہ اسی طرح ھے کہ عقلاء نے کچھ حکومت و سیاست کے بارے میں نظریہ قائم کیئے اور ان کو قبول کیا ، اور شارع مقدس نے بھی ان نظریات کی تائید کرنے کے بعد قبول کرلیا ھے؟ یا یہ کہ خود اسلام نے اس سلسلے میں اپنا ایک خاص اور اختراعی نظریہ پیش کیا ھے ؟ اور دنیا کے تمام نظریات کے مقابلے میں ا سلامی حکومت کے بارے میں پیش کیا ھے ؟ حقیقت یہ ھے کہ اسلام نے حکومت اور سیاست کے بارے میں سیاسی و اجتماعی زندگی کے لئے بنیادی و اختراعی اصولوں پر مشتمل ایک مجموعہ پیش کیاھے ، نہ یہ کہ اسلام کے نظریات تقلید ی اور تائیدی ھینجو حضرات حکومت کے مختلف اشکالات اور سیاسی فلسفہ سے آگاھی رکھتے ھیں وہ جانتے ھیں کہ اس سلسلے میں مختلف نظریات موجود ھیں جن میں سے ایک نظریہ '' تئوکراسی'' (الٰھی حکومت ) بھی ھے یہ نظریہ عیسوی صدی کے وسط میں یعنی تقریباً ایک ھزار سال پہلے یورپ میں کلیسا (عیسائی کی عبادتگاہ) کی طرف سے پیش کیا گیا مخصوصاً کیتھولک عیسائیوں کے کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ ھم لوگ خدا کی طرف سے لوگوں پر حاکم ھیں ، اس کے مقابلہ میں عیسائیوں کا دوسرا فرقہ یہ کھتا ھے تھا کہ حضرت عیسی مسیح (ع) کا دین سیاست سے جدا ھے ، یعنی دین اور سیاست میں کوئی ربط نھیں ھے۔

بھر حال دوسرے فرقے کا اعتقاد یہ تھا کہ پاپ کو حکومت کا حق ھے، اور خدا کی طرف سے کلیسا کو ایسا صاحب اقتدار ھونا چاھئے جو لوگوں پر خدا کی طرف سے حکومت کر سکے ، اور لوگوں کو بھی خدا کے حکم سے پاپ کی اطاعت کرنا چاھئے اس نظریہ کو تئو لوکراسی حکومت نام دیا گیا ۔

جب یہ کھاجاتا ھے کہ اسلام عام لوگوں کی ایجاد شدہ حکومت کے علاوہ اپنے خاص نظریہ کے تحت اسلامی اور الٰھی حکومت کوپیش کرتاھے تو کیا اس سے یھی تئوکراسی حکومت مراد ھوتی ھے جسے مغرب اور یورپ میں سمجھا جاتاھے اور الٰھی حکومت ان کے تمدن میں اسی معنی میں پھچانی جاتی ھے ؟ اور جس طرح تئوکراسی حکومت میں خدا وند عالم نے حاکم کو وسیع پیمانے پر اختیار ات دیئے ھیں اور وہ اپنی مرضی کے مطابق لوگوں پر حکومت کرسکتا ھے اور لوگوں پربھی واجب ھے کہ اس حاکم کی مرضی کے مطابق عمل کریں ؟کیا حکومت الٰھی و ولایی کے مطابق بھی جس کا ھم دعوی کرتے ھیں اور اسلام کے ولایت فقیہ کے نظریہ کے تحت کیا ولی فقیہ اپنی مرضی کے مطابق لوگوں پر حکومت کا حق رکھتا ھے اور کیا اس کو یہ بھی حق ھے کہ جس طرح وہ چاھے قوانین بنا کر ان کے ذریعہ لوگوں پر حکومت کرے ، اور لوگوں پر بھی اس کی اطاعت واجب ھے ؟

یہ سوال بھت اھم ھے اور ضروری ھے کہ اس سلسلے میں ایک مناسب بحث اور تحلیل کی ضرورت ھے تاکہ اس سلسلہ میں جو غلط فھمی پائی جاتی ھے وہ دور ھوجائے ۔

مذکورہ سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ھے کہ جس الھی حکومت کے ھم معتقد ھیناور وہ تئوکراسی حکومت (جو مغرب اور یورپ میں معروف ھے ) زمین تا آسمان فرق رکھتی ھے ، یہ غلط فھمی نھیں ھونی چاھئے کہ الھی حکومت اسلام کی نظرمیں وھی حکومت ھے کہ جس کے عیسائی خصوصاًفرقہ کیتھولک خدا اور پاپ بارے میں قائل ھیں۔

سیاسی صاحب نظرافراد نے حکومت کے نظریات کی کثرت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ھے :

(1) ڈکٹیٹری حکومت(شھنشاھی حکومت)

(2)ڈیموکراٹک (جمھوری حکومت) اگرچہ ان دونوں کی بھت سی قسمیں موجود ھیں لیکن کلی طور پر حکومت کی دو قسمیں ھیں ۔

پھلی قسم ایسی حکومت جس میں حاکم اپنی مرضی سے حکومت کرتا ھے اور خود فرمان جاری کرتا ھے اور مختلف طریقوں سے اپنی حکومت کو چلاتا ھے اور اپنی فوجی طاقت کے ذریعہ لوگوں کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتا ھے ۔

دوسری قسم ایسی حکومت جس میں لوگوں کی رائے دخالت رکھتی ھے اور لوگ اپنی مرضی سے اپنے حاکم کو چنتے ھیں اور حاکم بھی لوگوں کی خواھشات کے مطابق عمل کرنے کے پابند ھوتے ھیں یعنی ان کی حکومت لوگوں کے ارادے اور ان کی چاھت پر موقوف ھوتی ھے۔

۔اسلامی حکومت کی حقیقت اور اس کے ارکان3

جن لوگوں نے حکومت کے سلسلہ میں مغربی تقسیم کو قبول کیا ھے اور معتقد ھیں کہ حکومت دو حال سے خالی نھیں ھے حکومت یا ڈکٹیٹری ھے یا ڈیموکراٹک اور جمھوریت ، اب یھاں یہ سوال ھوتا ھے کہ اسلامی حکومت ڈکٹیٹری حکومت ھے یعنی جو بھی حکومت پر ھو مختار ھے مثلاً ھمارے زمانہ میں ولی فقیہ اپنی طاقت و قدرت اور اسلحہ کے ذریعہ لوگوں پر حکومت کرتا ھے اور اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتا ھے یا اسلامی حکومت کا کوئی نیا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انداز ھے ؟ یا اسلامی حکومت کی کوئی تیسری شکل ھے کہ نہ ڈکٹیٹری ھے اور نہ جمھوریت ؟
بھر حال حکومت کی دوگانہ تقسیم ایسی ھیں جن کو تمام لوگوں نے قبول کیا ھے لھٰذا اسلامی حکومت مذکورہ تقسیم سے خارج نھیں ھے یا یہ حکومت ڈکٹیٹری ھے یا جمھوری اگر اسلامی حکومت جمھوری ھے تو اسلامی حکومت کو یورپی حکومت میں پائے جانے والے طور طریقے اپنانا چاھئیں، اگر ایسا نھیں ھے تو پھر اسلامی حکومت ڈکٹیٹری حکومت ھوگی جو صرف خاص فرد کی مرضی پر تکیہ زن ھوتی ھے اور اس سلسلہ میں تیسر ے نظریہ کو انتخاب کرنے کی ضرورت نھینھے،لھٰذا ضرورت ھے اس چیز کی کہ اس اھم سوال کا جواب دیں اور بیان کریں کہ اسلامی حکومت ڈکٹیٹری ھے یا جمھوری یا کوئی تیسری قسم انھیں سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی ھوتاھے کہ اسلامی حکومت کے مقدمات اور اس کے ارکان کیا ھیں ؟ وہ کون سے ارکان ھیں کہ جن پر حکومت اسلامی کو توجہ رکھنی چاھئے تاکہ واقعی طور پر حکومت اسلامی ھوسکے ؟ جو حضرات ھمارے مذھب اور فقہ کے بارے میں معلومات رکھتے ھیں ان کو معلوم ھے کہ اگر نماز کے ارکان میں کوئی ایک بھی رکن چھوٹ جائے چاھے عمداًطور پر چھوڑا جائے یا سھواً چھوٹ جائے اس کی نماز باطل ھوجائیگی در حقیقت ارکان نماز سے ھی نماز ھے اسی طرح اسلامی حکومت کے ارکان ھونا چاھئیے کہ اگر وہ ارکان موجود ھوں تو اس حکومت کو اسلامی حکومت کھا جائے گا اوراگر وہ ارکان نھیں ھیں یا اگر ان مینخلل (کمی و زیادتی ) پائی جائے تو اس کو حکومت اسلامی نھیں کھا جائے گا ۔
انھیں ارکان کی اھمیت کے پیش نظر جن پر اسلامی حکومت موقوف ھوتی ھے، ھم ان ارکان سے آگاہ ھونے کی خاطر ان کے بارے میں گفتگو کرنا ضروری سمجھتے ھیں، کیونکہ جب ھم ان ارکان کو پھچان لیں گے تو اسلامی حکومت کا معیار و ملاک ھمارے ھاتہ میں آجائے گا کہ جس کے ذریعہ سے ھم اسلامی اور غیر اسلامی حکومت کے فرق کو مکمل طریقہ سے پھچان لیں گے اسی وجہ سے اس اھم سوال کا جواب بھت ضروری ھے ۔

5۔اسلامی حکومت کا ڈھانچہ ، اس کے اختیارات اور وظایف کی وسعت
اس سلسلہ کا ایک دوسرا سوال یہ ھے کہ کیا اسلام نے حکومتِ اسلامی کی ایک خاص شکل وصورت معین کی ھے؟ جیساکہ آپ حضرات کو معلوم ھے کہ آج کی اس دنیا میں حکومت کے کیا ڈھانچے اور طور طریقے ھیں اور قدیم زمانے میں بھی حکومت کی شکل وصورت ھوتی تھی جو اس وقت نھیں ھے۔
موجودہ حکومتوں کی بعض قسمیں اس طرح ھیں:
1۔بادشاھی حکومت،مشروطہ ومطلق۔
2۔ جمھوری حکومت (ریاستی یا پارلیمنٹ کی حکومت)۔
3۔ الھٰی حکومت۔
کیا اسلام نے حکومت کی ان شکلوں میں سے کسی ایک کو قبول کیا ھے یا اسلام نے خود ایک خاص شکل معین کی ھے جو مذکورہ شکلوں سے فرق رکھتی ھے یا یہ کہ اسلام نے حکومت کے لئے کو ئی خاص طریقہ کو نھیں اپنایا ، اور فقط حکومت کے لئے چند معیار معین کئے ھیں جن کا ھر طرح کی حکومت میں لحاظ کرنا ضروری ھے؟ مثال کے طور پر اسلام کا حکم ھے کہ حکومت میں عدالت کا لحاظ رکھا جائے لیکن عدالت کا کس طرح لحاظ رکھا جائے؟ کیا عدالت زمان ومکان کے اعتبار سے لحاظ کی جائے؟ چنانچہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں کسی بھی وقت زمان ومکان کے اعتبار سے اس طرح کی عدالت لحاظ کیا جاسکتا اور اسلام نے ایک خاص شکل وصورت کی عدالت برتنے پر اصرار نھیں کیا ھے؟! اور اسلام کی نظر میں حکومت کی مناسب شکل اس کے معیار کی رعایت پر ھے ۔
اور اگر اسلام نے حکومت کے لئے کسی خاص شکل وصورت کا انتخاب کیا ھے تو کیا اسلام کی نظر میں اس حکومت کا ڈھانچہ ایک ثابت اور پائیدار ڈھانچہ ھے ؟ یا یہ کہ اس کا ڈھانچہ غیر پائیدار ھے کہ جس میں اکثر و بیشتر تبدیلی و تغیر ھوسکتی ھے ؟
اس طرح کے سوالات اسلامی حکومت کے ڈھانچے اور شکل وصورت کے بازے میں ھوتے رھتے ھیں اس لئے ضروری ھے کہ ان کے جوابات بھی دئے جائیں ۔ فلسفۂ حکومت کے سلسلے میں ایک دوسرا سوال یہ ھوتا ھے کہ اسلامی حاکم اور رئیس چاھے وہ کوئی ایک فرد ھو یا ایک گروہ یا ایک مجلس وانجمن کی شکل میں ھو، یعنی اسلامی حکومت کے اختیارات کیا کیا ھیں ؟ اور اسی طرح حکومت کی ذمہ داریاں کیا کیا ھیں ؟ کیو نکہ گذشتہ زمانے اور عصر حاضر کی حکومتوں میں ذمہ داریوں کے لحاظ سے کافی فرق نظر آتا ھے بعض حکومتیں اختیارات اور وظایف کے لحاظ سے کافی محدود ھوتی ھیں مثلاً یہ کہ بعض حکومتیں فقط لوگوں کی عام حفاظت کی ذمہ دارھوتی ھیں جو اھم ھوتے ھیں، اور اکثر کاموں میں خود لوگوں کی اپنی ذمہ داری ھوتی ھے لیکن بعض حکومتوں کے اختیارات بھت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وسیع ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں اس کے وظایف اور ذمہ داریاں بھی وسیع ہوتی ہیں اس حکومت کی ذمہ داریاں بہت مہم اور خطر ناک ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں اسے جواب دہ ہونا ہوتا ہے اور ان ذمہ داریوں کو تمام لوگوں پر نہیں چھوڑا جاسکتا کیونکہ لوگوں کو حق ہے کہ وہ حکومت سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے سلسلے میں مطالبہ کریں ۔
اسی طرح یہ بھی روشن ہونا چاہیے کہ اسلام کے سیاسی فلسفہ کے تحت اسلامی حکومت نے کیا کیا اختیارات و ذمہ داریاں معین کی ہیں اور بلا شبہ یہ اختیارات و ذمہ داریاں مناسب اور متعادل ہونی چاھئیں، جن مقدمات پر کوئی کام موقوف ہو ان مقدمات کو فراہم نہ کرکے کسی کے سپرد کوئی ذمہ داری کی جائے تو یہ صحیح نہیں ہے ۔
بھر حال اسلامی حکومت کے اختیارات اور اس کی ذمہ داریاں کیاکیا ہیں ؟ اس اہم سوال کے بارے میں ہم گفتگو کریں گے۔

6۔اسلامی حکومت میں لوگوں کا کردار اور چند دیگر سوالات آج کے انہیں اہم سوالوں میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ حکومت اسلامی میں لوگوں کا کردار کیا ہے ؟ لوگوں کے اختیارات اور ان کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں؟انہیں سوالوں میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ صدر اسلام میں حضرت رسول خدا ، حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی حکومتوں کی کیاشکل تھیں؟ اسی طرح بنی امیہ و بنی عباس وغیرہ کی حکومتیں کس حد تک اسلامی تھیں؟
اور جس وقت ہم اسلامی حکومت کی گفتگو کرتے ہیں تو اس سے مراد مذکورہ حکومتوں سے کون سی حکومت مراد ہوتی ہے؟ اور تاریخ میں اسلامی حکومت کی تشکیل کس طرح ہوتی آئی ہے کہ نتیجۃً اسلامی حکومت کی یہ شکل اسلامی انقلاب کے ذریعہ ایران میں بھی وجود میں آئی؟
البتہ مذکورہ سوالات کے ضمن میں دوسرے جزئی سوال بھی ہوتے ہیں منجملہ یہ سوال کہ کیا ہماری یہ حکومت سو فی صد اسلامی حکومت ہے؟ اور کیا اس میں اسلامی حکومت کے تمام معیار و ضوابط موجود ہیں؟ اور اگر اس میں وہ تمام معیار وضوابط موجود ہیں تو کیا اس حکومت نے ان کی رعایت کی ہے؟ اسی طرح یہ سوال کہ اس حکومت میں کیا کیا نقص ہیں؟

7۔ اسلام کے سیاسی نظریہ کو پہچاننے کے طریقے
قبل اس کے کہ ہم مذکورہ سوالات اور شبہات کا جواب دیں اور فلسفہ سیاسی اسلام میں وارد ہوں اس چیز کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اس روش وطریقے کو پہلے بیان کردیں جس کو مذکورہ بحث کی تحقیق اور بر رسی میں اپنائیں گے اس بحث کی متدلوژی ( طوروطریقہ) کیا ہے ، بھر حال یہ ایک مقدماتی بحث ہے کہ جس کو شروع میں بیان کردینا چاھئے، کیا یہ ہماری بحث کا طریقہ اور عقلی روش ہے؟یعنی کیا ہم عقلی دلیلوں کے ذریعہ اسلام کے نظریات کو بیان کریں گے ؟ یا ہماری روش اور شیوہ بحث تعبدی اور نقلی ہوگا یعنی قرآن وسنت کے تابع ہے؟ گویا اس حکومت کے اصول وضوابط قرآن وروایات سے اخذ کئیے جائیں گے؟
یا یہ کہ اسلامی سیاست ایک تجربہ کی طرح ہے؟ کہ جس کے درست اور غیر درست ہونے کو تجربہ ھی ثابت کرسکتا ہے؟ اس صورت میں ہماری گفتگو کا شیوہ تجربہ ہوگا اور فیصلہ کرنے کا معیار بھی تجربہ ہوگا ۔
بھر حال چونکہ ہماری بحث عقلانی پہلو رکھتی ہے اسی وجہ سے اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ عقلی بحث کی کم از کم دو قسمیں ہیں:
(1) جَدَلی طریقہ ۔
(2) برھانی اور دلائل کا طریقہ ۔
جس وقت ہم کسی گفتگو کو شروع کرتے ہیں اور عقلی لحاظ سے کسی ایک موضوع کی تحقیق کرتے ہیں تو کبھی ایسے اصول ومقدمات سے بحث کرکے مجھول نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ جن مقدمات اور اصول کوھم اور ہمارا مخالف قبول کرتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ برھانی راہ وروش ہے کہ جس میں تمام مقدمات بھی مورد بحث قرار پاتے ہیں گویا بحث خودقضایا اولیہ ویقینیات وبدیھیات سے ہوتی ہے تاکہ ان کے ذریعہ ہمارا استدلال اور برھان یقینی اور قطعی قرار پائے، اور ظاھر ہے اگر ہم اس راستہ کو اختیار کریں تو بحث طولانی ہوجائے گی۔
مثال کے طور پر اگر ہم برھان کے ذریعہ ثابت کرنا چاھیں کہ حکومت اسلامی میں عدل وانصاف رعایت ہونا چاھئے تو سب سے پہلے ہمیں عدل کے مفہوم اور معنی کو واضح کرنا ہوگا اور اس کے بعد اس سوال کا جواب دیں کہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عدالت کا کس طرح لحاظ رکھا جائے؟ اسی طرح یہ سوال کہ عدالت اور آزادی ایک جگہ جمع ہوسکتی ہیں یا نہیں نیز اسی طرح یہ سوال کہ عدالت کے معیار کو کون معین کرے؟کیا عدالت کے معیار کو خدا وندعالم معین کرے یا عقل؟ مذکورہ سوالات کے حل ہونے کے بعد یہ سوال ہوتاھے کہ اس سلسلہ میں عقل کس حد تک فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ھے؟ کیا عقل کی قضاوت ایک خاص مقدار میں ھے یا مطلق طور پر اس طرح یہ بحث طول پکڑجاتی ھے یہاں تک کہ اصول اولیہ اور مسائل معرفت شناسی کے بارے میں مورد سوال قرار پاتے ہیں بھرحال ان کو بھی واضح وروشن ہونا چاھئیے، خلاصہ یہ عقل کیا ھے؟ اور اس کی دلالت کس طرح کی ھے؟ عقل کس طرح استدلال کرتی ھے؟ اور عقل کا اعتبار اور اس کا حکم کس حد تک قابل قبول ھے؟ اور ظاھر ھے کہ اگر ھم اس طرح کے مسائل پر تحقیق کریں تو مختلف علوم سے بحث کرنی پڑے گی ، جو ایک طولانی مدت چاھتی ھے جو مفقود ھے۔

بھر حال برھانی بحث کرنا اپنی جگہ مقدس اور محترم ھے لیکن جیسا کہ ھم نے اس سے پہلے بھی اشارہ کیا کہ برھانی و استدلالی بحث کرنے کے لئے بہت سے علوم کا سھارا لینا پڑتا ھے اور بہت کم افراد ھی ان علوم میں مہارت رکھتے ھیں اور علم کے ماھر انسان اس کے محدود مسائل تک ھی رسائی رکھتے ھیں خلاصہ یہ کہ یہ کام کافی مشکل ھے اور اس طرح کے مسائل کو واقعاً حل کرنے ایک طویل مدت درکار ھے ھم بھی اپنی گفتگو میں اگر اسی برھانی راستہ کو اپنائیں اور الگ الگ مسائل سے بحث کرکے بدیھی اصول اور مبنا تک پھنچیں تو ھمارے پاس وقت بہت کم ھے،لھٰذا اپنی بحث کو منزل مقصود تک نہیں پھچا سکتے، اسی وجہ سے جھاں برھانی بحث سادہ اور غیر پیچیدہ ھے وھاں برھانی اور استدلالی بحث کرینگے اور اس کے علاوہ تمام موارد میں جدلی بحث کریں گے کیونکہ جدلی بحث کا مناسب ترین طریقہ ھے۔

در حقیقت یہ ھدف اور نتیجہ تک پھنچنے کے لئے یہ راستہ درمیانی راستہ ھے ،یعنی یہ راستہ دوسروں کو قانع کرنے کے لئے عام راستہ ھے ، خداوند عالم نے قرآن مجید میں بارھا دشمن کو قانع کرنے کے لئے اور اپنی طرف سے اتمام حجت کے لئے اس کو بیان کیا ھے ، اور ھمیں بھی حکم دیا ھے کہ ھم بھی اس راستہ کو اپنائیں او ردوسروں سے اسی کے ذریعہ بحث اور گفتگوکریں،ارشاد باری تعالیٰ ھوتا ھے :

( أُدْعُ إِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھمْ بِالَّتِی ھیَ أَحْسَن---) (1)

”حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو، اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث وجدل کرو۔“

حوالہ

1 سورۂ نحل آیت 125

اسلام اور سیاست جلد(۱)

دوسرا جلسہ

**اسلام کے سیاسی نظریہ کی بحث کی اھمیت اور ضرورت**

ھم نے پہلے جلسہ میں اسلام کے سیاسی نظریہ کے تحت اس سلسلے کے منتخب مسائل کو بیان کیا تاکہ معلوم ھوجائے کہ اس سلسلے میں ھم کیا کچھ عرض کرنا چاھتے ھیں، آج ھم خداوندعالم کی مدد سے اس سلسلے میں بحث کریں گے کہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی بحث کتنی مھم اور ضروری ھے۔

1- اسلامی انقلاب سے مغرب ومشرق کا برتاؤ

اس بحث کی اھمیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے لئے ایک نگاہ اپنے ملک اور اس زمانے کے اسلامی ممالک کی تاریخ پر نظر ڈالیں،اور جیسا کہ آپ حضرات جانتے ھیں کہ دنیا پرست، قدرت طلب، زورگو افراد ھمیشہ تاریخ میں فتنہ وفساد کے باعث بنے ھیں اور جس طرح انسان کی زندگی ماڈرن ھوتی جارھی ھے او رحکومتیں قاعدہ وقانوں اورعلم کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بنیاد پر ترقی کی طرف گامزن ھیں، فتنہ وفساد کی فعالیت بھی عملی تر اور قواعد وضوابط کے بنیاد پر دقیق تر ھوتی جارھی ھے۔
دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کی طاقتیں اس نتیجہ پر پھونچ گئی ھیں کہ دنیا کی دو بڑی سُوپر طاقت یعنی مغرب کی ثروتمند طاقت او رمشرق کی مارکسست او رکمیونیسٹ طاقت موجود ھیں اور جنگ کی کامیابی کے بعد دونوں طاقتوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنی قدرت سے دوسرے ممالک کو بھی خوف زدہ کیا جائے تاکہ وہ ان کے مقابلہ میں سر نہ اٹھاسکیں۔
اور جب بھی کسی نے ان فتنہ گر اور مفسدوں کے مقابلہ میں سراٹھایا ھے ا سکو نیست ونابود کرنے کی کوشش کی گئی ھے، ان ظالم وستم گروں کا مقابلہ کرنے والے انبیاء اور ان کے پیروکار تھے جو کسی بھی زمانہ میں ستم گروں و ظالموں کے مقابلہ میں تسلیم نھیں ھوئے اسی وجہ سے ظالم و ستمگروں نے انبیاء اور ان کے پیروکاروں کو اپنا دشمن سمجھا اور ان کے ساتھ دشمن جیسا سلوک کیا ، لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد، خصوصاً کلیسا کو جو یورپ میں دینی قدرت کا مظھر تھا میدان سے خارج کرنے بعد یہ گمان کربیٹھے کہ اس وقت دنیا میں کوئی ایسی طاقت نھیں ھے جو ان کے مقابلہ میں آسکے۔
لیکن بیسویں صدی کی آخری تین دھائیوں میں غیر یقینی طور پر ایران کے انقلاب کو دیکھتے ھوئے بھت تعجب ھوا ، شروع میں تو یہ سوجا کہ کہ ایران کا یہ انقلاب ان دوسری انقلابی تحریکوں کی طرح ھے جو کبھی کبھی اسلامی ممالک میں ھوتی چلی آئی تھیں کہ جن کو کلّی طورپر نیست ونابود کردیا گیاتھا، انھوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ ھم اپنے مخصوص تجربات کے ذریعہ اس انقلاب کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینک دیں گے، لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا انھوں نے دیکھا کہ یہ انقلاب تو دوسری تحریکوں سے بھت نمایاں فرق رکھتا ھے۔
بھر حال اسلامی انقلابِ ایران کے نتیجہ میں اس منطقہ میں ایک بڑی طاقت رونما ھوئی ، انقلاب اسلامی نے مشرق ومغرب پر بھروسہ نہ کیا اور نہ ھی بغاوت جیسی تحریکوں اور فوجی ٹکراؤ کا سھارا لیا ،بلکہ غر ب کو ناکام کرتے ھوئے اسلامی حکومت تشکیل دیدی۔
اسلام دشمن طاقتوں کے پاس دینداری سے مقابلہ کا جو کچھ تجربہ تھا وہ سب انقلاب اسلامی کے نابودی کے لئے ھر ممکن حربہ استعمال کیا مگر کامیاب نہ ھوسکے ، آپ حضرات کے لئے تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نھیں ھے ھم فقط اشارہ کرتے ھوئے گذرتے ھیں۔
شروعِ انقلاب میں ملکی حالات کو خراب کرنے کی کوشش کی ، اس امید میں کہ یھاں پر ایسی ایک حکومت تشکیل دی جائے جو مغرب کے لئے کام کرے، لیکن انھوں نے دیکھا کہ لوگوں کی طاقت وقدرت اس سے کھیں زیادہ ھے کہ یہ گروھونکو تحریک کرکے انقلاب اسلامی کے لئے کوئی خطرہ ایجاد کرینیھاں تک کہ اپنے مختلف حربے استعمال کیئے منجملہ یہ کہ ایران پر اقصادی پا بند ی لگا ئی عراق کے ذریعہ آٹھ سال تک جنگ تھونپی ان تمام حربوں کے ذریعہ انقلاب اسلامی کو نا کام کرنا چاھتے تھے لیکن خدا کے فضل سے کسی طرح بھی کامیاب نہ ھوسکے۔

2 ۔ جوانوں کی گمراھی کے لئے مغرب کا ایک ثقافتی حربہ
چونکہ دشمن کسی بھی میدان میں کا میاب نہ ھو سکا تو اس کی امید صرف جوانوں پر آکر رکی کہ ایران کے جوانوں کے لئے فرھنگ (کلچر ) کے لحاظ سے ایک طولانی مدت پروگرام بنا یاجائے ، اور اس پروگرام کے تحت مختلف طریقوں سے ملک میں نفوذ کرنا چاھا (کیونکہ اس سلسلے میں ان کے پاس کافی تجربہ موجود تھا)ان کی کوشش یہ تھی کہ ایک ایسا مرکز بتایاجائے کہ جس کے ذریعہ اپنے افکار ونظریات کو نشر وا شاعت کی جائے اور اس مرکز کے ذریعہ ملت کے مختلف لوگوں تک اپنی تبلیغاتی لھر یں پھونچائی جائیں تاکہ آھستہ آھستہ اپنی مرضی کے مطالق ماحول بنایا جائے ،ظاھر ھے کہ اس سلسلے میں بھی دوسرے پروگراموں کی طرح انھوں نے اپنے علمی حساب وکتاب کے تحت پروگرام بنا یا۔
چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ انقلاب کی نسل بڑھاپے کی طرف بڑہ رھی ھے ، اور مستقبل کی نبضونکو جوانوں کے ھاتھو نمیں دیکھا (وہ جوان کہ جو شاہ کے ظلم وستم سے آگاہ نھیں ھیں اور نہ ھی انقلاب سے پھلے والے ا ور انقلاب کے بعدوالے اسلامی رزمندوں کی جانثار وں سے آگاہ ھیں ، اور صرف وہ اپنی خواھشوں کے پیروں ھیں ان کی مرادیں کبھی مادیات ھوتی ھیں اور کبھی خواھشات ) تو یہ کہ جوان طبقہ جو اس وقت ملت کی اکثریت ھے اس میں کسی طرح سے رسوخ پیدا کیا جائے اور آھستہ آھستہ اپنی مرضی کے مطابق ایسی حکومت بنوائیں حو ان کے نفع کیلئے کام کرے ، اوروہ اسی کشمکش میں تھے کہ پروگرام کو کھاں سے شروع کیا جائے، اور اس جوان نسل کے افکا رو عقائد میں کس طرح نفوذ کیا جائے ، تاکہ ان کی امیدوں کیلئے زمینہ فراھم ھو سکے ،چنانچہ انھوں نے اس سلسلے میں بھت اسٹیڈی کی کہ آخر اس قدر لوگ کیوں حکومت اسلامی کے حامی اور وفادار ھیں یھاں تک کہ تمام مشکلات مالی، مھنگائی، بمباری اور دوسری

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پریشانیوں کوبھی بر داشت کررھے ھیں پھر بھی حکومت اسلامی کی حمایت سے باز نہیں آتے ،ان تمام چیزوں کو دیکہ کر دشمن اس نتیجہ پر پھونجا کہ یہ سب اس وجہ سے ھے کہ یہ لوگ دین اسلام کے معتقد ھیں ۔

3۔فرھنگی تین حربے

کیونکہ ایرانی قوم اھل بیت علیھم السلام کے پیروں ھیں اور ائمہ علیھم السلام اور امام حسین علیہ السلام کو اپنے لئے نمونہ عمل بنایا ھے، اور یہ اعتقاد رکھتے ھیں کہ اسلام کے لئے اپنی جان ومال بھی قربان کر سکتے ھیں اور ان کو یہ اعتقاد ان کی ماں نے دودہ میں پلایاھے ،اور جب تک زندہ رھیں گے، یہ عقیدہ ان کہ دلوں میں باقی رھے گا مگر دشمن اس عقیدہ کو کم رنگ کرنا چاھتا ھے ،اور دشمن کی تمنا یہ ھے کہ آئندہ آ نے والی نسل میں اس طرح کا عقیدہ باقی نہ رھے اور اس طرح اسلامی حکومت اور اسکے ذمہ دار افراد سے بد ظن کردیں ، کیونکہ لوگوں کا عقیدہ یہ ھے کہ دین اسلام ھمارا حاکم ھے ،اور حکومت کے حقدار علماء اور دیندار افراد ھیں جن کی سرپرست ولی فقیہ ، ھے ،اور جب تک یہ عقیدہ جوانوں کے درمیان موجود ھے اس حکومت اسلامی کو کوئی نقصان نہیں پھونچ سکتا ۔

چنانچہ دشمن نے سوچا کہ اس اعتقاد کو ختم کرنا چاھئے لیکن کس طرح؟ ظاھر ھے کہ یہ افکار روشن فکر طبقہ کے ذریعہ ھی ان تک پھونچائے جاسکتے ھیں، لہٰذا یونیورسٹی اور ثقافتی مراکز کے درمیان ایک ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے ذریعہ یہ افکار ملت تک پھونچائے جائیں ، اور ایسے افراد کو بروئے کار لایا جائے جو ان کے افکار کو پھیلائے اور حداقل لوگوں کے دلوں میں خصوصاً جوان طبقہ میں شک ووسوسہ پیدا کریں اور اسلامی حکومت، ولایت فقیہ کی نسبت ان کے عقائد کو ڈاماڈول اور کم رنگ کیا جائے، جوانوں میں حکومتِ اسلامی کی نسبت عقیدہ کو کم رنگ کرنا ھی ان کا مطلوب ھے کیونکہ اگر ان کے دلوں میں شک پیدا ھوگیا تو پھر کوئی دوسرا 13/ سالہ نوجوان کمر سے بم باندہ کر ٹینک کے نیچے نہیں جائےگا، یہ کام تو اس وقت ھوسکتا ھے کہ جب آخرت اور حساب وکتاب پر ایمان ھو اور اپنے صحیح راستہ کو جانتا ھو،لیکن اگر شک پیدا ھوجائے تو کافی ھے ایک قدم آگے بڑھائے اور پھر پیچھے ھٹ جائے اور یہ شک وتردید دشمن کے لئے کافی ھے تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ھوجائے۔

انھیں مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنے زرخرید غلاموں (کہ واقعاً جنھوں نے دھوکہ کھایا) اور اپنے مختلف تجربوں ، او ران لوگوں کے ذریعہ کہ جن کے عقائد واقعاً ضعیف وکمزور ھیں مخفیانہ طور پر ذریعہ اپنے مقاصد کی طرف متوجہ کیا اور درج ذیل چیزوں کے ذریعہ اپنا کام شروع کیا۔

الف:دین کو سیاست سے جدا کرنے کی فکر رائج کرنا

دشمن کا سب سے پہلا کام دین کو سیاست اور حکومت سے جدا کرنے کی فکر کورائج کرنا تھا اس مسئلہ کی تبلیغ کے لئے راستہ بحد کافی ھموار تھا کیونکہ صدیوں سے مغرب اور یورپ میں اس سلسلہ میں کافی کام ھوچکا تھا بھت سی کتابیں لکھی گئیں کافی مقدار میں ریسرچ کی گئی تھینجس کے نتیجہ میں مغربی ممالک میں یہ فکر رائج ھوچکی تھی کہ دین سیاست سے الگ ھے۔

اپنے اسی ھدف کو حاصل کرنے کے لئے ایران میں بھی راستہ ھموار کیا کہ کم از کم کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ھو کہ دین سیاست سے جدا اور الگ ھے اگرچہ اس کے لئے تھوڑا بھت راستہ پہلے سے ھی ھموار تھا کیونکہ انقلاب سے پہلے بھی اور انقلاب کے بعد بھی بعض وہ لوگ جو حکومت کے کارکنان تھے ایسا عقیدہ رکھتے تھے، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ دین اور سیاست میں ایک بھت بڑی دیوار حائل ھے اور اس چیز کے پیش نظر تقریریں بھی ھوئیں ،کتابینبھی لکھی گئیں ، چنانچہ اسی نظریہ کو مزید تقویت ان چیزوں کے ذریعہ جو مغربی ممالک میں کارگر ھوچکی تھیں اوریہ کوئی مشکل کام نہ تھا،دی گئی۔

پس معلوم یہ ھوا کہ دشمن کی ثقافتی کارکردگی میں سے ایک ، دین کو سیاست سے جدا کرنے کی فکر رائج کرنا ھے، البتہ اس فکر سے تمام لوگ تحت تاثیر قرار نہ پائے کیونکہ جن حضرات نے اس اسلامی حکومت کے لئے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو قربان کیا تھا، مالی قربانی پیش کی ھے ، اور تمام مشکلات کو برداشت کیا ھے، آسانی سے اس فکر سے متاثر نہیں ھونگے، کیونکہ ابھی تک ان کے کانوں میں امام خمینیؒ کی دل نشین آوازینگونج رھی ھیں، اور مرحوم مدرس ؒ کی یہ آواز کہ" دیانت ماعین سیاست ما است"(ھماری دینداری اور ھماری سیاست ایک ھی ھے) کو اتنی آسانی سے نہیں بھلاسکتے تھے۔

ب: ولایت فقیہ کا انکار

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دشمن اور مغرب زدہ روشن فکری کی کارگردی کا دوسرا حصہ یہ ھے کہ ملت میں یہ فکر ایجاد کریں کہ اگرچہ سیاست اور اجتماعی کاموں میں دین دخالت رکھتا ھے اور معاشرہ میں بھی اسلامی احکامات جاری ھونے چاھئے ، اور سیاست میں بھی دینی امور کی طرف توجہ ھونا چاھئے، لیکن اسلامی حکومت کے معنی فقھاء کی حکومت نھیں ھے بلکہ اسلامی پارلیمینٹ میں قوانین کا طے ھونا کافی ھے، بعض قوانین کا دین کے خلاف نہ ھونا اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے کافی نھیں ھے کیونکہ اس صورت میں دین کے مطابق قوانین جاری ھوگئے اور بس ، اسلامی حکومت کے معنی اس کے علاوہ کچھ نھیں ھیں۔

پس دوسرا حصہ دشمن کی سیاست کا یہ تھاکہ اگر تمام لوگوں کو اس بات پر قانع نہ کرسکے کہ دین سیاست سے الگ ھے اور وہ اس بات کے قائل رھے کہ دین اور سیاست باھم ھیں تو ھم کھیں گے کہ دین اور سیاست باھم ھیں لیکن دینی حکومت کا مطلب یہ ھے کہ دینی احکام جاری ھوں، لیکن ان احکام کامجری (جاری کرنے والا) کون ھے؟اس مسئلہ کا دین سے کوئی ربط نھیں ،بلکہ احکام دینی کو جاری کرنے کے لئے لوگوں نے جس کا انتخاب کرلیا وھی حاکم ھے، پس اسلامی حکومت کا مطلب اسلامی قوانین کا جاری کرنا ھے، نہ کہ حاکم متدین ، مومن اور فقیہ ھو،یعنی دین کی سیاست میں دخالت کو قبول کرتے ھیں لیکن دین احکام کا مجری فقیہ اور مجتھد ھو اس کو قبول نھیں کرتے ، یا یہ کہ حکوت کا سربراہ ولی فقیہ ھو ، غیر قابل قبول ھے۔

اس سلسلہ میں (یعنی ولایت فقیہ کے ذریعہ حکومت نہ ھونے کے سلسہ میں) بھت کوششیں کیں اور اس وقت بھی ان کی یہ کوشش جاری ھے، مختلف اخباروں ، ماھناموں اور دیگر مختلف طریقوں سے ان مطالب کو منتشر کیا جارھا ھے اور اسی سلسلہ میں یونیورسٹی اور دوسرے مراکز میں میٹیگ کرتے رھتے ھیں تاکہ ابھی تک جو متدین حضرات دین کو سیاست سے جدا نہ ھونے کا نظریہ رکھتے ھیں ان کے ذھنوں میں یہ فکر ڈالیں کہ اسلامی حکومت قابل قبول ھے لیکن ولایت فقیہ کی ضرورت نھیں ھے۔

اس قسم کا تبلیغی مشن، اسلامی احکامات اور فقھی بنیادوں سے نابلد جوانوں میں موثر ھوسکتا ھے خصوصاً جبکہ اس سلسلے میں ثقافتی وسائل کے ذریعہ بھر پور تبلیغات کی جائے، اور وسیع مالی امکانات کو اس کے لئے خرچ کیا جائے، لیکن پھر بھی ایسے افراد موجود ھیں جن پر ان کی تبلیغات کا کوئی اثر نھیں ھوتا، اور ولایت فقیہ کو جیسا کہ قانون اساسی میں بھی اسی کو محور قرار دیا گیاھے، اپنی تمام زندگی میں اھمیت دیتے ھیں اور جیسا کہ دنیا بھر مینیہ انقلاب، انقلابِ ولایت فقیہ، اور حکومت، حکومتِ ولایت فقیہ کے نام سے مشھور ھے، اور سبھی ولایت فقیہ کے پابند ھیں۔

ج۔ ولایت فقیہ کو موردِ اعتراض قرار دینا

ظاھر ھے کہ جو لوگ ولایت فقیہ کے قائل ھینان کے درمیان ان لوگوں نے نفوذ کرنے کا دوسرا طریقہ انتخاب کیا وہ اس طرح کہ لوگوں میں اس فکر کو رائج کیا جائے کہ ایران مینموجودہ ولایت فقیہ مخدوش(قابل اعتراض) ھے، اور اس پر تجدید نظر کی جانی چاھئے اور یہ ولایت فقیہ صحیح نھیں ھے کیونکہ ڈیموکراسی(جمھوریت) اور لیبرالیزم کے اصولوں سے میل نھیں کھاتی، ولایت فقیہ کو اس طرح ھونا چاھئے کہ دور حاضر میں موجودہ ڈیموکراسی سے ھم آھنگ ھو،اور آج کی دنیا میں جو اصول وضوابط مسلم اور قابل قبول ھیں ان سے ولایت فقیہ متفق ھو، پس دشمن کی تیسری فکری سازش جمھوری اسلامی ایران میں ولایت فقیہ کو مخدوش کرناھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عالمی استکبار اوردشمنِ اسلام عملی اور فکری تین طریقوں سے اس اسلامی حکومت کو ضعیف کرنا چاھتاھے اور اس سلسلے میں انھوں نے خاص پروگرام بھی بنائے اور آج بھی اس طرح کے پروگرام بناتے رھتے ھیں لیکن ان کی امیدیں آنے والی نسل تھی کہ جس لئے انھوں نے ایک لمبافکری پروگرام بنارکھا تھا۔

اور اس فکری پروگرام کا پھلا مرحلہ یہ ھے کہ دین کو سیاست سے دور ھونے کی فکردے اس امید میں کہ ایک طبقہ اس کو قبول کرے گا۔

دوسرا نظریہ یہ پیش کیا کہ دین سیاست سے جدا نھیں ھے لیکن اسلامی حکومت کا ولایت فقیہ سے کوئی ربط نھیں ھے،یہ نظریہ بھی ایک طبقہ میں قابل قبول ھوسکتا ھے۔

تیسرا مرحلہ یہ ھے کہ جو لوگ ولایت فقیہ پر ایمان راسخ رکھتے ھیں ان میں یہ نظریہ رائج کریں کہ ولایت فقیہ مورد قبول ھے لیکن ایران میں جو ولایت فقیہ ھے اس کی فعلی صورت کو تبدیل ھونا چاھئے، خلاصہ دشمن ھر ممکن ذریعہ سے کوشش میں ھے کہ جوانوں کے درمیان شک وشبہ پیدا کرے تاکہ اسلامی حکومت کے سلسلے میں ان کا اعتقادضعیف وکمزور ھوجائے، اوراگر ایسا ممکن ھوا توپھر عالمی استکبار کے نفوذ کے لئے راستہ ھموار ھوجائے گا اور اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت میں نفوذ ھوجائےگا۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جو لوگ ان تینوں نظریات میں سے کسی ایک کا شکار ہوگئے چاھے وہ کسی بھی جگہ ھوں، کسی بھی مقام ومنزلت پرفائز ھوں گویا انھوننے عالمی استکبار کی مددا ورنصرت کی اور استکبار کو اپنے اغراض ومقاصد تک پھونچنے میں ایک اھم کردار ادا کیا ھے۔

4۔دشمن کی مذکورہ سازشوں کے مقابلے میں ھمارا وظیفہ
چونکہ دشمن نے مذکورہ سازشوں میں اپنی پوری طاقت صرف کی ھے لھٰذا وہ حضرات جواس حکوت کودل وجان سے چاھتے ھیں(اور الحمد للہ لوگوں کی اکثریت اس حکومت کو دل وجان سے چاھتی ھے اور اس کا نمونہ وہ عظیم مظاھرے ھوتے ھیں جو بعض موقع پر ھوتے رھتے ھیں اور تمام دنیا کو تعجب میں ڈال دیتے ھیں) ان لوگوں کو ھوشیار رھنا چاھئے کہ دشمن ان تین طریقوں سے انکے درمیان نفوذ نہ کرے، اور ان کوایسی کوشش کرنا چاھئے کہ جس سے لوگوں کا یہ عقیدہ راسخ تر ھوجائے کہ دین سیاست سے جدا نھیں ھے اور انھیں اس بات کا یقین ھوجائے کہ دوسرے ین اگر سیاست سے جدا ھوں تو ھوں، لیکن اسلام سیاست سے جدا نھیں ھے۔
دوسرے یہ کہ اپنے دلوں میں یہ نظریہ راسخ کرلینکہ حکومتِ اسلامی کا مطلب فقط یہ نھیں کہ پارلیمینٹ میں اسلامی قوانین بن جائیں یا یہ کہ وہ قوانین اسلام کے مخالف نہ ھوں، بلکہ اسلامی حکومت کی حقیقت یہ ھے کہ قانوں کو جاری کرنے والے اسلام کے دلسوز اور اسلام کی پھچان رکھنے والے ھوں اور احکام الھٰی کو جاری کرنے میں اپنی پوری توجہ صرف کریں، ورنہ اگر قانون کاغذ پر لکھے جائیں اور اس کو جاری کرنے والے ھی ان قوانین کاپاس ولحاظ نہ رکھیں تو اس سے لوگوں کو کیا فائدہ ھوگا؟
کیا شاہ کے زمانے کے قوانین اساسی میں ایران کا رسمی مذھب شیعہ نھیں تھا؟ لیکن یہ قوانی کچھ بھی کارگر ثابت نہ ھوئے کیونکہ شاہ کی حکومت کافر اور دشمنوں سے بے حد متأثر تھی جس کی وجہ سے اسلامی قوانین پرعمل نھیں ھوتا تھا۔
اگر قوانین صرف کاغذ پر لکھے ھوئے ھوں اور ان کا جاری کرنے والا مومن ومتدین اور قدرتمند نہ ھو تواس کا کوئی فائدہ نہ ھوگا، لھٰذا اگر اسلامی پارلیمینٹ میں اسلامی قوانین بنائے جائیں لیکن جو شخص ان قوانین کی نظارت کررھا ھے وہ اسلام کا دلسوز نہ ھو اور اس قدر قدرت نہ رکھتا ھوکہ ان قوانین کو جاری کرسکے، توایسے قوانین کو جاری ھونے کی کوئی ضمانت نھیں ھے ، لھٰذا دوسری ھماری ذمہ داری یہ ھے کہ ھم روز بروز ولایت فقیہ کے اعتقاد کو پختہ ترکریں، تاکہ ھمارے یقین میں بھی اضافہ ھو اور ھماری نسلوں میں بھی یہ عقیدہ باقی رھے کہ ولایت فقیہ کے بغیر اسلامی حکومت ناممکن ھے۔
ان دومرحلوں کے بعد تیسرے مرحلے کی باری آتی ھے کہ یہ ولایت فقیہ کی موجودہ شکل وصورت جو اس وقت ایران می تقریباً ۲۰ سال سے ھے یہ وھی شکل وصورت ھے جس کو اھل بیت علیھم السلام نے بیان کیا ھے یا یہ کہ اس کی شکل وصورت کو عوض ھونا چاھئے؟
یہ تیسرا مرحلہ ایک فرعی مرحلہ ھے کہ جو گذشتہ دومرحلوں کے بعد ھے لھٰذا پھلے ان دومرحلوں پر بحث کرنا ضروری ھے اور انھیں دو مسئلوں کی بنیاد پر ھماری بحث اسلام کے سیاسی نظریہ کے تحت تشکیل پاتی ھے۔

5۔دشمن کی سازشوں کے مقابلہ میں بھترینراستوں کا انتخاب
مذکورہ مطالب سے واضح ھوجاتا ھے کہ دشمن نے اپنی تمام تر طاقت اپنی مندرجہ ذیل سازشوں میں صرف کردی:
1۔دین وسیاست میں جدائی کرنا۔
2۔اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ میں جدائی کرنا۔
3۔ایران میں ولایت فقیہ کی کارگردگی میں شک وتردید کا ایجادکرنا۔
لھٰذا طبیعی طورپر ھمارا بھی تین گروھوں سے مقابلہ ھے پھلا گروہ وہ ھے کہ جس نے یہ قبول کرلیا ھے کہ دین سیاست سے جدا ھے یعنی مساجد، امامبارگاہ جدا ھیں اور سیاست وحکومت جدا ھے، لھٰذا ان لوگو ں سے بحث کرنے کے لئے ھمیں ایک خاص راستہ اپنانا پڑے گا۔
دوسرا گروہ وہ ھے جس نے اسلامی حکومت کو تو قبول کیا ھے لیکن اس کے احکام کے مجری کے سلسلے میں چوں وچراکرتے ھیں، ان لوگوں سے بحث کرنے کا انداز دوسرا ھونا چاھئے، کیونکہ اگر فرض کریں کہ کوئی خدا ھی کا قائل نھیں ھے تو اس سے بحث اس طرح شروع کی جائے تاکہ خدا کا اثبات ھوسکے اوراس کے بعد نبوت عامہ (تمام انبیاء کی نبوت) اور نبوت خاصہ (حضرت محمد مصطفی کی نبوت) کے بارے میں بحث کی جائے لیکن اگر کوئی خدا اور بعض

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انبیاء کو قبول کرتا ھو لیکن حضرت محمد مصطفی کی نبوت کا منکر ھو تو اس سے نبوت خاصہ کے سلسلہ میں بحث کی جائے گی۔
بھر حال جو لوگ خداوندعالم کو قبول کرتے ھینلیکن پیغمبر اکرم کی نبوت کو قبول نھیں کرتے تو آنحضرت کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے ضروری نھیں ھے کہ پھلے خدا کے اثبات سے بحث شروع کی جائے کیونکہ اس کے لئے یہ طے شدہ ھے کہ کوئی خدا ھے اور اس نے انسانوں کی ھدایت کے لئے انبیاء کو بھیجا ھے اسی طرح دوسرے مسائل میں بھی مناسب راستہ اپنانا چاھئے اور جس سلسلہ میں ھم بحث کرنا چاھتے ھیں وہ ایسے اصول اور مقدمات پر موقوف ھے کہ بعض لوگ قبول کرتے ھیں اور بعض لوگ ا ن کو سرے سے قبول ھی نھیں کرتے۔
لھٰذا مذکورہ بحث کے سلسلہ میں ھمیں بھی چند طریقوں سے بحث کرنا ھوگی اور اس کے لئے مختلف روش درکار ھیں یعنی ممکن ھے بعض جگہ فقط عقلی دلیلوں کے ذریعہ اپنا مدعی ثابت کریں اور جس چیز کو انسان کی عقل درک کرتی ھے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کا سھارا نہ لیں، ایسی صورت میں عقلی برھانوں کے ذریعہ بحث کو آگے بڑھائیں گے بالکل اسی طرح کہ اگر کوئی خدا کو نہ مانتا ھو اور اس کے سامنے خدا کے وجود کوثابت کرنا ھو تو ایسے موقع پر قرآن اور معصومین علیھم اسلام کی احادیث کے ذریعہ اثبات کرنا بے فائدہ ھے کیونکہ وہ ابھی خدا کو ھی نھیں مانتا ، توقرآن وحدیث کو کس طرح قبول کرسکتا ھے؟!
اس کو سمجھانے کے لئے فقط عقل سے کام لینا پڑے گا اور اس کو عقلی دلیلوں کے ذریعہ خدا کے وجود کو ثابت کرنا ھوگا، اسی طرح جن لوگوں نے اسلامی حکومت کو قبول کیا ھے وہ لوگ ایک قدم آگے ھیں تو ان لوگوں سے بحث کرنے کے لئے ایسا راستہ اپنا ناپڑے گاجو دینی باتیں قبول کرتے ھیں ان کے سامنے وہ دلیلیں بیان کریں جو محتوائے دین کو بیان کریں یعنی ان سے بحث کرنے کے لئے قرآن وحدیث اور تاریخی شواھد کو مدرک قرار دینا ھوگا۔
لیکن اگر حکومت کی کارگردگی کی بحث کی جائے تو تاریخی شواھد ومدارک کو مدنظر رکہ کر بحث کی جائے یھاں پر عقلی نقلی وتعبدی (قرآن وسنت) بحث نھیں ھوگی۔
خلاصہ یہ کہ ھماری بحث بھی مختلف پھلو رکھتی ھے لھٰذا ھماری بحث بھی مختلف طریقوں سے ھوگی، بعض جگہ عقلی طریقہ سے بحث ھوگی اور بعض جگہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث ھوگی ، اور بعض دوسری جگہ پر تاریخ کا سھارا لیا جائے گا، یہ عرض کردینا ضروری ھے کہ بعض افراد بحث کے درمیان ھم پر اعتراض نہ کریں کہ یہ بحث عقلی ھے یا شرعی؟ اس وجہ سے پھلے یہ عرض کردینا مناسب سمجھا کہ ھماری بحث کے مختلف طریقے ھوں گے ، بحث کو اس کے مناسب طریقہ سے مورد تحقیق وبررسی قرار دیا جائے گا۔

6۔دین کی تعریف اور اس کے حدود
یھاں پر ایک دوسرا مھم مسئلہ بھی ھے جس پر مستقل طور پر جدا گانہ بحث ھوسکتی ھے لیکن اس وقت صرف اس کی طرف اشارہ کرینگے:
یھاں پر بحث یہ ھے کہ دین کے حدود کھاں تک ھیں؟ جس وقت ھم یہ بحث کرتے ھیں کہ حکومت ودین میں کیا ربط ھے اور دین وسیاست کا جدا کرنا صحیح ھے یا نھیں۔
تو سب سے پھلے خود دین کی معرفت حاصل کرنا ضروری ھے کہ دین کیا ھے دین کی صحیح تعریف ھمارے پاس ھونا چاھئے تاکہ اس کی بنیاد پر ھم اس کے حدودمعین کرسکیں، اس سلسلے میں بعض لوگوں نے سعی فرمائی ھے مگر ایک دوسرے عنوان سے ،وہ اس طرح کہ آیاانسان کو دین کی ضرورت ھے یا نھیں؟ اس چیز کو مورد بحث قرار دیتے ھیں اور اس سے نتیجہ اخذ کرتے ھیں کہ دین کی انسان کی زندگی میں کیا دخالت ھے اس مرحلہ کی تحقیق وبررسی کے بعد ان لوگوں نے اس بحث کو مورد بحث قرار دیا کہ اسلام میں سیاست،دین کا جز ھے یا نھیں؟ بھر حال ان لوگوں نے اس سلسلہ میں بھت سی بحثیں کی ھیں، جیسا کہ آپ حضرات بھی ان بحثوں سے کم وبیش واقف ھیں ۔
''مثلاًدین سے ھماری امیدیں'' یعنی دین سے ھماری امیدیں حداقل درجہ پر ھیں یا حد اکثر درجہ پر (یعنی کیا دین انسان کی تمام زندگی کے مسائل کو شامل ھوتا ھے؟یا یہ کہ انسان کی زندگی کے بعض پھلوؤں کو شامل ھوتا ھے، بقیہ امور میں انسانی زندگی کے اکثر مسائل کو عقل و علم اور لوگوں کی مرضی کے مطابق حل ھوتے ھیں)وہ حضرات جو دین کو حکومت سے الگ گردانتے ھیں جس وقت انھوں نے دین کی تعریف فرمائی تو ایسی تعریف کی جو سیکولریزم کے عقیدہ کے موافق تھی مثلاً دین کی یوں تعریف فرماکی کہ : دین یعنی انسان کا خدا سے معنوی رابطہ یا اس سے ایک قدم اور آگے رکھا اور کھادین وہ چیز ھے کہ جو انسان کی آخرت (اگر آخرت کو قبول کرتا ھو )کی زندگی میں موثر اور کارگر ھو،یعنی دین کا کام یہ ھے کہ انسان کی زندگی کو آخرت سے ھم آھنگ کرے ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور یہ بات واضح ھے کہ اگر دین کی اس طرح تعریف کی جائے تو پھر یہ کھنا بھت آسان ھے کہ دین کاسیاست سے کیا رابطھ؟سیاست کا خدا سے انسانی رابطہ کا کیا دخل؟سیاست تو صرف انسانوں کے درمیان ایک دوسرے سے رابطہ کو بیان کرتی ھے، اور سیاست دین سے الگ ھے، سیاست انسان کی دنیاوی زندگی سے متعلق ھے اور اس کا عالم آخرت سے کوئی رابطہ نھیں ھے اور اگر دین کے حدود صرف یہ ھوں کہ جھاں انسان کی عقل سمجھنے سے قاصر رھے اور جھاں عقل خود فیصلہ اور قضاوت نہ کرسکتی ھو تو پھر وھاں دین سے کوئی رابطہ نھیں کیونکہ دین کے حدود وھاں تک محدود ھیں کہ جھاں پر عقل کی رسائی اور پھنچ نہ ھو ۔
لھٰذا اگر ھم نے دین کی مذکورہ تعریف کے مطابق اس کے حدود کو محدود کردیااور اس بات کے قائل ھوگئے کہ جن مسائل کو ھماری عقل حل کرسکتی ھے وھاں دین کی کوئی ضرورت نھیں ھے اور ھم کو دین کی ضرورت وھاں ھے کہ جھاں ھماری عقل مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے سے عاجز ھو، چنانچہ جسیے جیسے زمانہ گزرتا جارھا ھے اور انسان ترقی کررھا ھے دین کی ضرورت کم ھوتی جارھی ھے چونکہ اس بنیاد پر دین کی ضرورت وھاں ھے کہ جھاں عقل ان مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے سے عاجز ھے۔
چونکہ شروع میں انسان علم و تمدن نھیں رکھتا تھا،لھٰذا اس کو دین کی ضرورت بھت زیادہ تھی اور چونکہ انسان خود اپنی عقل سے مسائل کو نھیں سمجھ سکتا تھا لھٰذا اس کو دین کی ضرورت تھی اور آھستہ آھستہ اس کو دین کی ضرورت کم ھوتی گئی،اور اس آخری زمانہ میں انسان کو دین کی ضرورت تقریباً نھیں ھے، ھاں بعض ان جزئی مسائل میں ھے جن کو عقل انسان ابھی تک سمجھنے سے قاصر ھے اور کوئی امید بھی نھیں ھے کہ ان کو جلد ھی حل کرلیا جائے گا، ان مسائل میں ابھی بھی دین کی ضرورت ھے،( افسوس کہ یہ وہ لوگ ھیں جومسلمان ھونے کا دعوی کرتے ھیں اورپھر یہ اعتراض ا ور اشکال کرتے ھیں کہ اس وقت چونکہ عقل بشری کامل ھوگئی ھے،لھٰذا اب دین و وحی کے قوانین کی ضرورت نھیں ھے ) بھر حال مذکورہ دین کی تعریف کے مطابق نتیجہ یہ ھوگا کہ سیاست کا دین سے کوئی رابطہ نھیں ھے،اور جب ھم عقلی کوششوں اور عقلی استدلالوں کے ذریعہ تمام سیاسی مسائل کوحل کرسکتے ھیں، تو پھر دین کیا ضرورت ھے؟
المختصر یہ کہ اب تک جو ھم نے بیان کئے وہ اس سلسلے کے چند اعتراضات اور اشکالات تھے، اوراب ھم اس کا مختصراً جواب عرض کرتے ھیں اور شروع ھی گوش گذار کردیں کہ دین کی تعریف کی گئی ھے اور اس کی بنیاد پر دین کو فقط اخروی زندگی سے مربوط اور خدا سے انسانی رابطہ مانتے ھیں ھماری نظرمیں باطل اور بے نیاد ھے، اور یہ نظریہ کہ دین سے سیاسی مسائل کا یعنی انسان کے سیاسی مسائل کا خدا سے کوئی ربط نھیں ،یہ ساری چیزیں انسان اور خدا کے روحانی رابطہ سے جداگانہ ھیں، یہ بھی بے بنیاد اور بے ھودہ گفتگو ھے اور اس کا حقیقت دین سے کوئی ربط نھیں، یہ دین کی نامکمل تعریف ھے، بلکہ دین وہ طریقہ ھے جو انسان کو صحیح رفتار وکردار پر گامزن رکھے یعنی اس طرح انسان کو بنادے کہ جس طرح خدا چاھے،یعنی اگر انسان اپنے اعتقاد اور اپنی فردی واجتماعی زندگی میں خدا کی مرضی کے مطابق قدم اٹھائے تو ایسا شخص دیندار ھے اور ا سکے مقابل اگر انسان کا عقیدہ خدا کی مرضی کے مخالف ھو او ران عقائد کو قبول کرے جو خدا کو ناپسند ھیں اور اس کی انفرادی واجتماعی زندگی کے اعمال و رفتار خدا پسندانہ نہ ھوں، تو اس کا دین بھی ناقص ھوگا،خلاصہ یہ کہ دین تما م مذکورہ چیزوں کو شامل ھے۔

7۔دینی طریقوں سے دینی معرفت کی ضرورت
اگر ھم دین کی تعریف کرنا چاھیں تو ھمیں دیندار اور دینی بزرگوں کی تعریف دیکھنا ھوگا کہ ان حضرات نے دین کی کس طرح تعریف کی ھے؟ او راگر ھم خود اپنے ذھن سے دین کی تعریف کریں اور من گھڑت تعریف کی بناپر کھیں کہ سیاسی اور اجتماعی مسائل دین سے خارج ھیں یا یہ کہ سیاسی واجتماعی مسائل کا دین سے کوئی ربط نھیں ھے جیسا کہ دین کی ھم نے تعریف کی ھے نہ جیسا کہ خدا نے دین کو بھیجا ھے ،پس ھمارے لئے ضروری ھے کہ دین خدا کی معرفت او را سکو سمجھنے کے لئے خود اپنے طور وطریقہ اور اپنی فکر کے مطابق دین کی تعریف نہ کریں بلکہ دین کی معرفت ا ورشناخت کے لئے ضروری ھے کہ دینی منابع ومآخذ کے ذریعہ دین کے بارے میں تحقیق کریں۔
ھوسکتا ھے کہ کوئی یہ کھے : میں دین کو نھیں مانتا، کیونکہ اسلام کے صحیح ھونے پر جو دلیلیں قائم ھوئی ھیں وہ ضعیف ھیں یا (نعوذ باللہ) یہ کھے کہ ھمارے پاس اسلام کے جھوٹ اور باطل ھونے پر دلیل موجود ھے ، اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے ،تو یہ دعوی منطقی اور صحیح نھیں ھے، البتہ اگر کوئی اسلام کو قبول کرے ، او رپھر وہ کھے کہ جو میں کھتا ھوں وھی دین ھے نہ یہ کہ جو قرآن، پیغمبر اور ائمہ (ع) کھتے ھیں او رجس کے مسلمان معتقد ھیں، اگر کوئی اسلام کے حق یا نا حق ھونے کے بارے میں بحث کرے چاھے وہ اس کی طرفداری کرے یا اس کی ردّ کرے ، تو اس کے لئے ضروری ھے کہ پھلے وہ اسلام کی معرفت اور پھچان حاصل کرے اور بے شک اسلام کی پھچان کے لئے خدا کے فرمان

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کی طرف رجوع کرے، جس نے اسلام کو بھیجا ھے ، لھٰذا قرآن کے ذریعہ اسلام کو پھچانا جائے، اس حقیقت کے پیش نظر ھم نے کھا کہ دین کی پھچان، اس کی تعریف اور اس کی فرمانروائی کے دائرے کو سمجھنے کے لئے ضروری ھے کہ دینی منابع، یعنی قرآن وسنت کی طرف رجوع کریں، نہ یہ کہ اپنی مرضی کے مطابق یا کسی امریکن اوریورپین (کہ جن کی باتیں ھمارے نزدیک غیر معتبر ھیں)کے کھنے کے مطابق دین کی تعریف کریں۔

لھٰذا اگر کوئی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کچھ کھنا چاھے تو اسے چاھئے کہ اس اسلام کے مطابق گفتگو کرے جس کو قرآن، پیغمبر اور ائمہ علیھم السلام نے بیان کیا ھے، او راسی اسلام کی بنیاد پر جس کی اصل قرآن وسنت ھے دین کی تعریف اور اس کے فرمانروائی کے دائرے کو سمجھیں نہ یہ کہ کسی مستشرق (مشرقی زبان دان اور ماھرعلوم) ،مؤلف اور سیاست مدار کی غرض کے تحت اسلام کی تعریف شدہ تعریف کو اپنائیں یا کسی (یورپی)دائرۃ المعارف (معلومات عامہ کتاب) کے مطابق اسلام کی تعریف کریں ایسے اسلام سے ھمیں کوئی فائدہ نہیں ھوگا۔

اسلامِ حقیقی کے طرف رجوع کرنے کے بعد ھمیں معلوم ھوتا ھے کہ نہ صرف یہ کہ دین کی فرمانروائی کا دائرہ انسان کی عقل وفھم پر ختم نہیں ھوتا بلکہ عقل، اسلامی شناخت کے طریقوں میں سے ایک ھے، اور اگر کوئی عربی زبان سے تھوڑی بھی واقفیت رکھتا ھو (اورقرآن کی تفسیر سے چاھے اجمالی ومختصر تفسیر سے آشنا ھو) جس وقت قرآن کی طرف رجوع کرتا ھے تو اس پر یہ بات واضح ھوجاتی ھے کہ قرآن نے اجتماعی مسائل کو نہیں چھوڑا اور ان کو بیان کیا ھے، پس کس طرح یہ کھاجاسکتا ھے کہ دین سیاست سے جدا ھے۔

اگر دین کے معنی قرآن کے مطابق کئے جائیں تو دین میں اجتماعی اور سیاسی مسائل شامل ھیں اور اس میں عبادت وذاتی اخلاقیات کے علاوہ قوانین مدنی ،قوانین جزائی (جرائم) اورعالمی قوانین موجود ھیں، اور گھریلو زندگی ،شادی بیاہ،تربیت اولاد، کاروبار اور تجارت وغیرہ جیسے مسائل کو بیان کیا ھے، پس کون سی چیز ایسی ھے جو دین سے خارج ھے؟ معاملات،تجارت، اور رھن (گروی رکھنا) کے بارے میں قرآن مجید میں بڑی بڑی آیات موجود ھیں، اگر اسلام کو قرآن کے ذریعہ پھچانے تو پھر کس طرح کوئی کھہ سکتا ھے کہ اسلام کا اجتماعی سے کیا ربط؟

اگر نکاح وطلاق دین کا جز نہ ھوں ، اگر تجارت، رھن خرید وفروخت اور سود دین سے مربوط نہ ھوں، اسی طرح ولایت کا مسئلہ اور ولی امر کی اطاعت دین کا جز نہ ھوں تو پھر دین میں کیا باقی بچتا ھے؟! او ر آپ کس دین کی باتیں کرتے ھیں؟ قرآن کریم نے مسلسل ان چیزوں کے بارے میں گفتگو کی ھے۔

اگر کوئی یہ کھے کہ جس دین میں اجتماعی وسیاسی مسائل کو شامل کیا جائے ھم اس دین کو نہیں مانتے! ٹھیک ھے نہ مانئے ، اسلام کو نہ ماننے والوں کی تعداد کوئی کم نہیں ھے ، اس وقت بھی بہت سے لوگ دین کو نہیں مانتے، ھمارا ان سے کوئی جھگڑا نہیں ، لیکن اگر وہ چاھتے ھیں تو آئیں او رھم سے بحث کریں تاکہ اس اسلامِ کامل کو ان کے لئے ثابت کریں او راگر نہیں چاھتے تو جو راستہ چاھیں اپنائیں:

( وَقُلِ الحَقُّ مِنْ رَبِّکُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ...)(1)

”( اے رسول) تم کھدو کہ سچی بات (کلمۂ توحید) تمھارے پروردگار کی طرف سے (نازل ھوچکی ھے) بس جو چاھے مانے اور جو چاھے نہ مانے“

لیکن اگر وہ کھیں کہ ھم اسلام کو قبول کر تے ھیں لیکن پھر اسلام کو ان مسائل پر شامل ھونے کا انکار کرتے ھیں، او راسلام کے اکثر اجتماعی مسائل پر کیوناعتراض کرتے ھیں؟ کیا جو کچھ قرآن وسنت میں موجود ھے اسلام نہیں ھے؟ کہ تم لوگ نہ نماز کو قبول کرتے ھو اور نہ ھی دوسری عبادتوں کو ؟ تمھارا ایمان نہ اسلام کے اجتماعی مسائل پر ھے اور نہ ھی اس کے سیاسی مسائل پر، نہ تم اسلامی نکاح کو قبول کرتے ھو اور نہ ھی طلاق کو، اور اسی طرح دوسرے احکام کو قبول نہیں کرتے، تو پھر اسلام میں کیا چیز باقی ھے کہ جس اسلام کا تم دم بھرتے ھو وہ کیا ھے؟ یہ باتیں صرف سادہ لوح افراد کے لئے موثر ھوسکتی ھیں لیکن دانشمنداور پڑھے لکھے افراد کے لئے بے مایہ اور فضول ھیں،بھر حال دین یعنی انسانی زندگی الٰھی رنگ وڈھنگ کے ساتھ ھونا:

( صِبْغَةُ اللّٰہ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہ صِبْغَةً) (2)

”( مسلمانوں سے کھدو کہ) رنگ تو خدا ھی کا رنگ ھے جس میں تم رنگے ھوئے ھو“

انسانی زندگی الٰھی رنگ وڈھنگ میں بھی ھوسکتی ھے اور شیطانی رنگ وڈھنگ میں بھی، لیکن اگر انسانی زندگی الٰھی رنگ وڈھنگ میں ھو تو پھرواقعاً اسلام کامل ھے ،اگر ھم چاھیں کہ الٰھی رنگ وڈھنگ اور اس کی مرضی کے بارے میں گفتگو کریں تو پھلے ھمیں دینی منابع کوپھچاننا ضروری ھے اور اسلام کی شناخت کے لئے قرآن، سنت اور عقل کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ھے، اور یھی طریقے اسلام کے تما م عبادی، سیاسی، اجتماعی او رانفرادی مراحل کو شامل ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور جیسا کہ ھم نے کھا کہ قرآن پر ایک سرسری نظر کافی ھے تاکہ ھمارے لئے یہ بات ثابت ھوجائے کہ وہ دین جو قرآن میں موجود ھے او رقرآن دین کا اصل منبع ھے، ممکن نھیں کہ اس اسلام میں سیاسی اور اجتماعی مسائل کو چھوڑ دیا گیا ھو اور قوانین کا مجموعہ سیاسی اور اجتماعی مسائل سے خالی ھو، یھاں تک کہ عبادی مسائل سے بھر پور ھو،اور یہ سلسلہ اسلام سے مرتبط نھیں ھے، کیونکہ وہ اسلام جو قرآن نے بیان کیا ھے ھم اس اسلام کا دفاع کرتے ھیں اور یہ اسلام سیاسی، اجتماعی اور عبادی مسائل کو شامل ھے اور سیاست اسلام کے مھم ارکان اور اس کے فرمانروائی کے اصل دائرے میں سے ھے، اور امریکن اور یورپین رائٹروں کے مطابق اسلام سے ھمارا کوئی ربط نھیں ھے اور اس کو حقیقی اسلام کی حقیقت سے دور اور اجنبی مانتے ھیں۔

حوالے
1 سورہ کھف آیت ۲۹
2 سورہ بقرہ آیت ۱۳۸

اسلام اور سیاست جلد(۱)

تیسرا جلسہ

**دین میں سیاست کی اھمیت**

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
''اسلام کے سیاسی نظرہ" کی توضیح کے ضمن میں اسلامی منابع ومآخذ ؛یعنی قرآن ، سنت اورعقل کے تحت ھم نے بیان کیا کہ اسلام نے انسانی زندگی کے اجتماعی وانفرادی مختلف مسائل میں نظریات بیان کئے ھیں جس کا مطلب یہ ھے کہ اسلام دنیاوی زندگی میں دخالت رکھتا ھے، اور ھم نے پھلے بھی عرض کیا کہ مختلف نظریات رکھنے والوں سے بحث کا طور وطریقہ بھی مختلف ھونا چاھئے ،جو لوگ ھمارے ساتھ بعض عقیدوں میں شریک ھیں ان سے بحث کا طریقہ الگ ھے لیکن جو لوگ ھمارے اعتقادات کے مخالف ھیں ان سے بحث کا طریقہ الگ ھے اور ھم نے یہ بھی عرض کیا کہ مدمقابل کو قانع کرنے کے لئے کبھی برھانی اصولوں کوبنیاد بنایا جاتا ھے او رکبھی جَدَلی طریقہ اپنانا پڑتا ھے اور ھم اس کتاب میں دونوں طریقوں سے استفادہ کریں گے، او رھم نے یہ بھی عرض کیا کہ اسلام سیاست کے بارے میں ایک خاص نظریہ رکھتا ھے اور ھمارے لئے ضروری ھے کہ اس نظریہ کو پھچانیں اور اس کو عملی جامہ پھنائیں، انقلاب اسلامی کے ارکان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اسلام سیاسی مسائل میں دخالت رکھتاھے، اسی وجہ سے ھمارا یہ انقلاب ''اسلامی انقلاب'' کے نام سے مشھور ھوا۔
اسی طرح ھم نے گذشتہ بحث میں بیان کیا کہ اسلام کے سیاسی نظریہ اور اس کے سیاسی پھلو سے دفاع کرنے مینھمارے مقابل دوگروہ ھیں:
پھلا گروہ: ان لوگوں کا ھے کہ جو اسلام کو نھیں مانتے یا یہ کہ کسی بھی دین کو نھیں مانتے ، ان لوگوں کے جواب کے لئے آیات و روایات سے دلیل پیش کرنا بے فائدہ ھے بلکہ ان سے مناظرہ کرنے کے لئے عقلی طریقہ اپنا نا پڑے گا، اور سب سے پھلے اسلام کو ثابت کرنا پڑے گاتاکہ ثابت ھوسکے کہ خدا، دین، پیغمبر اور قیامت ھے، اور یہ مسلم ھے کہ اس گروہ سے(جو دین سے بےگانہ ھے) بحث کرنا صرف اعتقادی بحث ھوگی۔
دوسرا گروہ: ان لوگوں کا ھے کہ جو مسلمان ھیں اور دین کو قبول کرتے ھیں یا اگر اسلام پر اعتقاد نھیں ھے ،مگر مسلمان ھونے کا دعوی کرتے ھیں اور یہ کھتے ھینکہ مسلمانوں کا اسلام، سیاست سے بےگانہ ھے او راسلام کا سیاست سے کوئی ربط نھیں ھے، اس گروہ کے مقابلہ میں ھم کو چاھئے کہ اس اسلام کی تحقیق وبررسی کریں جس کے مسلمان معتقد ھیں او ردیکھیں کہ یہ اسلام سیاسی نظریہ رکھتا ھے یا نھیں؟ اس گروہ کے مقابلے میں ھمیں صرف عقلی روش سے استفادہ نھیں کرنا چاھئے بلکہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی شناخت کے لئے اسلامی اصولوں پر توجہ کریں جن پر اسلام کی بنیاد قائم ھے او راس کے بعد اسلامی منابع؛ یعنی قرآن، سنت او رعقلی دلائل کے ذریعہ ثابت کریں کہ قرآن،سنت اور سیرت رسول

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور ائمہ کی سیرت او ران کے فرمان کے مطابق اسلام کا سیاسی نظریہ کیا ھے یہ کہ اسلام کی سیاسی دخالت پر بزرگان دین کی سیرت موجود ھے یا نہیں؟

2۔ سیاست کی تعریف اور اسلام میں تین طاقتوں کی اھمیت

ھم پہلے سیاست کی واضح وروشن تعریف کرتے ھینتاکہ واضح وروشن ھوجائے کہ قرآن مجید میں سیاست کے بارے میں گفتگو موجود ھے یا نہیں؟

سیاست یعنی قوم وملت کو اداہ کرنے کا طور وطریقہ، یامعاشرہ کو اس طرح تنظیم کیا جائے کہ اس کی ترقی اور پیشرفت ھوسکے،اور اس کے تمام مصالح اور ضروریات کو پورا کرسکے، یابہ الفاظ دیگر : سیاست یعنی ملکی نظام چلانے کا قانون۔

البتھسیاست سے ھماری مراد یہ نہیں ھے کہ جس کے اثرات منفی ھونیعنی جس مینفریب کاری، حیلہ بازی اور دوسروں کو دھوکہ دینا پایا جائے۔

سیاست او رملکی نظام کے سلسلے میں ”مانٹسکیو“ کے زمانے سے حاکم گروپ کو تین طاقتوں میں تقسیم کیا گیا ھے:

1۔”قوۃ مقننہ، قانون گذار پاور(پارلیمینٹ)

2۔ ”قوہ مجریہ“،قانون کو جاری کرنے والی طاقت (صدر یا وزیر اعظم)

3۔”قوہ قضائیہ “، (عدالت یا کورٹ پاور)

قانون گذر پاور کی ذمہ داری یہ ھے کہ ملت کو اداہ کرنے، او ران کی مناسب وبھتر زندگی کے لئے قانون بنائے تاکہ عدل وانصاف برقرار رھے اور معاشرے پر نظام حکومت کرسکے، اور کوئی ایک دوسرے کے حقوق کو پامال نہ کرسکے، پوری قوم ترقی او رکامیابی کی طرف قدم بڑھاتی ھوئی نظرآئے،اور قوہ مجریہ کا وظیفہ یہ ھے کہ پارلیمینٹ میں بنائے گئے قوانین کو نافذ کرے اور یھی گروہ حکومت کی شکل پاتا ھے، قوہ قضائیہ کا کام یہ ھے کہ کلی قوانین کے تحت لوگوں کے درمیان موجودہ اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرے۔

مذکورہ تقسیم بندی کے تحت جو وظائف تینوں طاقتوں کے لئے شمار کئے گئے ھیں ان کے بارے میں قرآن کے نظریات کیا ھیں او رشرعی لحاظ سے ان کی اھمیت کس قدر ھے اور کیااس سلسلے میں قرآن ا ور اسلام نے کچھ خاص قوانین ودستورات بیان کئے ھیں؟ البتہ توجہ رھے کہ قوانین سے ھماری مراد اجتماعی قوانین ھیں نہ کہ انفرادی احکام وقوانین کہ جو دین میں مسلم ھیں۔

اجتماعی قوانین میں مدنی (شھری) قوانین، عدالتی قوانین، تجارتی قوانین اور حکومت کا لوگوں سے روابط کے ضوابط نیز بین الاقوامی قوانین شامل ھیں، اگر ھم صحیح معنوں میں قرآن پر ایک نظر ڈالیں تو ھمیں مذکورہ تمام قوانین مل جائینگے قرآن مجید میں شھر ی قوانین، نکاح وطلاق کے احکام، تجارت ومعاملات کے قوانین، قرض ورھن او رعدالت کے مسائل ( یہ تمام چیزیں اس چیز کی حکایت کرتی ھیں کہ اسلام نے معاشرہ کو اداہ کرنے کے لئے یہ احکامات پیش کئے ھیں) کے علاوہ قرآن مجید میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص حقوق بیان کئے ھیں تاکہ خاص مواقع پر زمان ومکان کے پیش نظر کچھ احکام وضع کریں او رمومنین کو بھی حکم ھوا ھے تاکہ آنحضرت کی اطاعت وپیروی کریں ، ارشاد ھوتا ھے:

(وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاٰمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضٰى اللّٰه وَرَسُوْلُه أَمْراً أَنْ يَكُونَ لَهمُ الْخِيْرَةُ مِنْ أَمْرِهمْ...) (1)

” اور نہ کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ھے او رنہ کسی ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اپنے اس کام(کے کرنے یا نہ کرنے )کا اختیار ھو“

اس آیہ کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ھے کہ مومنین کو یہ حق نہیں ھے کہ خدا اور اس کے رسول کی تصمیم واراہ پر اعتراض کریں ، پس معلوم یہ ھوا کہ خدا کے مسلم قوانین کے علاوہ اسلامی حکومت میں زندگی بسر کرنے والوں کے لئے پیغمبر اسلام کے بنائے ھوئے قوانین بھی لازم الاجراء ھیں،یعنی رسول اکرم کے بنائے ھوئے قوانین پر عمل کرنا ضروری ھے اور کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ آنحضرت کی نافرمانی کرے، کیونکہ جو شخص آنحضرت کے قوانین کی مخالفت کرے وہ دوحالتوں سے خالی نہیں ھے :

1۔ یا تو وہ پیغمبر کو خدا کا رسول نہیں مانتا، ایسے شخص سے ھمارا کو ئی مطلب نہیں ھے ، ھم تو اس سے گفتگو کرتے ھیں جو آنحضرت کو خدا کا رسول مانتا ھو اور اس چیز کا بھی قائل ھو کہ آنحضرت کو خدا کی طرف سے قانون بنانے کا حق دیا گیا ھے، اسی وجہ سے خدا نے یہ نہیں فرمایا (وَمَاكَانَ لِكٰافِرٍ وَلاٰ كَافِرَةٍ)بلکہ خدا وندعالم کا ارشاد تو یہ ھے (وَمَاكَانَ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لِمُؤمِنٍ وَلاٰمُؤْمِنَةٍ )(2)
2۔یا یہ کہ آنحضرت کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ھے لیکن رسول اسلام کو اس طرح کا حق ملنے کے بارے میں بحث کرتا ھے؛ ایسے شخص کے لئے ھم قرآن مجید سے دلائل پیش کرتے ھیں کہ جس طرح اسلامی حکومت میں رھنے والے ھر مومن اور رسول اکرم کی نبوت کا معتقد انسان خدا کے احکامات کو لازم الاطاعۃ جانتا ھے بالکل اسی طرح سے رسول اسلام کے بنائے ھوئے قوانین کو بھی لازم الاطاعۃ ماننا ضروری ھے اور تمام مومنین پر آنحضرت کی اطاعت وولایت ثابت شدہ ھے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:
(اَلنَّبِیُّ أَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ أَنْفُسِھِمْ ) (3)
''نبی تو مومنین سے خود ان کی جانوں سے بھی بڑہ کر حق رکھتے ھیں''
پس قرآن کی نظر سے رسول اسلام کے لئے قانون کا بنانا اور اس کو اجراء کرنے کا حق مسلم الثبوت ھے،، لیکن یہاں پر یہ سوال ھوتا ھے کہ کیا یھی مرتبہ رسول اسلام کے بعد کسی دوسرے کے لئے بھی ثابت ھے یا نھیں ؟ البتہ اس بحث کو کسی دوسر ی جگہ پر کیا جائے گا اس وقت ھماری بحث اسلام کے بارے میں ھے کہ اسلام سیاسی نظریہ رکھتا ھے یا نھیں؟

3۔عدالتی احکام قرآن کی نگاہ میں
قضاوت اور عدالتی احکام یعنی خدا کے کلی احکام کو اختلافی اور جھگڑے وغیرہ جیسے مسائل پر منطبق کرنا، اس سلسلے میں خدا وند عالم ارشاد فرمایتا ھے:
(فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھمْ لاَیَجِدُوْا فِیْ أَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوا تَسْلِیْماً)(4)
'' پس (اے رسول) تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ھوں گے تاوقتیکہ اپنے باھمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم (نہ) بنائیں پھر (یھی نھیں بلکہ ) جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ھونبلکہ خوش خوش ان کو مان لیں ''
آیہ مذکورہ میں نہ صرف یہ کہ حضرت رسول اکرم کے لئے قضاوت ثابت ھے بلکہ آنحضرت کی قضاوت وداوری کو قبول کرنا شرط ایمان ھے، چونکہ آیت کے شروع میں قسم کھائی گئی ھے لھٰذا اس مطلب کی مزید تاکید ھوجاتی ھے کہ مومنین کو چاھئے کہ اختلافی مسائل میں آپ کے فیصلے اور حکم کو دل وجان سے قبول کریں، اور آپ کے دئے ھوئے فیصلہ پر ناراض نہ ھوں، اور اگر آنحضرت کے فیصلہ پر اعتراض کیا اور ا س کو دل وجان سے قبول نہ کیا تو پھر وہ حقیقی مومن نھیں ھے۔
جی ھاں حقیقی مومن وہ ھے کہ اگر اسلامی حکومت اس کے برخلاف کوئی فیصلہ دے تو اس کو دل وجان سے قبول کرے اگرچہ یہ احتمال بھی ھو کہ اس کا حق ضایع ھوا ھے کیونکہ قاضی گواھوں او ردوسرے شواھد کی وجہ سے ظاھری حکم کرتا ھے جیسا کہ رسول اکرم نے بھی فرمایا:
''انما اقضی بینکم بالبینات والایمان'' (5)
میں تمھارے درمیان قسم اور دوسرے شواھد کی بناپر قضاوت اور فیصلہ کرتا ھوں، ممکن ھے کہ کوئی گواہ ظاھراً عادل اور معتبر ھو اور اس کی گواھی قبول ھو؛ اگر اس کی گواھی جھوٹ پر مشتمل ھو یا گواہ سے کوئی بھول چوک یا غلطی واقع ھوئی ھو لیکن اگریہ طے قرارپائے کہ قاضی کے فیصلہ کو قبول نہ کیا جائے اگرچہ خلاف واقع بھی ھو تو پھر بھت سی مشکلات پیدا ھوجائیں گی او راسلامی حکومت نھیں چل پائے گی۔
قرآ ن سے جو نتائج نکلتے ھیں اور قرآن مجید کا جزائی امورجیسے دیت، قصاص اورتعزیرات (سزا دینا) وغیرہ کا بیان اس بات پر گواہ ھے کہ اسلام سیاست و حکومت میں سب سے بڑی دخالت رکھتا ھے اور حدتو یہ ھے کہ اسلام نے مجرم اور مفسد کے لئے ''حد'' (اسلامی سزا) معین کی ھے اور قاضی کو اس حدتک اجازت دی ھے کہ مفسد اور مجرم پر حد جاری کرے اگرچہ کوئی مخصوص شکایت کرنے والا نہ ھو ، چونکہ ایسی صورت میں گویا حقوق الھٰی کو پامال کیا گیا ھے (لھٰذا اس کو سزا دی گئی ھے)
بعض مقامات پر تو اسلام نے بھت سنگین اور سخت سزا معین کی ھیں کہ جس کی بناپر بعض لوگوں کے لئے ان کا قبول کرنا مشکل ھوجاتاھے، مثلاً قرآن مجید میں حکم ھوا کہ اگر اسلامی معاشرے میں کسی نے زنا کیا او ر قاضی کے نزدیک چار عادل گواھوں نے گواھی دی اور وہ جرم قاضی کے نزدیک ثابت ھوچکا ھے تو زانی اور زانیہ میں سے ھر ایک سوسو تازیانے لگائے جائیں، اور قرآن نے اس سلسلہ میں خصوصی طور پر تاکید کی ھے تاکہ قاضی عواطف ومحبت سے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

متأثر نہ ہو، او ران کے ساتھ مہربانی ومحبت سے پیش نہ آئے، ارشاد ہوتا ہے:
(اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِنْهمَا مِأئَةَ جَلْدَةٍ وَلاَتَاَخُذُکُمْ بِهمَا
رَافَةٌ فِیْدِیْنِ اللّٰه )(6)
”زنا کرنے والی عورت او رزنا کرنے والے مرد ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو(سو) کوڑے مارو او راگرتم خدا او ر روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو حکم خدا کے نافذ کرنے میں تم کو ان کے بارے میں کسی طرح کا رحم کا لحاظ نہ ہونے پائے “
اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کسی پر ایسی ”حد“ جاری ہوگئی تو اس کی عزت وآبرو ختم ہوجاتی ہے لیکن معاشرہ اور سماج ان تمام برائیوں سے پاک ہوجاتا ہے۔
چوری کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:
(اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَیْدِیْهمَا جَزَاءً بِمَا کَسَبَا نِکَالاً مِنَ اللّٰه وَاللّٰه عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ )(7)
”چور خواہ مرد ہو یا عورت تم ا ن کے کرتوت کی سزا میں ان کا (داھنا )ہاتہ کاٹ ڈالو،یہ (ان کی سزا) خدا کی طرف سے ہے اور خدا تو بڑا زبردست حکمت والاہے“
پس نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید نے رسول خدا کے لئے مقام قضاوت ، قوم ومعاشرے کی فلاح و بہبودی کے لئے حق قانون گذاری اور حد وسزا دینے کا حق معین فرمایا ہے ، اگر کوئی شخص واقعاً انصاف رکھتا ہو اور قرآ ن او رمعصومین (ع) کی معتبر روایت پر ایمان رکھتا ہو اس پر یہ بات واضح وروشن ہوجاتی ہے کہ اسلام سیاسی واجتماعی مسائل میں دخالت رکھتا ہے، لیکن اگر کوئی بغض وعناد کی وجہ سے ان حقائق سے چشم پوشی اور ان کا انکار کرے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چمکتے ہوئے سورج کا منکر ہو۔

4۔ سلام کا ہمہ گیر ہونا اور اسلامی حاکم کی اہمیت
قرآن مجید نے وسیع سیاسی مسائل ، حکومتی قوانین، قانون گذاری اور اس کو خاص موارد پر منطبق کرنا اور قوانین کے اجراء کرنے کے علاوہ فرعی اور جزئی قوانین کے بارے میں
بھی وضاحت کی ہے مثلاً سال کے مہینوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:
(إِنَّ عِدَّةَ الشَّهوْرِ عِنْدَ اللّٰه إِثْنَا عَشَرَ شَهراً فِیْ کِتَابِ اللّٰه یَومَ خَلَقَ السَّمٰواتِ وَالأَرْضَ مِنْها أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰالِکَ الدِّیْنُالقَّیِّمُ )(8)
”اس میں تو شک ہی نہیں کہ خدا نے جس دن آسمان وزمین کو پیدا کیا(اسی دن سے) خدا کے نزدیک خدا کی کتاب (لوح مخفوظ) میں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے ان میں سے چار مہینے (ادب و) حرمت کے ہیں یہی دین سیدھی راہ ہے“
مذکورہ آیت میں سال کے بارہ مہینوں کی تقسیم تکوینی لحاظ سے اور خلقت کے نظام پر منطبق ہیں، اور اس طرح کے مطالب دین میںذکر ہونا، دین کے صحیح اور مستحکم ہونے کی نشانی ہے، اسی طرح قرآن مجید میں چاند کو دیکھنے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:
(یَسْئَلُونَکَ عَنِ الأهلَّةِ قُلْ هیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ) (9)
”(اے رسول ) تم سے لوگ چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ کیوں گھٹتا بڑھتا ہے) تم کہہ دو کہ اس سے لوگوں کے (دینوی امور اور حج کے اوقات معلوم ہوتے ہیں “
اس وجہ سے اجتماعی وعبادی احکام تکوینی نظام پر منطبق ہوتے ہیں اس کے علاوہ بہت سے حقوقی احکام ماہ رمضان کا آغاز، حج کا زمانہ اور دوسری عبادی احکام چاند دیکھنے پر متوقف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید دین کو فطرت اور نظام خلقت سے ہم آہنگ اور منطبق بتاتا ہے:
(فَأَقِمْ وَجْهکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفاً فِطَرَةَ اللّٰه الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْها لاَتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰه) (10)
”تو(اے رسول) تم باطل سے کترا کے اپنا رخ دین کی طرف کئے رہو، یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (درست کی ہوئی )بناوٹ میں (تغیر)تبدل نہیں ہوسکتا“
اور چونکہ الٰہی قوانین فطرت الٰہی کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں لہٰذا یہ قوانین مسلم ہیں او ران میں تبدیلی نہیں آسکتی، البتہ یہاں توجہ رکھنی چاہئے کہ اسلام کے بعض احکام وقوانین ایسے ہیں جو کسی خاص زمان ومکان کے لحاظ سے تبدیل ہوسکتے ہیں لیکن ان مسائل کو طے کرنا یا ان کو معین کرنا حاکم شرع کی ذمہ داری ہے، وہ حاکم شرع کہ جس کی مشروعیت اور طاقت خدا کی طرف سے ہے، قرآن مجید نے اس باعظمت منصب کو رسول اکرم کے لئے مقرر فرمایا ہے اور شیعہ عقائد کے لحاظ سے ائمہ معصومین علیھم السلام کے لئے بھی یہ منصب ہے (جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھوتا ھے ) او ران کے بعد یہ مقام ولی فقیہ کے لئے معین ھوا ھے (ولی فقیہ کے بارے میں دوسرے موقع پر تفصیل سے بحث کریں گے،انشاء اللہ)
لہٰذا یہ اعتراض کہ دین کا اجتماعی مسائل سے کوئی مطلب نہیں، اور یہ کہ دین صرف آخرت سے مربوط ھے ،یعنیانسان کے خداسے رابطہ کا نام ھے یہ اعتراض بالکل ختم ھوجاتا ھے، اور نہ یہ اعتراض دین سے مربوط ھے، البتہ اس دنیا میں کوئی ایسابھی دین ھوسکتا ھے کہ جس پر مذکورہ اعتراض وارد ھوسکتا ھو، لیکن ھماری بحث اس دین سے نہیں ھے ،بلکہ ھماری گفتگو اس دین کے بارے میں ھے جس میں سال کے مھینوں تک کو بیان کردیا گیا ھو جس میں معاملات اور مالی روابط کے بارے میں اس طرح تاکید کی گئی ھو کہ اگر کوئی شخص ایک دوسرے کو قرض دے تو اس کو لکہ لیا جائے یا دو گواھوں کے سامنے قرض دیا جائے،اور اگر لکھنا یا گواہ لینا ممکن نہ ھو تو کوئی چیز گروی رکہ لی جائے، (قرآن مجید میں رھن کے جواز کے بارے میں جو بیان ھوا ھے وہ ایسے ھی مقامات کے لئے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قرض دے اور اس سے کوئی نوشتہ یا سند نہ لے سکے تو اس سے کوئی قیمتی چیز بعنوان گروی لے کر اس کو قرض دے دیا جائے)
لہٰذا ھم معتقد ھیں کہ دین اسلام سیاست، حکومت اور لوگوں کی مادی اور معنوی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پروگرام رکھتا ھے۔
ھم نے گذشتہ جلسہ میں دین کی اس تعریف کو جس میں دین کو فقط انسان کے خدا سے رابطہ میں منحصر کیا گیا تھا اس کی ردّ کرتے ھوئے حقیقی دین کی تعریف کی تھی اور ھم نے عرض کیا تھا کہ دین کے صحیح معنی یہ ھیں کہ انسانی زندگی پر الہٰی جلوہ ھو جو انسان کے تکامل کا راستہ بیان کرے اور اس کو مبدأ ومعاد کی طرف متوجہ رکھے پس دین انھیں راستوں کے اختیار کرنے کانام ھے او ربغیر کسی شک وشبہ کے ایسا دین زندگی کے کسی ایک حصہ مثلاً عبادت اور دوسرے عبادی کامو ں میں منحصر نھیں ھوسکتا، بلکہ انسانی زندگی کے تمام پھلؤوں پرنظر رکھتا ھے کیونکہ انسان کی تخلیق کی وجہ یہ ھے کہ انسان ابدی اور ھمیشگی سعادت کو حاصل کرسکے اسی بناپر اپنی زندگی کے تمام پھلؤوں کو الہٰی احکامات سے ھم آھنگ کرے، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کی براہ راست عبادت اور اصطلاحی عبادت دین کا بعض حصہ ھے اور ھماری زندگی کے دوسرے فکری وعملی پھلو خدا کی مرضی کے مطابق ھونا چاھئے، اور جب ھمارے سارے کام مرضی معبود کے مطابق ھوجائیں گے تو یہ تمام کام بھی عبادت بن جائیں گے اور انسان اس طرح زندگی کے بلند ترین مرتبہ پر پھونچ جائے گا:
(مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالاِنْسَ اِلاَّلِيَعْبُدُوْنَ) (11)
”او رمیں نے جنوں او رانسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں“
اس آیت کا مطلب یہ کہ انسان خدا کی عبادت وپرستش کی بناپر کمال کی منزل تک پھونچ سکتا ھے۔
لہٰذا نسان کے تمام اعمال وافعال اسی قاعدے او رقانون کے تحت ھونا چاھئے، یھاں تک کہ اس کا سانس لینا بھی اسی قاعدہ کے تحت ھونا چاھئے اور اگر انسانی زندگی نے الہٰی رنگ کو اپنا لیا ھے اور اسی سانچہ میں ڈھل گیا، تو وہ انسان واقعاً دیندار ھے او راگر خدا کی عبادت او راس کی پرستش کے دائرے سے خارج ھوگیا تو وہ شخص بے دین او رمرتد ھوجائے گا، وہ لوگ جن کی زندگی کا بعض حصہ خدا کی مرضی کے خلاف ھو اور خدا کی عبادت سے بے خبر رھتے ھیں، وہ لوگ واقعی دیندار نھیں ھیں بلکہ وہ لوگ ارتداد کی سرحد پر رھتے ھیں ان لوگوں کا دین ناقص ھے ،کیونکہ دین کے ناقص ھونے کے بھی درجات ھیں لہٰذا ھم کو یہ یقین رکھنا چاھئے کہ جو حضرات واقعاً دیندار ھیں اور زندگی کے تمام پھلؤوں میں احکامات الہٰی کی رعایت کرتے ھیں،پس وہ لوگ جو زندگی کے بعض حصوں میں احکام الہٰی کی رعایت کرتے ھیں وہ ان کے مرتبہ کے برابر نھیں ھیں، اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ ایمان اور دینداری کے بھی بھت سے مراتب اور درجات ھیں او رانسان ان میں ترقی کرسکتا ھے جیسا کہ خدا وندعالم ارشاد فرماتاھے:
(وَالَّذِيْنَ اهتَدُوْا زَادَهمْ هدىً وَآتَاهمْ تَقْوَاهمْ )(12)
”اور جو لوگ ھدایت یافتہ ھیں ا ن کو خدا (قرآن کے ذریعہ) مزید ھدایت کرتا ھے او ران کو پرھیزگاری عطا کرتا ھے“
جو لوگ ھدایت پاچکے ھیں خداوندعالم ان کی ھدایت اور تقوے میں اضافہ کرتا ھے۔
دوسری جگہ ارشاد ھوتا ھے:
(اِنَّمَا المُوْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰه وَجَلَتْ قُلُوبُهمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهمْ آيَاتُه زَادَتْهمْ اِيْمَاناً )(13)
”سچے ایماندار تو بس وھی لوگ ھیں کہ جب (ان کے سامنے) خدا کا ذکر کیا جاتا ھے تو انکے دل ھل جاتے ھیں او رجب

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ھیں تو ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کردیتی ھیں ‘‘
جی ھاں ایسے بعض حضرات موجود ھیں جن کے ایمان میں اضافہ ھوتا رھتا ھے اور تکامل کی طرف بڑھتے رھتے ھیں تاکہ ایمان کی بلند منزلوں تک پھونچ سکیں او راولیاء الٰھی میں شمار ھونے لگیں، ان کے مقابلہ میں وہ لوگ ھیں جو پستی کی طرف جاتے رھتے ھیں اور دینداری میں پیچھے ھٹتے چلے جاتے ھیں او رکبھی کبھی اغیار وبے گانوں کے اعتراضات واشکالات کو سن کر نامناسب ماحول کی طرف بڑہ جاتے ھیں اور جس دین کو ماں باپ یا کسی استاد سے سیکھا تھا اس کو کھوبیٹھتے ھیں ، کیونکہ جن لوگوں میں اتنی صلاحیت نہیں ھے کہ مسائل کو اچھے طریقہ سے سمجھ سکیں اگر وہ اعتراضات واشکالات میں وارد ھوتے ھیں تو منحرف ھوجاتے ھیں ، قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ھے:
(وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِی الكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰہ يُكْفَرُبِها وَيُسْتَهزَأُ بِها فَلاَ تَقْعُدُوا مَعَهمْ حَتّٰی يَخُوضُوا فِی حَدِيْثٍ غَيْرِہ إِنَّكُمْ إِذاً مِثْلُهمْ...)(14)
’’(مسلمانو!) حالانکہ خدا تم پر اپنی کتاب قرآن میں حکم نازل کرچکاھے کہ جب تم سن لو کہ خدا کی آیتوں کا انکا رکیا جاتا ھے او راس سے مسخرا پن کیا جاتا ھے تو تم ان (کفار) کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات مینغور کرنے لگینا ورتم بھی اس وقت ان کے برابر ھوجاؤ گے‘‘
انسان کو چاھیئے کہ پہلے اپنے علم او رعقلی وفکری بنیادوں میں اضافہ کرے اوراعتراضوں کے جوابات او ران کا تجزیہ وتحقیق کرنے کی صلاحیت اپنے اندرپیدا کرے، اس کے بعد کسی کے اعتراضات وشبہات پر کان دھرے، او ردوسرے کے اعتراض کو سن کر خود کو انحرافات کے خطرے میں نہ ڈالے، اسلام یہ نہیں کہتا کہ کسی سے کشتی نہ لڑو، بلکہ اسلام کی نظر تو یہ ھے کہ پہلے کشتی کے فن سے واقف ھوجاؤ بعد میں کشتی لڑو، اور اگر چاھو کہ کسی بھاری پہلوان سے کشتی لڑو تو پہلے اپنے وزن اور پرکٹس میں اضافہ کرو اسی طرح اسلام یہ نہیں کہتا کہ دوسروں کے اعتراضات کو نہ سنو بلکہ اسلام کا کہنا یہ ھے کہ جس قدر اشکالات واعتراضات کی تجزیہ وتحقیق او رتشخیص کرنے کی صلاحیت رکھتے ھو، وھاں تک اشکالات کو سنو، یعنی پہلے معارف الٰھی حاصل کرو پھر شبہات کے جوابات دینے کا طریقہ سیکھو اس کے بعددوسروں سے بحث ومناظرہ کرو تاکہ دشمن تم کو شکست نہ دے سکے او راپنے عقائد کو تم پر تحمیل نہ کرسکے۔

5۔مذکورہ بحث کا خلاصہ
ھماری بحث وگفتگو کا خلاصہ یہ ھوا کہ اسلام، تمام سیاسی پہلوٴونپر شامل ھوتا ھے لہٰذا ھماری تمام زندگی دین کے مطابق ھونا چاھئے، زندگی کاکوئی بھی گوشہ دین سے خارج نہ ھو؛ چاھے وہ انفرادی زندگی ھو یا اجتماعی زندگی، خاندانی زندگی ھو یا ازدواجی مشترکہ زندگی، ماں باپ سے اولاد کے روابط ھوں یا امت او رامام کا رابطہ، یہاں تک کہ دوسرے مذاھب سے رابطہ کیسا ھونا چاھئے کن افراد سے رابطہ رکھنا صحیح ھے او رکن لوگوں سے رابطہ رکھنا صحیح نہیں ھے، او راگر ھم قرآنِ مجید کی آیات پر ایک نظر ڈالیں (درحالیکہ روایات کی طرف رجوع بھی نہ کریں)
توجو شخص تھوڑا بھی انصاف رکھتا ھو اس کے لئے واضح وروشن ھوجائے گا کہ سیاست اسلام کا متن (اصلی رکن) ھے او رھم بغیر سیاست کے اسلام نہیں رکھتے ، اور کچھ لوگ اسلام کو سیاست سے جدا تصور کریں تو گویا ان کا دین دوسرا ھے اور اس کو اسلام کا نام دے دیا ھے وہ اسلام کہ جس کی اصل قرآن وسنت ھے اس کا سیاست سے جدا ھونا ممکن نہیں ھے۔

حوالے:
(1) سورہ احزاب آیت 36
(2) سورہ احزاب آیت 36
(3) سورہ احزاب آیت 6
(4)نساء آیت 65
(5) وسائل الشیعہ ج27ص232
(6) سورہ نور آیت 2
(7) سورہ مائدہ آیت 38
(8) سورہ توبہ آیت 36

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(9) سورہ بقرہ آیت 189
(10 (سورہ روم آیت 30
(11)سورہ الذاریات آیت 56
(12) سورہ محمد آیت 17
(13) سورہ انفال آیت 2
(14)سورہ نساء آیت 140

اسلام اور سیاست جلد(۱)

چوتھا جلسہ

**دین میں سیاست کی اھمیت**

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
گذشتہ جلسوں میں عرض کیا جاچکا ھے کہ ایران میں اسلامی انقلاب کی کا میابی اور اسلامی حکومت کے قیام کے بعد ،اسلام دشمن طاقتیں اپنی پوری جد جھد اور تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پھونچینکہ اس اسلامی حکومت سے مقابلہ کے لئے انقلاب کی بنیادی او رمرکزی چیز کا مطالعہ کیا جائے جو ''ولی فقیھ'' کی ولایت وسرپرستی ھے، او راس کو اپنے پروپیگنڈے کی تیز دھار کا نشانہ بنایا جائے ، چنانچہ آج ھم دیکہ رھے ھیں کہ گذشتہ چند سالوں سے عصر حاضر تک اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ پر دنیا بھر سے مختلف اعتراض ھوتے رھتے ھیں او راس طرح دشمن طاقتوں کے نمائندے ملک میں ولایت فقیہ کے برخلاف تمام تر کوششوں میں مشغول ھیں، ان تما م باتو ں کے باوجوداگرچہ ھماری قوم و ملت ولایت فقیہ کی حکومت پر بھر پور اعتمادو ایمان رکھتی ھے، او ر اس حکومت کی ھر اعتبار سے حمایت کرتے ھیں لیکن پھر بھی ضروری ھے کہ مذکورہ مسائل کے بارے میں تفصیلی بحث کی جائے تاکہ اس حکومت کی نظری او رفکری بنیادیں عوام اور بالخصوص جوان نسل کے لئے واضح وروشن ھوجائیں۔
جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ اس سلسلے میں تین طرح کے اعتراض کئے جاتے ھیں:

**پھلا اعتراض:**
پھلا اعتراض یہ ھے کہ دین کا سیاست سے کوئی تعلق نھیں ھے،اور ایک سیاسی لظام کسی بھی صورت میں دینی نھیں ھو سکتا ، گذشتہ جلسہ میں ھم نے اس اعتراض کا جواب دیا کہ اگرکوئی شخص چاھتا ھے کہ وہ یہ یکھے کہ اسلا م ایک دین اورمذھب ھونے کے عنوان سے کسی سیا ست سے منسلک ھے یا نھیں ؟ تو اس کے جواب کیلئے قر آن مجید کا اور اس مینبیان کئے گئے احکا م وقوانین کا ایک سطحی اور سر سر ی مطالطہ کا فی ھے اور حقیقت میں جوشخص مسلمان ھے اور قرآن پر اعتقاد رکھتا ھے اور اسی طرح وہ شخص جو مسلمان نھیں ھے ،لیکن اسلام کی شنا خت اور معرفت حاصل کر نا چاھتا ھے تو اس کو قرآن مجید کی طرف رجو ع کرنا چاھئے ،تب اس پر یہ حقیقت واضح ھو جا ئیگی کہ دین اور سیا ست کا ایک دوسرے سے جداھونا نا ممکن ھے ۔
اور یہ بات بھی واضح ھے کہ اسلام کی پھچان کا صحیح طریقہ قرآن مجید ھے ،جس طرح اگر ھم چاھیں کہ کسی ایک موضوع کے بارے میں عیسا ئیت کا نظریہ معلوم کریں تو اس کیلئے ھمیں انجیل کا مطا لعہ کرنا پڑے گا ،البتہ ھم نے جو کچھ بیان کیا یہ ان لوگوں کیلئے ھے جو مسائل کو سمجھنے کیلئے صحیح اور منطقی طریقہ اپنا ئیں چاھے بحث وگفتگوھو چاھے مطالعہ تحقیق وبررسی ھو ،صحیح طریقے کا انتخاب کریں ،لیکن دشمن بحث وگفتگو کیلئے صحیح اور منطقی طریقوں سے دوربھاگتا ھے کیونکہ ان کا مقصد صرف مومن لوگوں میں اعتراضات اور شبھا ت پیدا کرنا ھوتا ھے ،تا کہ ان کے ایمان کو نا قص کردیں چو نکہ ان کی بحث وگفتگو منطقی نھیں ھوتی کہ ھم اس کا جواب دیں ،لیکن پھر بھی اپنا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وظیفہ سمجھتے ھیں کہ ان کے اعتراضات اور شبہات کا متطقی جواب دیں ۔

2.کیادین سیاست سے جدا ھے؟)مذھبی و غیرمذھبی لوگوں کا نظریہ)
جن لوگوں نے دین کو سیا ست اور حکومت سے ھونے میں غیرمذھبی نظریہ کو انتحاب کیا ھے ،وہ لوگ کھتے ھیں ۔ھم کو قرآ ن سے کوئی مطلب نھیں اور اسلام پر غیرمذھبی نگا ہ سے دیکھتے ھیں ،اس سے پھلے کہ ھم اسلامی منابع وماخذ کی تحقیق وبررسی کریں یا یہ دیکھیں کہ قرآن سیاست سے متعلق کیا کھتا ھے ،یہ سوال کرتے ھیں کہ انسان کو دین کی کیا ضروت ھے ؟اور کن مسائل میں اس کو دین کی راھنمائی کی ضروت ھے ؟
انھوں نے اس مسئلہ سے متعلق اپنے خیا ل خام میں دو نظریہ فرض کیئے ھیں ،پھلافرض یہ ھے کہ انسا ن تمام چیزوں میں اور زندگی کے تمام امور میں دین کی ضروت رکھتاھو ،مثلاًکس طریقہ سے غذا آمادہ کی جائے اور کس طرح سے کھائی جائے ،یا کسی طرح مکان بنایا جائے ،شادی بیاہ کے کیا طریقے ھیں اور حکومت اور جامعہ کی تشکیل کو ایک ھی صف میں رکھا ھے ،اور اس طرح کھتے ھیں ، کیا دین کیلئے ضروری ھے کہ ان تمام مسائل کو حل کرے ،اور انسان کو علمی اور دقیق مسائل کی تحقیق کرنے کی کوئی ضروت نھیں ھے ،اور ھم کو اکثر مسائل میں دین کا منتظر نھیں اپنا چائیے کہ ھر چیز کی وضاحت دین ھی سے طلب کریں۔ اس کا مطلب یہ ھے کہ اگر ھم کوئی لباس بنانا چائیں تو پھلے یہ معلوم کریں اسلام کا نظریہ کیا ھے، اور اگرکھانا کھانا چاھیں تو دیکھیں کہ اسلام نے کن کھا نوں کی اجازت دی ھے ،اور اگر بیمار ھوجائیں اور ڈاکڑکے پاس جانا پڑے تو دیکھیں کہ اسلام نے اس سلسلے میں کیا وصیت کی ھے ؟نیز اس طرح اسلام نے حکومت اور سیاست کے بارے میں کیا نظر یہ پیش کیا ھے ۔
دوسرے فرض یہ ھے کہ دین فقط بعض چیزوں میں دخالت رکھتا ھے اور دین سے ھماری تو قعات حداقل در جہ پر ھونی چاھئے اور یہ بات طبیعی ھے کہ دین ھر اعتبار سے انسان کی ضروریات میں نظر نھیں رکھتا ، بلکہ کوئی بھی دین یہ دعویٰ نھیں کرسکتا کہ وہ انسان کی تمام ضروریات پوراکر سکتا ھے ۔
اور جب ھم نے یہ مشاھدہ کرلیا کہ دین ھم کو کھانا بنانا ،علاج کرنا ،ھوائی جھاز اور کشتی بنانا وغیرہ نھیں سکھاتا تو اب ھم کو یہ دیکھنا ھوگا ،وہ مسائل کہ جن کو اپنے سے بیان کیا ھے ان کا دوسرے مسائل سے بھی کیا امتیاز ھے ،اور اصلا دین نے کس کس میدان میں وارد ھوا ھے ۔
یہ لوگ اپنے خیال خام میں اس نتجہ پر پھونچے کہ ایک دوسری قسم کو لنتخا ب کریں اور وہ یہ ھے کہ دین فقط ان امور میں دنیاوی امور سے کوئی تعلق نھیں۔
اور دین سے ھماری تو قعات کم سے کم ھونی چاھئے اور ھم کو چائیے کہ جن کے ذریعہ فقط ان چیزوں اور طریقوں کو پھچانیں کہ جن کے ذریعہ آخرت مینکا میابی ،جنت میں جانے، دوزخ سے نجات حاصل کی جاسکے ۔جیسے نماز پڑھنا ،روزہ ،رکھنا،حج کو انجام دینا اوردوسرے عبادی امورکو دین سے حاصل کریں ،
ان لوگوں نے اپنے خیا ل خام میں دین وسیاست کے ربط کو اس طرح حاصل کیا ھے کہ دین سیاست سے جدا ھے اور یہ کھا کہ سیاست کا دین سے کو ئی ربط نھیں ھے اور یہ کہ سیا ست کا دائرہ ونیوی امور میں ھے ،اور دین کا دائرہ آخرت سے مربوط ھے ،نہ دین کو سیا ست میں دخالت کرنا چائیے اور نہ ھی سیاست کو دین میں دخالت کرنی چائیے ،
لھٰذا وہ سیاست کہ جس کا تعلق دنیا اور علم سے ھے ،لھٰذا سیاست کو فقط علم اور انسا نی تر قی میں دخالت کا حق ھے چاھے وہ علم فیر کی ھو یا زیت شنا سی روا شناسی ھو یا جامعہ شناسی طب یا دوسرے علوم میں دین کی کوئی دخالت نھیں ھے،اور دین کی دخالت صرف اخروی امدر میں ھے ۔
ان مسائل کا تا ریچہ چند صدی پھلے مغربی ممالک کی طرف پلٹتا ھے کہ جس وقت کلیسائی پا دریوں اور علم وسیاست کے لوگوں کے درمیان اختلاف اور تضاد پیدا ھوا ،اور آپس میں مدتوں تک اسی سلسلے میں جنگ جدال ھو تی رھی ،اور آخرمیں ان کی یہ جنگ وجدال ایک بے لکھی صلح پر تمام ھوئی ،جس میں یہ طے پایاکہ دین فقط آخرت سے تعلق رکھتا ھے دین بھی انسان کا خدا سے رابطہ ،اور دنیا دی کا موں میں دخالت کرنا اھل سیاست اور اصل علم افراد کے سپرد کیا گیا ۔
یہ تمام نظریات مغربی ممالک کے تھے ،لیکن بعد میں جو لوگ ان کے تحت تاثیر قر ار پائے ان کا کھنا ھے کہ ھمارے اسلامی ممالک میں بھی اس طرح تقیم ھونا چاھئے مثا ل کے طورپر اس طرح ھونا چاھئے کہ دین کی باگ ڈورفقط دینی علماء کے ھاتھوں میں ھو اور ان کا نام صرف ضروری کا موں میں حق دخالت ھو ،اور دین یا دینی علماء دنیا وی کاموں کو بالکل دخالت نہ کر یں،لھٰذ ا سیاست کو اھل سیاست حضرات پر چھوڑدیا جائے اور دینی علماء اور فقھاء کو سیاست میں دخالت کا کوئی حق نھیں،اور اس سلسلے میں بھت سی تقرریں ھوئی ، مقالات لکھے گئے ،اور اپنے اس نظریہ کی تائید

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کیلئے ہر ممکن کوشش کی گئی تاکہ ہمارے جوانوں کے درمیان اس اعتراض کو رائج کریں اور اس نظر یہ کو تقویت پھونچائیں کہ دین سیاست سے جدا ھیں ۔
افسوس کے ساتھ یہ کھنا پڑرھا ھے کہ بعض پڑھے لکھے افراد نا خواستہ طوران کے نظریہ کے تحت تاثیر قرار پا ئے ،اور آھستہ آھستہ یہ نظریہ لوگوں کے ذھن میں اپنا مقام بناتا جارھا ھے ،کہ دین ،دنیا کے مقابلہ میں ھے یعنی دین انسانی زندگی کے بعض مسائل کو حل کر سکتا ھے اور دنیاوی امور کا دین سے کوئی رابطہ نہیں،اور جب یہ اعتراضات اور شبہات ھمارے پڑھے لکھے اور مو لفین اور مقر رین حضرات کے ذریعہ بیان ھوتے ھیں تو واقعاًیہ ھماری ملت اور جامعہ کیلئے ایک بہت بڑاخطرہ ھے ۔

3 ۔دنیا اور آخرت میں چولی دامن کا رابطہ ھے
حقیقت یہ ھے کہ اگر چہ ھماری یہ ذندگی دو حصوں میں تقسیم ھوتی ھے دنیا وی ذندگی ،افروی زندگی ،یعنی دنیا میں ھماری زندگی کا ایک حصہ روز پیدائش سے شروع ھوتا ھے اور موت پر ختم ھوجاتا ھے اس کہ بعد دوسری زندگی عالم برزخ اور عالم قیامت میں شروع ھوتی ھے ،البتہ اس کے علاوہ بھی ایک دوسری زندگی فرض کی جاسکتی ھے اور وہ ھے عالم جنین )لیکن زندگی کی تقسیم کا ملاز مہ یہ نہیں ھے کہ ھماری چال چلن دو حصوں میں تقسیم ھوجائے اور دو نظریوں سے دیکھا جائے ،بھرحال اس وقت ھم دنیا میں ھیں اور اس دنیا میں دن بھر ھم بہت سے امور انجام دیتے رھتے ھیں دین اس وجہ سے آیا ھے تاکہ ھمارے امور کو سلیقہ عطا کرے ، اور اپنے دستوری اور تشریعی نظام کے ذریعہ ھماری رھنماکی کرے ،نہ یہ کہ دینی قوانین صرف مر نے کے بعد کیلئے ھیں ۔
ایسا نہیں ھے کہ ھماری 50 یا 60 سال کی عمر کا بعض حصہ دنیا سے مربوط ھو اور بعض حصہ آخرت سے ، بلکہ ھماری نظرمیں دنیا کی کو ئی بھی چیز ایسی نہینھے جو آخرت سے مربوط نہ ھو،بلکہ ھمارے تمام دنیاوی امور ایک طرح سے آخرت سے مربوط ھوسکتے ھیں یعنی دنیاوی امور اس طرح سے انجام پائینکہ آخرت میں مفید ثابت ھوں ،اور ھو سکتا یھی اعمال ھمارے آخرت کے لئے مضراور نقصان دہ ثابت ھوں ،بھرحال گفتگو یہ ھے کہ ھمارے اعمال وافعال آخرت کیلئے موثر ھیں اور بنیاوی طور پر اسلامی نظریہ بھی یھی ھے کہ آخرت کی زندگی کو اسی دنیا میں سنوارا جاتا ھے :
''الیوم عملٌ ولاحساب وغداً حسابٌ ولا عمل''(1)
آج کا دن عمل کرنے کا دن ھے حساب کا نہیں اور روز قیامت حساب کا دن ھے وھاں عمل کی جگہ نہیں ھے۔
''الد نیا مزرعة الا خرة''(2)
دنیا آخرت کی کھیتی ھے (جیسا بوؤگے ویسا کا ٹو گے لہٰذا جوکام ھم دنیا میں کر یں گے آخرت میں اسی طرح بدلاملے گا ،اور ایسا نہیں ھے کہ دنیا وی زندگی کا اخردی زندگی سے کو ئی رابطہ نہیں ھے یا ھماری زندگی کا کچھ حصہ دنیاسے اور کچھ حصہ آخرت سے متعلق ھے، یعنیھماری زندگی کے الگ الگ شعبے نہیں ھیں ،بلکہ اس دنیا میں ھمارے کام اس طرح ھونا چاھئے تاکہ ھمیں آخرت میں سعادت اور کا میابی نصیب ھو مثلاً ھمارا اٹھنا بیٹھنا، سانس لینا ،دیکھنا، سننا، گفتگو کرنا ،کھانا پینا،میانبیوں کے تعلقات اور اجتماعی روابط اس طرح ھوں کہ ھماری آخرت سنور جائے ،اور ھو سکتا ھے ھمارے یھی کام آخرت میں مضر اور نقصان دہ ھوں،یہ بات مسلم ھے کہ کھانا پکانا اور کھانا کھانا دنیا سے مربو ط ھے لیکن ایسا بھی ھو سکتا ھے کہ کھانے کا یھی طریقہ جنت میں جانے کا با عث بنے اور ایسا بھی ھو سکتا ھے کہ ھما رے لیئے با عث عذاب ھو
(اِنَّ الَّذِیْنَ یَا کُلُونَ أَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْماً إِنَّمَا یَاکُلُونَ فِی بُطُونِھِمْ نَاراً وَسَیَصْلُوْنَ سَعِیْراً)(3)
''بے شک جولوگ یتیموں کا مال ناحق چٹ کر جایا کرتے ھیں وہ اپنے پیٹ میں بس انگارے بھرتے ھیں اور عنقریب واصل جھنم ھونگے''
جوشخص اپنے پیٹ کویتیموں کے مال سے بھرتا ھے ا گر چہ وہ ظاھراً کھانا کھاتا ھے او اس سے لذت بھی اٹھاتا ھے لیکن یھی کھانا جو کھارھا ھے اس کے لئے جھنم کا عذاب بن جائے گا ، جس طرح اگر انسان خدا کی عبادت کرنے کے لئے کھانا کھاتا ھے تو ا سکا یھی کھانا آخرت میں ثواب واجر کا باعث ھے اسی طرح اگر انسان خدا کی خوشنودی کے لئے گفتگو کرتا ھے تو جنت میں اس کے لئے ایک درخت لگایا جاتا ھے ۔
حضرت رسول اکرم (ص) نے اپنے اصحاب سے فرمایا: جو شخص بھی تسبیحاتاربعہ پڑھے ، خداوندعالم اس کے لئے جنت میں ایک درخت اُگاتا ھے (یہ سننے کے بعد ) بعض لوگوں نے کہا: تب تو ھمارے لئے جنت میں بہت سے درخت موجود ھوں گے، کیونکہ ھم تسبیحات اربعہ کو مکرر پڑھتے رھتے ھیں،اس موقع پر حضرت رسول اکرم نے ارشاد فرمایا:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ٹھیک ھے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کو جلانے کے لئے وھاں آگ نہ بھیجو۔
لھٰذا اگر ھمارے اعمال وکردار خدا کی خوشنودی کے لئے ھوں تو آخرت کی سعادت وکامیابی کا سبب ھوں گے، اور اگر ھمارے یھی اعمال خدا کی مرضی کے خلاف ھوں تو آخرت میں بدبختی اور عذاب جھنم کے باعث بنتے ھیں، ایسا نھیں ھے کہ ھماری یہ زندگی دو مستقل حصوں پر مشتمل ھو جس کا ایک حصہ آخرت سے مربوط ھو اور مسجد وعبادتگاھوں میں گذارا جائے او ردوسرا حصہ ھماری دنیا سے مربوط ھو جس کا آخرت سے کوئی سروکار نہ ھو۔
اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ یہ نظریہ (دین کے حدود صرف انفرادی، عبادی مسائل اور عبادتگاہ تک ھوں کہ جس کا ثمرہ آخرت میں ظاھر ھوگا او ردوسرے مسائل دین سے خارج ھیں) آخری چند صدی کے درمیان بعض مغربی لوگوں مینبعض ادیان کے ماننے والوں کی طرف سے رائج ھوا ھے اور اس نظریہ نے بھت سے لوگوں کے ذھن کو پراکندہ کردیا ھے ، اور نہ صرف یہ کہ اسلام میں یہ مطلب موجود نھیں ھے۔
بلکہ کسی بھی آسمانی برحق دین میں یہ مطلب نھینپایا جاتا ھے ،ھر برحق دین کا نظریہ یھی ھے کہ انسان کی تخلیق اس وجہ سے ھوئی ھے کہ انسان اپنے لئے سعادت یا شقاوت (بدبختی) کو معین کرے، او رانسان کی ھمیشگی سعادت یا ھمیشگی شقاوت اس دنیاوی زندگی کے زیر سایہ حاصل ھوتی ھے، یعنی اگر انسان کی رفتارو،گفتار الٰھی قوانین کے تحت ھو تو ھمیشگی سعادت اس کے شامل حال ھوگی، او راگر انسان کے کارنامے خدا کی مرضی کے خلاف ھوں تو ھمیشگی شقاوت وبدبختی اس کے دامن گیر ھوگی۔
وہ لوگ جن کا نظریہ یہ ھے کہ دین سے ھماری توقعات کم سے کم ھونی چاھئے، انھوں نے انسانی رفتاروگفتار کو دو حصوں پر تقسیم کیا ھے جس کا ایک حصہ دین سے متعلق ھے اور اس کا دنیا سے کوئی رابطہ نھیں ھے او ر دوسرا حصہ دنیا سے متعلق ھے وہ دین سے خارج ھے، جیسے سیاسی اور اجتماعی مسائل، البتہ یہ نظریہ صرف ایک مغالطہ او رکج فھمی کا نتیجہ ھے، کیونکہ ان کا خیال یہ ھے کہ اگر دین سے ھماری توقعات حداکثر ھو تو پھر ھمارے تمام امور دین کے مطابق ھونا ضروری ھیں یھاں تک کہ کھانا پینا مکان بنانا وغیرہ وغیرہ ،چونکہ انھوں نے یہ سوچا کہ یہ نظریہ نہ تو صحیح ھے اور نہ ھی دین ان تمام چیزوں کو پورا کرسکتا ھے، لھٰذا یہ لوگ دین سے کم سے کم توقعات کے قائل ھوگئے۔
ان کی یہ غلط فھمی اس وجہ سے ھوئی کہ انھوں نے اس مسئلہ کی صرف دوقسم تصور کی جب کہ تیسری قسم بھی موجود ھے اور یھی تیسری قسم صحیح ھے، اور وہ یہ ھے کہ ھم دین سے اتنی توقع نھیں رکھتے کہ تمام چیزوں کے بارے میں ھمیں بتائے یھاں تک کہ کھانا کھانے ، کپڑے پھننے او رمکان بنانے کا طریقہ بتائے ، کوئی بھی ایسا دعویٰ نھیں کرتا، اور یہ اس لئے ھے کہ دین نے بھت سے مسائل کے بیان کو سمجھنے کے لئے دنیاوی علوم پر چھوڑ دیا ھے۔
لیکن پھر بھی یہ مسائل کسی نہ کسی اعتبار سے دین سے متعلق ھوتے ھیں ، اور یہ اس وقت ھوگا جب یہ مسائل خود ارزش مند او رپر اھمیت قرار پائیں۔
یعنی ان کے اندر وہ پھلو بھی کار فرما ھوں جو دین سے متعلق ھیں مثلاً کھانا کھانا دینی مسئلہ نھیں ھے لیکن اگر کوئی مررھا ھے ،بھوکا ھے تو اس کو کھانا کھانا واجب ھے، تو اس صورت میں یہ مسئلہ دینی ھوجائے گا۔

4۔انسان کے دنیاوی اعمال و کردار کی اھمیت
جب ھم یہ دیکھتے ھیں کہ ھماری دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی سے ایک ربط رکھتی ھے اور ھمارا اعتقاد یہ ھے کہ انسانی اعمال وکردار اس کے کمال یا پستی کے باعث ھوتے ھیں، اور ھمارا کردار سعادت اخروی میں موثر ھوسکتا ھے تو پھر ھمارے یہ افعال واعمال پراھمیت اور باارزش ھوجاتے ھیں لھٰذا ھم اب یہ دین کو حق دیتے ھیں کہ وہ ھمارے افعال وکردار کے بارے میں قضاوت کرے یا بہ لفاظ دیگر یہ کھا جائے کہ دین ھمارے حلال وحرام افعال کو بیان کر تا ھو دین ان کو انجام دینے کی کیفیت بیان نھیں کرتا، دین تو یہ کھتا ھے کہ بعض چیزوں کا کھانا حرام او رگناہ ھے ۔
مثلاً خنزیر کا گوشت اور نشیلی چیزوں کاکھانا حرام ھے لیکن شراب کیسے بنائی جاتی ھے خیزیز کیسے پالا جاتا ھے یہ دین کا کام نھیں ھے،البتہ اسلام نے خنزیر کے گوشت کو حرام اس لئے کیا ھے کہ دینی عبادات ومسائل مینیہ مانع ھے او ردینی احکام چاھے واجب ھوں یا حرام یہ سب وجوب وحرمت مثبت او رمنفی اثرات کی بنا پر جعل ھوئے ھیں یعنی احکام کے متعلقات میں انسان کی سعادت او رآخرت پائی جاتی ھے گویا احکام ایجابی وسلبی کے ذریعہ ھمارے افعال وکردار کی اھمیت پتہ چلتی ھے ۔
بہ الفاظ دیگر اس طرح عرض کیا جائے کہ انسان کی ترقی او رتکامل کی راہ ایک نقطہ سے لامتناھی نقطے کی طرف شروع ھوتی ھے اس راہ میں جو چیز ھمارے لئے مفید ھے وہ یہ ھے کہ ھم خدا کی طرف متوجہ ھوں اور انسانی معنویت کی بلندی کا زمینہ ھموار کریں، درجات کے اعتبار سے چاھے وہ احکام واجب ھونیا مستحب یا اس کے بعد مباح ، اور جو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

راھیں انسان کو تنزل او رپستی کی طرف لے جانے والی ھیں اور انسان کو راہ کمال اور خداوندعالم سے دور کرتی ھیں ''حرام'' ھیں اس کے بعد مکروھات ھیں۔
نتیجہ یہ نکلا کہ دین یہ نھیں کھتا کہ کون سا کھانا کھائیں کس طرح کھانا بنائینکس طرح مکان بنائیں بلکہ دین اس بات کی تاکید کرتا ھے کہ مکان غصبی جگہ پر نہ بنایا جائے یا مکان کو اس طرح نہ بنائیں کہ جس سے دوسروں کے گھروں کی بے پردگی ھوتی ھو، دین یہ کھتا ھے کہ حلال پیسہ سے مکان بنائیں سود کے پیسہ سے مکان نہ بنائیں، درحقیت مکان کی اھمیت او راس کی کیفیت کو بیان کرتا ھے اسی طرح دین یہ کھتا ھے کہ ھمارا کھانا ایسا ھو جس سے ھماری ظاھری اور معنوی رُشد وترقی ھو او روہ غذا ئیں جو حرام ھیں یا ''الکحل'' نشہ آور چیزوں سے پرھیز کریں جو خود ھمارے لئے ضرررساں اورنقصان دہ ھیں۔
قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے :
(یَا أَیُّھا الَّذِیْنَ ءَ امَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَ الأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ إِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ أَنْ یُوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاءَ فِیْ الخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدُّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہ...) (4)
''اے ایمان دارو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس ناپاک (برے) شیطانی کام ھیں تو تم لوگ اس سے بچے رھں تاکہ تم فلاح پاؤ، شیطان کی تو بس یھی تمنا ھے کہ شراب او رجوے کے بدولت تم میں باھم عداوت ودشمنی ڈلوادے اور خدا کی یاد سے باز رکھے''
نتیجہ یہ نکلا کہ دین کی حلال اور حرام کردہ چیزیں انسانی کردار کو بیان کرنے والی ھیں،یعنی ان کے ذریعہ معلوم ھوجاتا ھے کہ انسانی کردار مثبت پھلو رکھتا ھے یا منفی، اور کیا یہ چیز ھماری سعادت او رکامیابی میں موثر ھیں؟ اور کیا یہ چیزیں خدا تک پھونچنے کے لئے راہ ھموار کرتی ھیں؟ یا یہ چیزیں انسان کو بدبختی اور ھلاکت کی وادی میں پھونچادیتی ھیں؟ خلاصہ یہ کہ دین، دنیاوی کردار کے ماورای اس کردار پر توجہ کرتا ھے کہ جس کے ذریعہ انسان جنتی یا جھنمی ھوتا ھے۔

5۔انسان کے کردار کی اھمیت کو سمجھنے میں عقلی طاقت کی شعائیں
ھمارے افعال وکردار کی اھمیت ایجاب وسلب کے لحاظ سے (یعنی ھمارے افعال ورفتارو کردار کے لئے ارزش کا اثبات کرنا یا سلب کرنا) کبھی اتنا واضح وروشن ھوتا ھے کہ جس کو عقل بخوبی سمجھ لیتی ھے اور شارع مقدس کی طرف سے تعبدی بیان کی ضرورت نھیں بلکہ عقل خودھی خداوندعالم کے حکم کو مشخص کرلیتی ھے۔
اسی وجہ سے فقھاء کرام مستقلات عقلیہ میں فرماتے ھیں: بعض مسائل میں عقل مستقل طور پر فیصلہ کرلیتی ھے اور افعال واعمال کے حُسن وقبح (اچھائی ،برائی) کو معین کرلیتی ھے اور ھم عقل کے ذریعہ سمجھ لیتے ھیں کہ خداوندعالم کا ارادہ فلاں کام کے انجام دینے یا ترک کرنے سے متعلق ھے، ھم عقل کے ذریعہ یہ پتا لگالیتے ھیں کہ خداوندعالم اس کام سے راضی ھے یا نھیں ، ھم سبھی کی عقل اس بات کو سمجھتی ھے کہ کسی یتیم کا مال کھا نابرا ھے،
اور اس سلسلے میں شارع مقدس کی طرف تعبدی بیان آنا ضروری نھیں ھے ، عقل کی تشخیص کے بعد قرآن وحدیث میں بھی اس بارے میں تعبدی بیان آنایہ حکم عقل کی تاکید کے لئے ھے، لیکن اکثر مقامات پر ھماری عقل ھمارے افعال واعمال ورفتار و کردار کی اھمیت اور پھر ان افعال کی ھماری شقاوت وسعادت میں تاثیر کی مقدار کو درک کرنے سے قاصر ھے ، اس طرح کہ ھم اپنے اعمال کے وجوب وحرمت اور استحباب وکراھت کو عقل کے ذریعہ پھچانیں، لھٰذا ایسے مقامات پر دین کو دخالت کرنے کا حق ھے چنانچہ اس وقت دین کو ھمارے اعمال وافعال کے انجام دینے کے احکام بیان کرناھونگے۔

6۔دین کے حدود
جیسا کہ معلوم ھوچکا ھے کہ وہ چیزیں جو ھماری ھمیشگی سعادت یا شقاوت میں موثر ھیں صر ف ان مسائل میں منحصر نھیں جو براہ راست خداوندعالم سے مربوط ھیں، بلکہ دین ، عبادی مسائل کے علاوہ دنیاوی امور میں بھی حق دخالت رکھتا ھے اسی وجہ سے دین نے بعض کھانے پینے والی چیزوں کو حلال یا حرام ھونے کو بھی بیا ن کیا ھے۔
اور جب ھم دینی احکامات کو ملاحظہ کرتے ھیں تو اس نتیجہ پرپھونچتے ھیں کہ دینی حدود انفرادی مسائل میں محدود نھیں ھیں بلکہ اجتماعی مسائل مثلاً گھریلو مسائل، شادی، طلاق اور تجارت وغیرہ جیسے مسائل کو بھی شامل ھیں، اور ان مسائل کا حلال وحرام ھونا ان کی اھمیت کو بیان کرتا ھے، درحقیقت دین ان امور کی حقیقت کو بیان کرکے ان کی حرکت کی جھت وسمت معین کرا ھے اور نشان دھی کررھا ھے کہ ان کے ذریعہ کس طرح سے خداوند عالم کی سمت انسان حرکت کرسکتا ھے اور کون سے امور شطان کی طرف مایل ھونے کے اسباب فراھم کرتے ھیں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

علم بعض چیزوں کے بیان کرنے سے قاصر ھے علم صرف یہ بیان کرتاھے کہ کس چیز کو بنانے کے لئے کن چیزوں کو کس مقدار میں ھونا ضروری ھے اورفیزیکی او ر شیمیائی چیزوں کو بیان کرتا ھے لیکن یہ بیان نھیں کرتا کہ ان چیزوں کو کس طرح استعمال کیا جائے تاکہ انسان حقیقی اور واقعی کمال اور سعادت تک پھونچ سکے، ایسے مقامات پر دین کو قضاوت او رفیصلہ کرنا ھوتا ھے لھٰذا جس طرح ھمارے اعمال ھماری سعادت وبدبختی میں مؤثر ھوتے ھیں اسی طرح سیاسی واجتماعی امور مینھمارے اعمال ھماری سعادت یا بدبختی میں موثر ھوتے ھیں، صرف یھی نھیں بلکہ اس حصے میں اور زیادہ موثر ھوتے ھیں۔

اب رھی ھماری اصل گفتگو یعنی ''اجتماعی امور'' کیا یہ کھا جاسکتا ھے کہ معاشرہ اور ملت کا چلانا ھماری سعادت یا بدبختی میں کوئی اثر نھیں رکھتا؟، اوراس معاشرہ کے افراد جس طرح بھی چاھینمعاشرہ کے ادارے کے لئے جس کو چنیں ،مختار ھیں او ران مسائل میں دین کوئی دخالت نھیں رکھتا؟ کون ھے جو نھینجانتا کہ معاشرہ میں عدالت او رانصاف کی رعایت سے انسان کی سعادت او رکامیابی ھے اور عدالت وانصاف سے کام لینا ایک بھت مھم اور مثبت پھلو رکھتا ھے اس سلسلہ میں اگر کوئی آیت یا حدیث نہ ھوتی تب بھی ھماری عقل اس بات کو سمجھتی ھے کہ عدالت وانصاف کی رعایت کرنے سے انسانی کمال اور سرفرازی میں شایان شان تاثیر رکھتی ھے ،جوحضرات ان مسائل کو سمجھنے کے لئے عقل کو کافی نھیں سمجھتے،وہ قرآن واحادیث کی طرف رجوع کریں، البتہ ھمارا عقیدہ تو یہ ھے کہ سیاسی واجتماعی امور کے بھت سے مسائل کی اھمیت کو عقل سےسمجھ سکتے ھیں، لیکن اس کے یہ معنی نھیں ھیں کہ جو بھی عقل سمجھیں وہ دین کے دائرے سے خارج ھے۔

جیسا کہ ھم نے بیان کیا کہ جو چیز مرضی خدا کو کشف کرتی ھے اور جو چیز خدا کی حکمت اور اس کے ارادہ کو بیان کرتی ھے اور ھم کو آگاہ کرتی ھے کہ خدا کی مرضی کیا ھے اس میں کوئی فرق نھیں ھے کہ اس امر کو کس راستہ کے ذریعہ کشف کریں ،بلکہ مھم یہ ھے کہ ھم خداوندعالم کے ارادہ تشریعی کو کشف کریں، چاھے یہ کشف قرآن وسنت کے ذریعہ ھو یا عقل کے ذریعہ، کیونکہ یہ تینوندلیلیں خدا کے احکام او ردینی قوانین کو کشف کرتی ھیں اسی وجہ سے عقل کو احکام الھٰی کے منابع میں شمار کیا جاتا ھے اور فقھاء کرام نے عقل کو احکام شرعی کے اثبات کرنے والی دلیلوں میں شمار کیا ھے،چنانچہ شرعی مسائل کو ثابت کرنے کے لئے عقل سے بھی تمسک کرتے ھیں، لھٰذا ایسا نھینھے کہ عقل ا ور شرع کے درمیان کوئی حد موجود ھو کہ کچھ چیزیں عقل سے مربوط ھوں اور کچھ چیزیں شرع سے، بلکہ عقل ایسا چراغ ھے کہ جس کی روشنی مینخدا کی مرضی اور اس کے ارادہ کو تلاش کیا جاسکتا ھے،لھٰذا جو چیز اس طرح عقل کے ذریعہ کشف ھوگی وہ دینی ھے ۔

7۔دین اور حکومت میں رابطہ

جو کچھ ھم نے اجتماعی اورسیاسی امور کے بارے میں دین کی دخالت کے سلسلے میں عرض کیا اس پر توجہ رکھتے ھوئے اور مختلف قسم کی حکومتوں کو مد نظر رکھتے ھوئے جواب تک اس دنیا میں وجود پاچکی ھیں خصوصاً وہ حکومتیں جو اسلام کے نام سے یا اسلامی زمانے میں دوسرے ناموں سے جانی جاتی تھیں، یہ نھیں کھا جاسکتا کہ اسلام ان کے بارے میں مثبت یا منفی نظریہ نھیں رکھتا؟، اگر ھم معاویہ اور یزید کی فاسد اور ظالم حکومت کا حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی عدالت وانصاف ور حکومت سے مقابلہ کریں تو کیا یہ کھا جاسکتا ھے کہ اسلام ان دونوں حکومتوں کو ایک نگاہ سے دیکھتا ھے اور حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کی حکومت میں کوئی فرق نھیں ھے؟

کیا یہ کھا جاسکتا ھے کہ ھر انسان آزاد ھے کہ اپنی مرضی کے مطابق اپنی حکومت کے طریقہ کار کو اپنائے؟! اور اس میں دین کی کوئی دخالت نہ ھو، اور انسانی کردار اور اس کی سعادت یا بدبختی میں کوئی دخالت نھیں رکھتا، یعنی کیا یہ کھنا صحیح ھے کہ نہ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت انسان کی آخرت میں کوئی تاثیر رکھتی ھے اور نہ ھی معاویہ کا کردار انسان کی آخرت میں کوئی اثر رکھتا ھے؟! کیونکہ حکومت کا طریقہ کار دنیا اور سیاست سے تعلق رکھتا ھے اور اس کا دین سے کوئی رابطہ نھیں ھے! کیا کوئی عقلمند انسان ان باتوں کو قبول کرسکتا ھے؟ کیا یہ کھا جاسکتا ھے کہ دین کی نظر میں یہ دونونحکومتیں(حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کی حکومت) مساوی وبرابر ھیں؟ اور دین ان میں سے کسی ایک کی مدح یا مذمت نھیں کرتا؟ حقیقت یہ ھے کہ اجتماعی اور حکومتی جیسے مسائل میں دین کی دخالت ضروری ھے، دین کو چاھئے کہ حکومت کے لئے مناسب ڈھانچہ پیش کرے ، دین کو بیان کرنا چاھئے کہ حاکم وقت اپنی حکومت کے آغاز ھی سے کمزور اور غریب لوگوں کی فکر میں رھے نہ کہ اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے چکر میں لگا رھے؟!

نتیجہ یہ نکلا کہ دین مینبالخصوص دین اسلام میں سیاسی واجتماعی مسائل کی ایک بڑی اھمیت ھے اور ان کو دین کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دائرہ سے خارج نہیں کیا جاسکتا، اور اس بات کا اعتقاد صحیح نہیں کہ ان سیاسی اور اجتماعی مسائل کا انسان کی شقاوت اور سعادت میںنہیں اگرانسان کا آخرت، حساب وکتاب اور ثواب وعذاب پراعتقاد ھے تو کیا یہ کہا جاسکتا ھے کہ معاویہ اور یزید کی حکومت وہ تاثیر نہیں رکھتی! اگرچہ بعض اھل سنت برادران ، معاویہ کے مسئلہ کو ابھی تک حل نہیں کرسکے ھیں،لیکن تاریخ میں ایسے بہت سے ظالم وجابر افرادگذرے ھیں جنھوں نے تاریخ کے اوراق کو سیاہ کرکے رکھا ھے، کیا یہ کہا جاسکتا ھے کہ ان ظالم وجابر لوگوں کی حکومت، عدالت وانصاف ور افراد کی حکومت کے برابر ھیں؟ اسی زمانہ کو لے لیجئے جس میں ھم زندگی گذاررھے ھیں، کیا وہ حکومتیں جو عورتوں اور بچوں کو جن کو ھر مذھب وملت میں بے گناہ مانا جاتا ھے ان کے سروگردن میں جدائی کریں، ان پر بم گرائیناور ان کو زندہ درگور کریں، ان حکومتوں کے برابر ھوسکتی ھیں کہ جن کی تمام تر کوشش کمزور او رمظلوم لوگوں کی نجات کے لئے ھوتی ھیں؟ کیایہ دونوں حکومتیں جنت میں جاسکتی ھیں؟ لھٰذا کس طرح سیاسی واجتماعی مسائل کو دین سے خارج مانا جاسکتا ھے؟ اگر یہ طے ھے کہ دین اسلام حلال وحرام ، ثواب وعذاب اور دوسرے دینی مسائل میں اپنی خاص نظر رکھتا ھو توبدرجہ اولیٰ سیاسی واجتماعی مسائل وہ واضح وروشن مسائل ھیں کہ جن میں دین کا نظریہ ضروری ھے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نظریہ جس میں دینی مسائل کو دنیاوی مسائل سے الگ کیا جاتا ھے او ردینی مسائل کو صرف خدا اورآخرت سے مخصوص کیا جاتا ھے، اور ان کو دنیاوی دائرہ سے خارج مانا جاتا ھے(یعنی انسان کے بعض امور،دانشمندوں اور سیاسی لوگوں پر چھوڑدئے گئے ھیں اور بعض امور، دینی علماء کرام پر چھوڑ دئے گئے ھیں) یہ نظریہ بالکل غلط اور باطل ھے اور کسی بھی طریقہ سے اسلامی نظریہ سے سازگار اور موافق نہیں ھے، اسلام انسان کیلئے جس زندگی کے بارے میں نظریہ رکھتا ھے اور اسلام جس طرز زندگی کو پیش کرتا ھے اور ھمیں اس کی طرف دعوت دیتا ھے اس (گذشتہ)نظریہ سے ھم آھنگ وموافق نہیں ھے۔

چھوڑئے ان لوگوں کو جو اس طرح کا نظریہ رکھتے ھیں یہ لوگ نہ خدا پر اعتقاد رکھتے ھیں او رنہ ھی قیامت پر، ان کی یہ باتیں صرف اور صرف اس وجہ سے ھوتی ھیں تاکہ علماء دین کو اس میدان سے باھر نکال دیں، لیکن ھم کو ان کے ذاتی عقیدہ سے کوئی مطلب نہیں ھماری عرض تو صرف یہ ھے کہ دنیاوی مسائل کو دینی مسائل سے جدا کرنے کا نظریہ اور دنیاوی مسائل کو دینی حدود سے خارج کرنے کا نتیجہ اسلام کے انکار کاسبب بنتا ھے او راس کے علاوہ کوئی دوسرا نتیجہ نہیں رکھتا، اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ انسان کا کوئی بھی عمل ایسا نہیں ھے جو ھماری سعادت یا بدبختی مینموثر نہ ھو، لھٰذا ھمیں قبول کرنا پڑے گا کہ ھماری تمام زندگی میں دین اپنا نظریہ دے سکتا ھے اور اس کی اھمیت کو بیان کرسکتا ھے۔جیسا کہ حضرت رسول اکرم(ص) نے فرمایا ھے:

”مامن شئ یقرّبکم الی الجنة ویباعدکم عن النار الاّ وقدامرتکم بہ ومامن شئ یقربکم من النار ویباعدکم من الجنّة الاّ وقدنھیتکم عنہ“ (5)

”نہیں ھے کوئی ایسی چیز کہ جو تمھیں جنت سے قریب کرے اور جھنم سے دور کرے مگر یہ کہ میں نے تم کو اس کے کرنے کا حکم دیا ھے او رنہیں ھے کوئی ایسی چیز کہ جو تمھیں جھنم سے قریب اور جنت سے دور کرے مگر یہ کہ میں نے تم کو اس سے منع کیا ھے“

اسلامی نظریہ کے مطابق سعادت کے معنی جنتی ھونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ھیں اور بدبختی کے معنی جھنمی ھونے کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ھے:

(فَأَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوا فَفِی النَّارِ۔ وَأَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ۔)(6)

” تو جو لوگ بدبخت ھیں وہ دوزخ میں ھوں گے اور جو لوگ نیک بخت ھیں وہ تو بھشت میں ھونگے “

8۔دین کی جامعیت

پیغمبر اکرم کے فرمان کے مطابق ایک دوسرا نظریہ بھی باطل ھوجاتا ھے ، وہ یہ ھے کہاگر کوئی یہ کھے: ٹھیک ھے کہ دین حلال وحرام کو بیان کرسکتا ھے لیکن زندگی کے بعض امور کو خود پیغمبر اکرم نے بیان کردیا ھے اور بعض دوسرے امور کو لوگوں پر چھوڑدیا ھے بعض وہ چیزیں جو آنحضرت کے زمانے سے متعلق تھیں وہ بیان کردیں اور باقی چیزوں کو ھم لوگوں پر چھوڑدیا تاکہ زمان ومکان کے لحاظ سے ھم خود طے کرلیں کہ کون چیزیں حلال ھیں اور کون چیزیں حرام۔

کیونکہ اس نظریہ کا نتیجہ یہ ھے کہ پیغمبر اکرم نے سعادت تک پھونچنے والی تمام چیزوں کو بیان نہیں فرمایا جبکہ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ نہیں ھے کوئی ایسی چیز کہ جس کے ذریعہ تمھاری سعادت کی ضامن ھو مگر یہ کہ میں نے اس کو بیان کردیا، البتہ آنحضرت کے فرمان کے یہ معنی نہیں کہ آپ نے تمام چیزوں کی جزئیات بھی بیان کردیں ، بلکہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

آپ نے کلّی چیزوں کو بیان کیا ھے تاکہ آئندہ زمانے میں ائمہ (ع) اور مجتھدین جو ایسی صلاحیت رکھتے ھیں کہ جزئی احکام ،اور حلال وحرام کو کلی عناوین پر منطبق او رمرتب کرکے ان کے احکام کو معلوم کرلیں، او ران کو عناوین اولیہ یا عناوین ثانویہ یا حکومتی احکام کے عنوان سے لوگوں کے سامنے پیش کریں، بے شک مصادیق کی تشخیص او رجزئی احکام، انھیں کلی احکام پر منطبق ھیں کہ جو قرآن ،سنت اور ائمہ معصومین علیھم السلام کی احادیث میں ذکر ھوئے ھیں جن کو اصطلاحاً فتویٰ کھا جاتا ھے۔

حوالہ
( (1)بحارالانوار ج 32ص 354
(2)بحارالانوار ج 70 ص 225
(3)سوہ نساء آیت 10
(4)سورہ مائدہ آیت ۹۰،۹۱-
(5)بحارالانوار ج 70ص۹۶
(6)سورہ ھود آیت 106،108

اسلام اور سیاست جلد(۱)

پانچواں جلسہ

**اسلام میں آزادی (1)**

1۔گذشتہ مطالب پر ایک نظر
ھم نے اسلام میں سیاست کی اھمیت کو بیان کرتے ھوئے عرض کیا کہ حکومتی اور سیاسی مسائل، معرف اسلامی کا ایک حصہ ھیں اس سے قبل ھم نے اشارہ کیا کہ بعض لوگوں نے جامعہ میں انحراف اور کج روی پیدا کرنے کے لئے نیز لوگوں کے ذھنوں کو پراکندہ کرنے کے لئے اسلامی حکومت کے سلسلہ میں بھت سے اعتراضات کئیے ھیں جن میں سے ایک شبہ یہ تھا کہ دین کا دائرہ دنیا کے دائیرہ سے جدا ھے اور دین دنیاوی مسائل میں کوئی مداخلت نھیں کرتا اور یہ کہ دنیاوی امور میں دخالت کرنا دین کے شایان شان نھیں ھے دین کا کام صرف ان امور سے وابستہ ھے جو آخرت اور منویات سے مربوط ھیں اور انسان کا خدا سے رابطہ کا نام دین ھے ،خلاصہ یہ کہ دین سے کم سے کم امید رکھیں اس سے پھلے جلسہ میں ھم نے اس اعتراض کاجواب عرض کیا اور ھم نے ”دین سے ھماری امیدیں“کی بحث کے سلسلہ میں اس مغالطہ (کہ دین سے ھماری امیدیں زیادہ ھوں یاکم سے کم )کا جواب مفصل طور پر عرض کیا تھا۔
جواب کا خلاصہ یہ ھے کہ انسان کی زندگی اور اس سے متعلق دوسری واقفیتوں کے دو رخ ھیں :پھلا رخ یہ ھے کہ سببی اور مسببی علت اور معلول رابط موجود ھے جیسا کہ یہ رابطہ تمام چیزوں میں بھی پایاجاتا ھے ،مثلا کون کون سی چیزیں آپس میں مرکب ھوں تاکہ فلاں شیمیائی چیز وجود میں آسکے ،اور ایک زندہ چیز کن شرائط کے ساتھ رشد و نمو کرتی ھے، یہ انسان جو ایک زندہ چیز ھے کس طرح زندگی کرتا ھے اور کس طرح اپنی صحت و سلامتی کو محفوظ کرتا ھے، اور جب مریض ھوجائے تو کس طرح اپنا علاج کرائے ۔دوسرا رخ یہ ھے کہ اس دنیا کی تمام حقیقوں کا انسان کی روح اور معنوی کمالات سے رابطہ ھے ۔

2۔علم اور دین کے مخصوص دائرے
الکحل کو کس طرح اور کن چیزوں کے ذریعہ بنایا جاتا ھے اورالکحل کتنے طریقوں کا ھوتا ھے یہ ایک علم ھے اور ایسی چیزوں کی تحقیق اور بررسی کرنا دین کی ذمہ داری نھیں ھے دین کی ذمہ داری یہ ھے کہ بیان کرے کہ الکحل کو پیا جائے یا نھیں؟ اور اس کا انسان کی روح اور معنوی پھلو کے لئے نقصان دہ ھے یا نھیں دوسرے الفاظ میں یوں کھا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جائے کہ دین کی ذمہ داری یہ ھے کہ بیان کرنا ھے کہ الکحل کا استعمال کرنا حلال ھے یا حرام؟ اس طرح دین دوسری چیزوں کے احکام کو بیان کرتا ھے، نہ کہ اس علمی اور تحقیقی پہلو کو بیان کرتا ھے دین ان چیزوں کی ترکیبات سے بحث نہیں کرتا بلکہ وہ توان چیزوں اور انسانی روح اور اس کی صلاح و اچھائی کے رابطہ کو بیان کرتا ھے اور ان کی تحقیق و بررسی کرتا ھے ،کس کارخانہ یا تجارتی گروپ کا منیجر کس طرح صحیح طور پر کام کرسکتا ھے اور کس طرح کے پروگرام بنائے جائیں تاکہ اچھے نتائج برآمد ھوسکیں ان سوالوں کا جواب علم دے سکتا ھے لیکن ان کارخانوں میں کیا چیز بنائی جائے اور کون سی چیز بنانا جائز ھے اور کون سی چیز حرام ھے اور کون سی چیز انسانی روح سے مربوط ھے یہ دین کاکام ھے ۔

3۔دینی حاکمیت کا آزادی سے ٹکراؤ،ایک شبہ

لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایک شبہ جو مختلف طریقوں سے بیان کیا جاتا ھے البتہ یہ شبہ صرف ایک مغالطہ ھے،وہ شبہ یہ ھے کہ اگر دین انسان کے سیاسی اور اجتماعی کاموں میں مداخلت کرے اور لوگوں کو کسی خاص طریقہ کو اپنانے پر زور دے یا کسی کی اطاعت کا حکم دے تو یہ انسان کی آزادی کے خلاف ھے اور انسان چونکہ آزاد اور صاحب اختیار ھے کہ جو چاھے کرے جو چاھے نہ کرے،اور اس کو کسی کام پر مجبور کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ھے، اور چونکہ دین انسان کے لئے تکلیف معین کرتا ھے، اور اس کو کسی کی اطاعت کا حکم کرتا ھے اطاعت بھی اطاعت مطلق (یعنی چون و چرا)یہ سب کچھ آزادی سے میل نہیں کھاتا۔

4۔مذکورہ شبہ دینی انداز میں

مذکورہ شبہ کو مختلف شکلوں میں بیان کیا جاتا ھے ان میں ایک یہ ھے کہ شبہ کرنے والا اپنی دینداری کا ڈنکا بجاتا ھے اور خود کو قرآن کا ماننے والا کھتاھے اور اپنے شبہ کو مومنین اور متدین افراد پر کارگر کرنے کے لئے اس کو قرآنی اور دینی محمل سے سجاتا ھے اور کھتا ھے کہ اسلام، انسان کی آزادی کا خاطر خواہ احترام کرتا ھے اور قرآن کریم دوسروں کے تسلط اور حکومت کی نفی کرتا ھے یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلام کسی پر تسلط (حق حکومت) نہیں رکھتے تھے، اور کسی کو مجبور نہیں کیا گیا لھٰذا قرآن کے نظریہ کے مطابق انسان آزاد ھے اور کسی کی اطاعت پر مجبور نہیں ھے ۔

ان تمام شبہات اور مغالطوں کا مقصد، ولایت فقیہ کے اصولوں کو ضعیف اور کمزور کرنا ھے، اسی مقصد کے لئے یہ شبہ ایجاد کیا گیا ھے تاکہ ولایت فقیہ کی اطاعت کو انسانی آزادی کے خلاف قرار دیا جاسکے،اور یہ اسلامی نظریہ کے سراسر مخالف ھے کیونکہ انسان اشرف المخلوقات اور زمین پر خدا کاخلیفہ ھے،ذیل میں ان آیات کی طرف اشارہ کرتے ھیں جن کو شبہ کرنے والوں نے اپنا مدرک بنایا ھے

(1) خدا وند عالم پیغمبر اکرم سے خطاب فرما رھا ھے :

(فَذَکِّرْإِنَّمَاأَنْتَ مُذَکِّرٌ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرْ ) (1)

”تم تو بس نصیحت کرنے والے ھو، تم کچھ ان پر داروغہ تو ھو نہیں“

اس آیت کے پیش نظر، پیغمبر اسلام سب سے بلند و بالا مقام رکھتے ھیں جب وہ تسلط نہیں رکھتے اور مسلمان آزاد ھیں ان پر پیغمبر کی اطاعت کرنا لازم نہیں ھے اور پیغمبر اکرم کو لوگوں کی زندگی کے بارے میں اظہار خیال کرنے کا حق بالکل نہیں ھے۔

2۔(وَمَا جَعَلْنَاکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظاً وَمَا أَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ۔) (2)

”اور ھم نے تم کو لوگوں کا نگھبان تو بنایا نہیں ھے اور نہ تم ان کے ذمہ دار ھو“

3۔( وَمَا عَلَی الرَّسُولِ إِلاَّ الْبَلاَغُ۔) (3)

”(ھمارے )رسول پر پیغام پھونچادینے کے سوا (اور)کچھ(فرض) نہیں“

4۔( إِنَّا ھَدَیْنَا ہ السَّبِیْلَ إِمَّا شَاکِراً وَإِمَّا کَفُوْراً۔) (4)

”اور ھم نے (انسان) کو راستہ بھی دکھادیا (اب وہ) خواہ شکر گذار ھو خواہ ناشکرا“

5۔( وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّکُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُوْمِنْ وَ مَنْ شَاْءَ فَلْیَکْفُرْ۔)(5)

”(اے رسول) تم کھہ دو کہ سچی بات (کلمہ توحید) تمھارے پروردگار کی طرف سے (نازل ھوچکی ھے) بس جو چاھے مانے اور جو چاھے نہ مانے“

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مذکورہ اعتراض کا جواب
اس اعتراض کے جواب میں ھم یہ کھتے ھیں کہ معترض نے جن آیات کے ذریعہ رسول خدا کے تسلط نہ ھونے اور آنحضرت کی اطاعت کو واجت نہ ھونے پر تمسک کیا ھے، ان کے مقابلے میں دوسری ایسی آیات موبھی جود ھیں جو خود معترض کی غلط اور غیر صحیح برداشت کے منافی ھیں ذیل میں ھم ان آیات کو بیان کرتے ھیں:
1-(وَمَا کَانَ لِمُومِنٍ وَلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہ وَرَسُولُہ اَمْراً اَنْ یَکُوْنَ لَھمُ الخِیَرَۃُ مَنْ أَمرِ ھِمْ ) (6)
"اور نہ کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ھے اور نہ کسی ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دیں تو ان کے اپنے اس کام (کے کرنے نہ کرنے) کا اختیار ھو "
مذکورہ آیت واضح طور پر خدا و رسول کی اطاعت کو لازم اور ضروری ھونے کو بیان کررھی ھے کہ مومنین کو رسول خدا کی اطاعت سے سر پیچی کرنے کا کوئی حق نھینھے۔
(2۔ انَّمَا وَلِیُکُمُ اللّٰہ وَ رَسُولُہ وَالَّذِینَ یُقِیمونَ الصَّلاہ وَ یُؤتُونَ الزَّکاۃَ وَھمْ رَاکِعُونَ۔) (7)
"(اے ایماندارو) تمھارے مالک سرپرست تو بس یھی ھیں خدا اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ھیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ھیں "
3 )۔ النَّبِیُ أَوْلیٰ بِا لْمَوْمِنِینَ مِنْ أَنْفُسِھمْ۔) (8)
"نبی تو مومنین سے خود ان کی جانوں سے بھی بڑہ کر حق رکھتے ھیں"
دونوں صورتوں میں لوگوں کے بارے میں پیغمبر اکرم کی رائے خود اپنے بارے میں ان کی رائے پر مقدم ھے اس آیت کے سلسلہ میں تمام مفسرین قرآن اس بات پر متفق ھیں، لھٰذا مسلمانوں کو چاھیئے کہ پیغمبر کی رائے کو اپنی رائے پر مقدم رکھیں اور پیغمبر کی رائے کی مخالفت کرنے کا حق نھیں رکھتے ، البتہ مذکورہ آیت رسول خدا کی اصل ولایت کو بیان کررھی
ھے، اور یہ بیان نھیں کررھی ھے کہ آنحضرت کی ولایت کھاں تک محدود ھے ،اور آنحضرت کی ولایت اور آپ کی رائے کا مقدم ھونا صرف احتمالی امور میں ھے یا اجتماعی امور کے علاوہ مشخص امور کو بھی شامل ھے، اس میں کوئی شک نھیں ھے کہ شبہ کرنے والے نے جن آیات سے تمسک کیا کہ رسول اور ان کے جانشینوں کی اطاعت کی نفی کی گئی ھے ان دو طرح کی آیات کے تناقض (ٹکراؤ) کا جواب بھی دے ھوسکتا ھے کہ معترض ان آیات سے بالکل غافل ھو، یا ان آیات کے مطلب کو قبول ھی نہ کرتا ھو لیکن چونکہ ھم قرآن کریم کی آیات میں تناقض اور تعارض کے منکر ھیں لھٰذا ھمیں چاھیے کہ ان آیات کے ظاھری تناقض کو حل کریں اس اھم امر کے لئے ضروری ھے کہ ھم ان دو طرح کی آیات کو پھلی اور بعد کی آیتوں نیز آیات کے لحن (طرز) اور ان کے مخاطبین کو ملاحظہ کریں تاکہ آیات کے حقیقی مطلب کو سمجھ سکیں ۔

5۔قرآن پر مختلف توجہ کی دلیل
جس وقت ھم آیات کے پھلے اور دوسرے گروہ پر دقت کرتے ھیں تو نتیجہ یہ نکلتا ھے کہ آیات کا لحن ایک دوسرے سے مختلف ھے:آیات کا پھلا گروہ ان لوگوں کے بارے مینھے کہ جھنوں نے ابھی تک اسلام قبول نھیں کیا ھے اسی وجہ سے خدا وند عالم ان لوگوں کو حقیقت اسلام کی رھنمائی کرتا ھے اور اپنی اطاعت کے فوائد کو بیان کرتا ھے اور جب اپنے پیغمبر جو خدا کی رحمت و مھربانی کے مظھر ھیں مگر بعض لوگوں کے اسلام کو قبول نہ کرنے اور خدا کی اطاعت سے روگردانی کرنے کی وجہ سے پریشان دیکھتا ھے کہ جس کے نتیجہ مینیہ لوگ دو زخ کے راستہ کو اپنے لئے ھموار کرتے ھیں ایسے موقع پر خدا وندعالم اپنے رسول کو نگران و پریشان دیکہ کر ان کی دلجوئی کرتا ھے کہ اے میرے حبیب ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے کیوں غمگین ھوتے ھیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ھیں ھم نے اسلام کو اس لئے نازل کیا تاکہ لوگ اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے اسے قبول کریں وگرنہ اگر ھم چاھتے تو تمام لوگوں کی ھدایت کردیتے اور اس کی قدرت بھی ھم میں ھے:
(وَلَوْشَاءَ رَبُّکَ لَآ مَنَ فِیْ الأَرْضِ کُلُّھمْ جَمِیْعاً أَفَأَنْتَ تُکْرِہ النَّاْسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔)۔(9)
"(اے پیغمبر) اگر آپ کا پروردگار چاھتا ھے تو جتنے لوگ روئے زمین پر ھیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاھتے ھو تاکہ سب کے سب ایماندار ھوجائیں"
خدا وند عالم کا انبیاء کو بھیجنے کا ھدف یہ ھے کہ لوگ حق کو پھچانتے ھوے اپنے لئے سعادت کا راستہ اپنائیں اور اپنے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اختیارسے دین حق کو قبول کریں نہ یہ کہ خدا وند عالم ان کو ایمان لانے پر مجبور کرے وہ ایمان جو اکراہ اور اجبار سے حاصل ہو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے اور ہمارے پیغام کو پہونچانا تھا لہٰذا آپ ان مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے پریشان نہ ہوں، کیا آپ سوچتے ہیں کہ آپ نے اپنی رسالت کی ذمہ داری پر عمل نہیں کیا، آپ کی رسالت یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو خوف اور اکراہ کے ذریعہ مسلمان کریں، کیونکہ ہم نے آپ کو کفار پر مسلط نہیں کیا ہے تاکہ طاقت کے زور پر ان کو مسلمان کرسکیں آیات کے پہلے گروہ کے مقابلے میں آیات کا دوسرا گروہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں کہ جنھوں نے معرفت و شناخت کے ساتھ اپنے اختیار سے اسلام کو قبول کیا ہے ان آیات میں ان افراد کو پیغام دیا جارھاھے کہ اسلامی احکامات پر عمل کریں اور اس پیغمبر کی اطاعت کریں کہ جس کے بارے میں اعتماد رکھتے ہیں کہ یہ پیغمبر اور اس کے تمام احکامات خدا کی طرف سے ہیں اور اس پیغمبر کی رائے کے سامنے سرتسلیم خم کریں اور آنحضرت کے فرمان پر حق انتخاب بھی نہیں رکھتے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے انسان کو حق انتخاب ہے لیکن اسلام کو قبول کرنے کے بعد تمام شرعی احکامات کو تسلیم کرنا ہوگا اس بنا پر وہ لوگ جو خدا کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہینخدا وند عالم ان کی سخت مذمت کرتا ہے :

(اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُونَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہِ وَیُرِیدُوْنَ اَنْ یُفَرِّ قُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرَسُلِہِ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَ یُرِیْدُوْنَ أَنْ یَتَّخِذُوْا بَیْنَ ذَلِکَ سَبِیْلاً أُوْلٰئِکَ ھمُ الْکَافِرُوْنَ حَقّاً )(10)

”بے شک جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں سے انکار کرتے ہیں اورخدا اور اس کے رسولوں میں تفرقہ ڈالنا چاھتے ہیں او رکھتے ہیں کہ ھم بعض (پیغمبروں) پر ایمان لائے ہیں اور بعض کا نکار کرتے ہیں اور چاھتے ہیں کہ اس (کفر و ایمان) کے درمیان ایک دوسری راہ نکالیں یھی لوگ حقیقتاً کافر ہیں“

بعض احکام کو قبول کرنا اور دوسرے احکام قبول نہ کرنا اسی طرح بعض قوانین کو قبول کرنا اور دوسرے قوانین سے سرپیچی کرنا گویا اص دین کا انکار کرناھے، کیونکہ اگر دین کو قبول کرنے کا ملاک و معیار خدا وند عالم کے احکامات ہوں تو احکامات الھی کے حساب سے عمل کیا جائے اور خدا کے احکامات تمام احکام و قوانین کو قبول کرنے کے لئے ہیں یھانتک کہ اگر دین قبول کرنے کا معیار مصالح اور مفاسد ہوں کہ جن کو خدا جانتا ہے، اور اپنے احکامات میں ان کو ملاحظہ کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا وند عالم تمام مصالح و مفاسد کو جانتا ہے، لہٰذا پھر کیوں بعض احکام کو قبول کیا جائے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے جو پیغمبر کا بھی معتقد ہو اور آنحضرت کی قضاوت اور ان کے فرمان کو قبول کرے اور دل سے بھی اس پر راضی رہے حتی ناراحتی کا احساس بھی نہ کرے ۔

(فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَیُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْ کَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ أَنْفُسِھمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْ تَسْلِیْماً )(11)

”پس (اے رسول) تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ اپنے باھمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم (نہ) بنائیں پھر (یھی نہیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو مان لیں“

حقیقی مومن، رسول خدا کی قضاوت اور فیصلہ کو دل سے قبول کرتاھے اور ناراحتی کا احساس نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو پورا یقین ہے کہ یہ رسول خدا کا بھیجا ہوا ہے ان کا حکم خدا کا حکم ہے یہ رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا

(إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاْسِ بِمَا أَرَاکَ اللّٰہ ) (12)

(اے رسول) ھم نے تم پر برحق کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ جس طرح خدا نے تمھاری ھدایت کی ہے اسی طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو “

اگر کوئی اسلام کو قبول کرنے کے بعد کھے، میں اسلامی احکام میں عمل کرنے سے آزاد ہوں اگر چاھوں عمل کروں اگر چاھوں عمل نہ کروں یہ اس حکومت کی طرح ہے کہ جو ڈیموکراسک اور آزاد ہے وہ لوگ اپنی مرضی سے اس حکومت کے انتخاب میں شرکت کرتے ہیں اور اپنے ووٹوں کے ذریعہ وزیر اعظم، رئیس جمھور اور ممبر آف پارلیمینٹ کو منتخب کرتے ہیں لیکن جب یھی حکومت کوئی قانون بناتی ہے تو اس پر عمل کرنے سے .....؟

اور جب یہ حکومت ٹیکس لگاتی ہے تو کیا کوئی کھہ سکتا ہے کہ میں نہیں دونگا اصل حکومت اور اس کے ووٹ دینے میں آزاد تھے لہٰذا اب بھی آزاد ہیں کہ اس کے قانون پر عمل کریں یا عمل نہ کریں ان باتوں کو کوئی بھی عقلمند قبول نہیں کرسکتا۔

جی ھاں: اسلام کو قبول کرنے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اسلام دلی اعتقاد کا نام ہے اور طاقت کے زور پر کسی نے اسلام قبول کرلیا تو اس وقت اس سے کھا جائےگا نماز پڑھو اور اگر کوئی کھے کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اگر اس سے کہا جائے کہ زکاۃ دو لیکن زکاۃ دینے سے انکار کرے، ایک تو کوئی بھی انسان اس کو قبول نہیں کرسکتا کیونکہ اگر کسی نے اسلام قبول کرلیا تو اس کے تمام احکام کو بھی قبول کرنا پڑے گا یہ نہیں ہوسکتا کہ اسلام تو قبول کرلے لیکن اس کے احکامات کو قبول نہ کرے، اور اپنی مرضی کے مطابق اعمال انجام دے کوئی بھی حکومت اس بات کو قبول نہیں کرسکتی کہ انسان اس کو ووٹ دے لیکن عملی میدان میں اس حکومت کے قوانین کو قبول نہ کرے، اجتماعی زندگی میں بنیادی ترین اصل وظائف اور تعهد و پیمان اور وعدہ پر وفا دار نہ ہو تو اجتماعی زندگی بالکل ہی وجود نہیں پاسکتی۔

لہٰذا اگر کوئی یہ کہے کہ میں اسلام کو قبول کرتا ہوں اور پیغمبر پر ایمان رکھتا ہوں لیکن اسلام مے احکامات پر عمل نہیں کرتا اور اس کی حاکمیت اور ولایت کو قبول نہیں کرتا تو ایسے اسلام کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اسلام اور پیغمبر کو قبول کرنا اور اطاعت و پیروی نہ کرنے میں ظاہری تناقض پوشیدہ ہے۔

ہماری گفتگو سے یہ واضح و روشن ہوچکا ہے کہ اگر کوئی انصاف کی آنکہ سے آیات کو ملاحظہ کرے اور ان کی دلالت، لحن اور ما قبل و مابعد کو غور سے دیکھے تو قرآن کریم میں کوئی تناقض نہیں ملے گا اور مذکورہ شبہ کی اطاعت اور آزادی میں جو تناقض ہے وہ بالکل ختم ہوجائے گا جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے )

لیکن جن کے دل مریض ہیں وہ قرآن کریم کو صداقت اور انصاف سے نہیں دیکھتے اگریہ لوگ قرآن کا مطالعہ کرتے تو اس وجہ سے کہ اپنی کج فکری اور منحرف نظریات کی دلائل تلاش کریں، اور اس وجہ سے کہ قرآن کی آیات کے بعض حصوں کو انتحاب کرتے ہیں اور سیاق و سباق (پہلی اور بعد والی آیتوں کو ) نہیں دیکھتے اور قرآن کے مطابق محکمات قرآن کو چھوڑدیتے ہیں اور متشابہات کی پیروی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

(فَأَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا َتشَابَہَ مِنْہ ابْتَغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتَغَاءَ تَاوِیْلِہ وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَہ إِلاَّ اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِیْ الْعِلْمِ )(13)

''پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ انہیں آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں حالانکہ خدا او ران لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے پایہ پر فائز ہیں ان کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا''

متشابہات کی پیروی کے علاوہ آیات کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں اور آیت کے ایکجملہ کو اخذ کرتے ہیں اور ماقبل و مابعد کو چھوڑ دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کو قرآن مجید میں تناقض نظر آتا ہے جیسا کہ مذکورہ شبہ میں ان لوگوں نے آیات کے ما قبل و ما بعد کو چھوڑ تے ہوے اعتراض کیا کہ پیغمبروں کی ولایت آزادی کے مخالف ہے ۔

وہ آیات کہ جن میں رسول اسلام کے تسلط کا انکار کیا گیا ہے وہ کفار کے اسلام قبول کرنے سے پہلے نازل ہوئی تھیں جن میں کہا گیا ہے کہ رسول ان کو طاقت کے زور نپر اسلام قبول نہ کروائیں یعنی آنحضرت کفار پر تسلط نہیں رکھتے، در حقیقت ان آیات کے مطابق احکام الہی میں عمل کی آزادی اسلام لانے سے پہلے ہے ورنہ تو اسلام قبول کرنے والے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیغمبر اور دوسرے اسلامی احکام کی پیروی کریں اور اس کا وظیفہ ہے کہ تمام اسلامی احکامات کی رعایت کریں،اسلامی اور الہی قوانین کی توہین نیز دین کی توہین یا تجاہر بہ فسق (کھلے عام گناہوں کا مرتکب ہونا ) کرنے والوں کا شدت سے مقابلہ کرتی ہے یہ در حقیقت جامعہ پر اسلامی حکام کی ولایت ہی تو ہے کہ جو ان کو موظف کرتی ہے کہ ایمان اور اسلام کے تمام لوازمات پر مؤید ہیں وہ اسلام ہے جو خود انھوں نے اپنی مرضی سے قبول کیا ہے ۔

6۔مذکورہ شبہ غیر مذہبی طریقہ سے

اب تک اس شبہ کے جواب میں بحث کی گئی ہے جو قرآنی اور دینی لهجہ میں تھا، اور یہ شبہ اس شخص کی زبان سے تھا جو خود مسلمان اور دیندار کہلاتا ہے، اور آیات قران کو دلیل بناتا ہوا یہ نتیجہ اخذ کرتا تھا کہ اسلام کو الزام آور فرمان نہیں دینا چاہیے، یعنی اسلام کو لوگوں کی زندگی میں دخالت نہیں کرنا چاہیے کیو نکہ یہ دخالت خود اسلام کی قبول کردہ آزادی کے خلاف ہے۔

اس وقت اس اعتراض کے بارے میں بحث کرتے ہیں کہ جو غیر مذہبی طور پر کیا جاتا ہے، اس اعتراض میں شبہ کرنے والے کی یہ فکر ہے کہ اسلام کے الزام آوراحکام اور اس کی اطاعت و پیروی کو جوہر انسانیت سے نا سازگار اور منافی قرار دے، اگرچہ یہ شبہ چند طریقوں سے کیا گیا ہے، ہم یہاں پر بعض طریقوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

منطق کی اصطلاح میں''اختیار'' انسان کی فصل اور مقوم ہے اور اسی سے جوہر انسانیت کی وجود پاتا ہے، لہٰذا اگر ہم انسان سے اختیار اور اس کی آزادی کو سلب کرلیں اور اس کو مجبور کریں تو گویا ہم اس سے انسانیت کو سلب کررہے ہیں اور گویا اس کو ایک حیوان کی مانند قرار دے رہے ہیں،اور اس کی گردن میں لگام ڈال کر ادھر اُدھر کھینچ رہے

ھیں، لھٰذا انسان کی اھمیت اس چیز کا تقاضا کرتی ھے کہ اس کو ”حق انتخاب“ دیں، اور اسکا نتیجہ یہ ھوگا کہ دین اس کے لئے الزام آور احکام بیان نہ کرے، اور اگر اس کو پیغمبر، ائمہ اور نائبین ائمہ کی اطاعت کے لئے مجبور کرے، تو اس صورت میں انسانیت کااحترام او راس کی اھمیت ختم ھوجاتی ھے اور گویا ھم اس کو حیوان کی طرح قرار دیکر ادھر اُدھر لے جارھے ھیں۔

7۔”ھیوم “کا اعتراضات اور ان کے جوابات

اول: ھم مذکورہ اعتراض کے دو جواب پیش کریں گے اور چونکہ معترض کا اعتراض ھیوم کے اعتراض کی طرح ھے ، ھیوم کا اعتراض یہ ھے کہ عقل نظری ”است ھا“(ھے) کو درک کرتی ھے اور عقل عملی ”باید ھا ونباید ھا“(فلاں چیز ھونی چاھئے اور فلاں چیز نھیں ھونی چاھئے) کو درک کرتی ھے اور چونکہ عقل نظری کا ،عقل عملی سے کوئی ربط نھیں ھے لھٰذا عقل عملی کی درک شدہ چیزووں (بایدھا ونباید ھا) کو عقل نظری کی بنیاد قرار نھیں دی جاسکتی۔

ھیوم کا اعتراض مغربی فلاسفہ کی قابل توجہ قرار پایا اور انھوں نے اس کو بھت سی علمی چیزوں کی بنیاد قرار دیا، جمھوری اسلامی ایران کے انقلاب کے بعد بھت سے مغربی دانشمندوں نے یہ اعتراض کیا کہ ھم ”است ھا“ سے ”باید ھا“کا نتیجہ نھیں نکال سکتے مثلاً اگر کوئی شخص ایک خاص صفت رکھتا ھے تواسکا نتیجہ یہ نھیں لیا جاسکتا ھے کہ اس طرح ھونا چاھئے یا نہ ھونا چاھئے، کیونکہ ”است ھا“ کی درک کرنے والی عقل نظری ھے اور ”باید ھا“ کو درک کرنے والی عقل عملی ھے، جبکہ ان دونوں میں کوئی ربط نھیں ھے۔

ھیوم کے اس اعتراض کو ماننے والے یہ کھتے ھیں: لوگوں کو کسی کام پر مجبور کرنا ان کی انسانیت کے خلاف ھے، لھٰذا دین کو الزام آور احکامات پیش نھیں کرنا چاھئے، کیونکہ انسان مختار اور آزاد ھے ، پھلے یہ کھتے ھیں کہ انسان مختار ھے لھٰذا اس کو آزاد رھنا چاھئے ، اور اس کو مجبور نھیں کیا جانا چاھئے اس بناپر انسان کے مختار ھونے سے کہ جو ”است ھا“ میں سے ھے اور جس کو عقل نظری درک کرتی ھے ”باید ونباید“ کہ جس کو عقل عملی درک کرتی ھے کا نتیجہ لیتے ھیں اور ان کی بنیاد یھی تناقض ھے کہ جس کو وہ خود قبول کرتے ھیں کہ ”است ھا“ کے ذریع ”باید ھا“کا نتیجہ نکلے۔

البتہ ھمارا عقیدہ یہ ھے کہ اگر است ھا کسی چیز کی علت تامہ ھو تو اس وقت اس کا نتیجہ باید ھا لیا جاسکتا ھے لیکن یہ نتیجہ ھماری بحث میں نھیں لیا جاسکتا، کیونکہ انسان کا مختار ھونا ، اس کے مکلف ھونے کی علت تامہ نھیں ھے، بلکہ اختیار تکلیف کے لئے راہ ھموار کرتا ھے، اور کسی کام پر تکلیف اور اس پر مجبور کرنا یا کسی کام سے روکنا کسی خاص مصلحت یا مفسدہ کی وجہ سے ھوتا ھے جس کے ضمن میں کام ھوتا ھی ھے، لھٰذا کسی کام پر مجبور کرنے میں اس کی مصلحت چھپی ھوتی ھے اور کسی کام سے روکنے میں اس کا ضرر اور نقصان پوشیدہ ھتا ھے۔

8۔دوسرا جواب: آزادی مطلق اور لامحدود نھیں ھے

اگر ھم اس شبہ کو مان بھی لیں اور کھیں کہ چونکہ انسان مختار ھے لھٰذا اس کو کسی کام پر مجبور نھیں کیا جاسکتا اور کوئی بھی حکومت انسان کے لئے الزامی احکام نافذ نھیں کرسکتی کیوں کہ انسان آزاد ھے جس طرح چاھے عمل کرے اور آزادی کا سلب کرنا ھے اور آزادی کا سلب کرنا یا انسانیت کا سلب کرنا لھٰذا کوئی بھی قانون قابل اعتبار نھیں ھے اور جنگلی راج اور عسر و حرج کو قبول کرلیں۔

لیکن ھم یہ عرض کریں گے کہ کس چیز کے الزام اجبار ھی کے ذریعہ قانون قانون ھوسکتا ھے قانون اس وقت قانون ھوگا کہ جب اپنے ھمراہ الزام و اجبار لیے ھو کوئی بھی محکمہ ھو جب اس کے قوانین اور دستورالعمل کو قبول کرلیا جائے تو اس کو ھر حال میں عمل کرنا ھی ھوگا یہ نھیں ھوسکتا کہ قانون تو قبول کرلے لیکن اگر وہ قانون اس کے نقصان کا باعث ھو تو اس پر عمل نہ کرے اور اپنے نفع نقصان کے بارے میں سوچے اس طرح تو وہ نظام محکمہ چل ھی نھیں پائے گا اور اس محکمہ کا دیوالیہ نکل جائے گا جب تک قانون قانون بنانے والے کی نظر میں مقید ھے سب لوگ اس کی اطاعت کریں یھاں تک کہ اگر اس قانون میں کوئی خامی ھو تو اس کی تلافی کرنا قانون گذار کی ذمہ داری ھے ، اور دوسروں کو قانون میں خامی کا بھانہ بناکراور اس پر عمل کرنے سے فرار کرنے کا کوئی حق نھیں ھے۔

9۔حاکمیت اور انسان کے خلیفۃ اللّٰھی عظمت کے درمیان تعارض ایک شبہ

ایک دوسرا شبہ یہ کھا جاتا ھے کہ انسان قرآن کے مطابق خلیفہ اللہ ھے اس کے معنی یہ ھیں کہ انسان روئے زمین پر خدا کا جانشین ھے اور خدا کی طرح عمل کرتا ھے جس طرح خدا نے اس دنیا کو خلق فرمایا ھے اس طرح انسان بھی بھت سی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

چیزوں کو پیدا کرے اور جس طرح خدا وند عالم اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتا ھے تو انسان بھی جس کے اختیار میں زمین ھے وہ بھی اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے۔

اعتراض کا جواب

اس اعتراض کا جواب یہ ھے کہ پہلے خلافت الھٰی کے معنی صحیح طرح سے سمجھ لیے جائیں اور توجہ رھے کہ جس معنی میں حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ اللہ کہا گیا ھے

خدا وند عالم اس سلسلہ میں ارشاد فرماتا ھے:( وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلاَئِکَةِ اِنِّیْ جَاْعِلٌ فِی الأَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِیْهامَنْ یُفْسِدُ فِیْها وَیُفْسِکُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّی أَعْلَمُ مَالاَتَعْلَمُوْنَ )(14)

”یاد کیجئے اس وقت کو جب آپ کے پروردگار نے ملائکہ سے کہا میں روئے زمین پر جانشین (نمائندہ )بنانے والا ھوں تو اس وقت فرشتوں نے کہا کیا تو ایسے کو خلیفہ اور جانشین بنائے گا جو زمین پر خونریزی و فساد برپا کرے ھم تیری تسبیح و تحلیل کرتے ھیں تب اس وقت خدا وند عالم نے فرمایا جو میں جانتا ھوں تم نہیں جانتے “

یہ مقام تمام اولاد آدم کے لئے نہیں ھے کیوں کہ قرآن بعض اولاد آدم کو شیطان کہتا ھے ارشاد ھوتا ھے :

(وَکَذَالِکَ جَعَلْنَالِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوّاً شَیَاطِیْنَ الإِنْسِ وَالْجِنِّ )(15)

”اور(اے رسول) جس طرح یہ کفار تمھارے دشمن ھیں اسی طرح (گویا) ھم نے (خود آزمائش کے لئے) شریر آدمیوں اور جنوں کو ھر نبی کا دشمن بنایا“اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطان ان افراد میں نہیں ھے کہ جس کو ملائکہ سجدہ کرتے

اس موقعہ پر خداوند عالم ارشاد فرماتا ھے :

(وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَراً مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاءٍ مَسْنُوْنَ فَإِذَا سَوَّیْتُہ وَنَفَخْتُ فِیْہ مِنْ رُوْحِی فَقَعُوْا لَہ سَاجِدِیْنَ)(16)

”اور (اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک آدمی کو خمیر دی ھوئی مٹی سے جو سوکہ کر کھن کھن لولنے لگے پیدا کرنے والا ھوں تو جس وقت میں اس کو ھر طرح سے درست کرچکوں او راس میں اپنی (طرف سے ) روح پھونک دوں تو سب کے سب اس کے سامنے سجدہ میں گرپڑنا“

خلیفة اللہ ھونا بھت سے اھم شرائط رکھتا ھے جن میں سے کچھ شرائط مندرجہ ذیل ھیں :

1۔اسماء کا علم

(وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ کُلَّها ) (17)

”اور (آدم کی حقیقت ظاھر کرنے کی غرض سے) آدم کو سب چیزوں کے نام سکھادئے“

2۔اللہ کا خلیفہ روئے زمین پر عدالت و انصاف کو جاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ھو

لھٰذا وہ انسان جس کی عادت قتل و غارت اور خونریزی ھو اور کوئی بھی ظلم کرنے سے نہ گھبراتا ھو وہ خلیفہ اللہ نہیں ھوسکتا (معاذاللہ ) کیا خدا وند عالم ظالم ھے کہ اس کا خلیفہ اور جانشین بھی ظالم ھو ؟اللہ کا خلیفہ وہ ھے جو اپنی فردی اور اجتماعی زندگی میں خدائی حفاظت کا اظہار کرے نہ یہ کہ جو دو پیروں سے انسانی شکل میں چلتا ھو وہ خلیفتہ اللہ ھے لھٰذا وہ افراد جو لوگوں کو گمراہ کرنے اور حکومت اسلامی کو درھم و برھم کرنے میں لگا ھو وہ افراد نہ یہ کہ اشرف المخلوقات نہیں ھیں بلکہ انسانی شکل میں شیطان ھیں جن کو خدا وند عالم حیوانوں سے بھی بدتر کھتاھے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ھوتا ھے:

(إِنَّ شَرَّ الدَّوَابُّ عِنْدَ اللّٰہ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ )( 18 )

”اس میں شک نہیں کہ زمین پر چلنے والے تمام حیوانات سے بدتر خدا کے نزدیک وہ بھر ے گونگے (کفار) ھیں جو کچھ نہیں سمجھتے“

معترض کھتا ھے کہ انسان کی عظمت و بزرگی اس کے کردارسے ھے اور جو چیز یں انسان کی آزادی میں مانع ھوں وہ قابل قبول نہیں ھے یہ ایک دھوکہ والانعرہ ھے جو مغرب زمین میں لگایا جاتا ھے اور دوسرے ملکوں میں بھی اسے قبول کیا جاتا ھے جبکہ اس کے لوازمات اور اثرات پر توجہ نہیں کی جاتی اور نعرہ پر پا فشاری کی جاتی ھے بے شک اس نعرہ کے جوابمیں کہ جس میں بھت سے اغراض و مقاصد پوشیدہ ھیں ایک تفصیلی بحث کی ضرورت ھے اور انشاء اللہ بعد میں اس سلسلہ میں بحث کی جائے گی لیکن اس وقت االجمالی طور پر یہ سوال کرتے ھیں کہ انسان کے مطلق طور پر آزاد ھونے کا مقصد کیا ھے اور کسی محدود یت کے قائل نہ ھونے سے آپ کی مراد کیا ھے ؟ کیا آپ کا مقصد یہ ھے کہ انسان

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے لئے کوئی بھی قانون ضروری نہیں ھے ؟
اس کو تو کوئی بھی عاقل انسان قبول نہیں کرسکتا کیونکہ اس کا مطلب یہ ھے کہ انسان ھر کام میں آزاد ھے اور جوآزاد ھے وہ کسی کو قتل بھی کرسکتا ھے کسی کی عزت بھی لوٹ سکتا ھے لوگوں میں نا امنی بھی پھیلا سکتا ھے اس میں کوئی شک نہیں کہ سب سے نقصان یا ضرر خود اس نظریہ رکھنے والے کو پھونچ سکتا ھے اور کیا ایسی آزادی رکھنے والوں کے درمیان زندگی بسر کی جاسکتی ھے ؟ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی آزادی نا محدود نہیں ھے اور اور انسان ایسا آزاد نہیں ھے کہ جو بھی چاھے اسے انجام دے اب جبکہ روشن ھوچکا ھے کہ آزادی محدود اور مشروط ھے اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ آزادی کے حدود کو کون معین کرے ؟ اور آزادی کی حد کہاں تک ھے ؟
اور اگر طے یہ ھو کہ ھر انسان آزادی کی حد کو معین کرے تو اس کا نتیجہ بھی آپ کے سامنے ھے کہ ھر انسان اپنی مرضی سے عمل کرے اور یہاں پر یہ اعتراض ھوتا ھے کہ جو مطلق آزادی پر ھوتا ھے لہٰذا ضروری ھے کہ آزادی کی حد کو معین کرنے کے لئے ایک قانونی مرجع ھونا چاھئے اس صورت میں اگر کوئی قبول کرتا ھے کہ خدا ھے اور انسان کے لئے نفع و نقصان کو خود اس سے بہتر جانتاھے اور انسان کی زندگی سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پھنچتا ھے اور وہ تو صرف اپنے بندوں کی بھلائی چاھتا ھے تو ایسے شخص کے لئے آزادی کی حد کو بیان کرنے کے لئے خدا کے علاوہ دوسرا کون ھوسکتا ھے ؟ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے اعتقادی اور فکری مسائل میں کوئی تناقض نہیں ھے کیونکہ مسلمان اس خدا کو مانتے ھیں کہ جو انسان کے لئیے نفع ونقصان کو خود اس سے بہتر جانتا ھے اور بہتر طور پر جانتا ھے کہ انسان کی بھلائی کس چیز میں ھے لہٰذا وہ اس آزادی کی حد کو بیان کرے لیکن اگر کوئی خدا پر ایمان نہ رکھتا ھو یا اگر خدا پر ایمان تو ھو لیکن اس کو آزادی کی حد معین کرنے والا نہ مانے اور یہ کھے کہ انسان خود آزادی کی حد کو معین کرسکتا ھے تو ایسی صورت میں ھزاروں مصیبتوں میں مبتلا ھوجائے گا کیونکہ تمام انسان ایک نظریہ پر متفق نہیں ھوپائینگے اور اگر اکثریت نے آزادی کی حد کو معین کیا اور اقلیت نے اس کو قبول نہ کیا وہ کس طرح اپنے حقوق تک پھونچ سکتے ھیں لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ اگرچہ آزادی ایک خوبصورت اور دل پذیر لفظ ھے لیکن مطلق اور لا محدود نہیں ھے اور کوئی بھی مطلق آزادی کو قبول نہیں کرسکتا۔

حوالے


(1)سورہ غاشیہ آیت21، 22
(2)سورہ انعام آیت 107
(3)سورہ مائدہ آیت 99
(4)سورہ انسان آیت 76
(5) سورہ کھف آیت 28
(6)سورہ احزاب آیت 36
(7) سورہ مائدہ آیت 55
(8) سورہ احزاب آیت 6
(9)سورہ یونس آیت 99
(10)سورہ نساء آیت 150و151
(11 (سورہ نساء آیت 65
(12 )سورہ نساء آیت 105
(13)سورہ آل عمران آیت 7
(14)سورہ بقرہ آیت 30
(51) سورہ انعام ؛آیت 112
(16)سورہ حجرآیات 29و 30
(17)سورہ بقرہ آیت 31
(18)سورہ انفال آیت 22


Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

چھٹا جلسہ

**اسلام میں آزادی (2)**

1-تاریخ انسان میں تحویل و تحول کی بنا پر ایک شبہ
یہ شبہ انسانی تاریخ، تمدن اور کلچر کے تحول و تبدل نیز اجتماعی نظام میں تغییر و تبدیلی کی بنا پر ہوتا ہے، اور یہ طے شدہ بات ہے کہ انسانی اجتماعی زندگی مختلف مرحلوں سے گذری ہے، اور ایک زمانہ میں ''غلامی'' کا مسئلہ رائج تھا، اور انسانی کی ترقی اسی میں سمجھی جاتی تھی کہ کمزور اور ناتوان لوگ دوسروں کی غلامی کریں، اور ان کی ہر ممکن خدمتگذاری کرتے رھیں، ظاھر سی بات ہے کہ اس زمانے میں انسان و خدا جیسا غلام اور آقاکے درمیان ھوتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں یہ رائج تھا کہ بعض طاقتور لوگ مولا اور آقا اور بعض کمزور لوگ ان کے بندے اور غلام بن کر رھیں، اور انسانوں کے درمیاں رابطہ بھی عبد اور آقا کے لحاظ سے سمجھا جاتا تھا، اس بنا پر جس طرح ضعیف اور کمزور لوگ عبد اور بندے اور ذلیل و پست سمجھے جاتے تھے، اس طرح لوگ خدا کے عبد اور بندے سمجھے جاتے تھے، اور خداوند ان کا مولا و آقا، آج جب بندگی اور غلامی کا دور ختم ھو چکا ہے، لھٰذا اس وقت کا قیاس اور معیار اس زمانے میں نہیں لانا چاھئیے-
آج انسان کسی بھی زبردستی کو قبول نھیں کرتا، اور اپنے کو آقا سمجھتا ہے نہ کہ بندہ، لھٰذا ھمیں یہ نہیں کھنا چاھیے کہ ھم بندہ ھیں اور خدا مولا، آج ھم خود کو اللہ کا خلیفہ مانیں، اور جو خداکا جانشین ھو اس کو بندگی کا احساس کیسا، گویا خداوند عالم سے خدائی ختم ھو چکی ہے اور یہ حضرت اس کی مسند پر بیٹھے ھوئے ھیں، اور جو چاھیں کریں جس طرح کوئی حاکم کسی کو اپنا قائم مقام بنائے تو وہ اس کے تمام اختیارات کا مالک بن جاتا ہے، اور اس کے کام کے کام ھوتے ھیں اور ان کے درمیان حاکم و فرمانبردار کا رابطہ نھیں ہے، اور قائم مقام کے کاموں کی کوئی باز پرس نھیں ھونا چاھیے-
اس زمانہ میں جبکہ ماڈرن اور جدید تمدن کا دور دورا ہے، اور ھماری زندگی ایک بلند مرتبہ پر پھونچ چکی ہے تو ھم بندگی اور غلامی کی زندگی کے احکام (اطاعت و فرمانبرداری) کو قبول نھیں کر سکتے، اور آقا و مولیٰ کے پیچھے پیچھے گھومتے رھیں، تکلیف اور اطاعت کا زمانہ پیچھے رہ گیا ہے، اور اگر قرآن میں تکالیف اور دوسرے فرمان موجود ھیں تو وہ غلامی کے زمانے کے ھیں، کیونکہ جس وقت رسول اکرم مبعوث ھو ئے، غلامی کا زمانہ تھا، اور اسلام کا پھلا دور، خدا ورسول اور لوگوں کے درمیان رابطہ کیلئے مناسب تھا-
کبھی یہ کھا جاتا ہے کہ انسان تکلیف کا طالب نھیں ہے، لیکن حقوق کا طالب ہے اور اس کے ذھن میں کبھی یہ نھیں آتا کہ اس پر کوئی فریضہ اور ذمہ داری ہے، تاکہ ان کو انجام دے سکے، انسان کو چاھئیے کہ وہ خدااور دوسروں سے اپنے حقوق کو حاصل کرے-
خلاصہ یہ کہ جو لوگ پیغمبر، آئمہ اور ان کے جانشینوں کی اطاعت کا دم بھرتے ھیں یہ چودہ صدی پھلے کسی اجتماعی زندگی کا تھا، جبکہ آج کی اجتماعی زندگی بالکل بدل چکی ہے، اور فرائض اور ذمہ داری کی کوئی بات نھیں کرتا بلکہ انسانی حقوق کی باتیں ھوتی ھیں، انسان کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ تجھے یہ حق ہے کہ جس طرح بھی چاھے زندگی کرے، تجھے اپنی مرضی کے مطابق کپڑے پھننے کا حق ہے، اور جس طرح بھی چاھے اجتماعی زندگی کو بسر کرے-

2-ھمارا جواب
ھم مذکورہ اعتراض کا جواب ''تکوینی'' اور ''تشریعی'' لحاظ سے پیش کرتے ھیں، کیونکہ ھمارے سامنے دو مقام ھیں: تکوینی مقام، تشریعی مقام، بعبارت دیگر مقام واقعیت اور ''ھست ھا''(ہے) اور دوسرے مقام تکلیف ''بایدھا'' (ھونا چاھیے) یعنی عالم واقعیات ، اور عالم ارزشھا (قیمت اور اھمیت) (اگرچہ مذکورہ الفاظ کے ایک ھی معنی ھیں، البتہ مختلف لوگوں کو سمجھانے کیلئے مختلف الفاظ ھیں) اب ھمیں یھاں دیکھنا ہے کہ تکوینی لحاظ سے ھماری خدا سے کیا نسبت ہے، کیونکہ اگر کوئی خدا کو مانتا ھی نہ ھو، تو اس کی نظر میں خدا سے کوئی نسبت بے فائدہ ہے-
لیکن اگر کوئی شخص خدا پر اعتقاد رکھتا ھو یا کم سے کم یہ قبول کرتا ھو کہ اس کا پیدا کیا ھوا ہے، اور خدا کی خالقیت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو قبول کرتا ھے (خدا کو ماننے کا یہ سب سے کم درجہ ھے) اور اپنے کو خدا کی مخلوق جانتا ھو، البتہ خدا کی خالقیت پر اعتقاد رکھنے سے انسان موحد (خدا کو ایک مانے والا) نہیں بنتا، لہٰذا خدا کی تکوینی اور تشریعی ربوبیت کا قائل ھونا ضروری ھے، توحید در خالقیت کی بنا پر کسی کا یہ کہنا کہ وہ خدا کا بندہ اور اس کا مملوک نہیں ھے خود اس کے خداوند عالم کی خالقیت کے اعتقاد سے ٹکراتا ھے، توحید کا پہلا قدم اپنے کو خدا کی مخلوق تسلیم کرنا ھے، اور ھمارا وجود خدا کا عطا کردہ ھے، اور یہ وھی عبودیت ھے، عبد یعنی مملوک، دوسری کی ملکیت ھونا، لہٰذا اگر کوئی اپنے کو مسلمان اور خدا کا معتقد کھلاتا ھے ، لیکن اپنے کو خدا کی عبودیت اور مملوکیت نہیں مانتا، گویا اس کی گفتگو میں واضح تناقض ھے، کیونکہ خدا پر اعتقاد ھونے کا لازمہ یہ ھے کہ ھم خود کو اس کی مخلوق، عبد اور مملوک سمجھیں، اس وجہ سے تمام مسلمان اپنی بہترین عبادت نماز میں کہتے ھیں "اشھد انّ محمدًا عبد ہ و رسولہ" اور یہ بات مسلّم ھے کہ انسان کیلئے سب بہترین عظمت اور مقام خدا کا بندہ ھونا ھے، اس وجہ سے خداوند عالم ارشاد فرماتا ھے:

(سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرٰی بِعَبْدِہ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصا-)(1)

"وہ خدا (ھر عیب سے) پاک وپاکیزہ ھے جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ( آسمانی مسجد) تک کی سیر کرائی"

جی ھاں! خدا کی بندگی اور اس کی عبودیت کی اھمیت کے پیش نظر قرآن میں اس خوبصورت لفظ "عبد" اور اس کے دوسرے مشتقات کو استعمال کیا گیا ھے، اور انسان کیلئے بہترین اور بلند درجہ کو "عبودیت" شمار کیا گیا ھے:

( یَا أَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ اِرْجِعِی اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَرْضِیَّۃً فَادْخُلِی فِی عِبَادِی)(2)

)"اور کچھ لوگوں سے کھے گا) اے اطمنان پانی والی جان اپنے پر وردگار کی طرف پلٹ آتو اس سے خوش ھے وہ تجہ سے راضی ھے تو میرے (خاص بندوں میں شامل ھوجا"

تشریعی لحاظ سے دوسرا جواب

دوسرا جواب تشریعی لحاظ سے یہ ھے کہ انسان کا آزاد ھونا اور قانون ذمہ داری قبول کرنا آپس میں سازگار نہیں ھے کہ جس کا نتیجہ وحشت ، ظلم و بربریت اور عسرد حرج ھے، اور یہ نتیجہ نکالنا کہ انسان آزاد ھے جس طرح چاھے عمل کر سکتا ھے، اگرچہ اس نے اس قانون کو ووٹ دیا ھو لیکن اس پر عمل کرنے سے انکار کرے،ایسا تو جنگل میں بھی نہیں ھوتا کیونکہ وھاں پر بھی حیوانوں کے عمل کرنے کے لئے خاص قوانین ھوتے ھیں -

لہٰذا جب ھم تمدن اور مدنیت کا دم بھرتے ھیں تو ھمیں قبول کرنا پڑے گا کہ مدنیت کا سب سے پھلا رکن یہ ھے کہ انسان قوانین پر عمل کرنے کا ذمہ دار ھے، اور ذمہ داری اور مسئولیت کو قبول نہ کرنے سے نہ صرف یہ کہ تمدن جدید کا ادعا نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اپنے کو وحشی گری کی سب سے نیچی کھائی میں غلطاں پائیں گے-

دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جائے کہ انسان کی فصل مقوم عقل ھے، اور عقل کا حکم یہ ھے کہ انسان ذمہ داری کو قبول کرے، اور خدا امور کو انجام دینے کا مکلف سمجھے اور بعض چیزوں سے پرھیز کرے، لہٰذا اگر کوئی محلہ اور سڑک پر اپنی مرضی کے مطابق کپڑے پھنے یا لوگوں کے سامنے برھنہ آئے اور جو بھی منہ میں آئے وہ کھتا پھرے، تو اس صورت میں کیا کوئی اس کو عاقل تصور کر سکتا ھے؟ یا اس کو وحشی اور دیوانہ کھا جائے گا؟ اور اگر کوئی اس سے سوال کرے کہ تم ایسے کام کیونکرتے ھو؟ اب اگر اس کے جواب میں کھے کہ میں چونکہ آزاد ھوں اور آزادی مقوم انسان ھے،لہٰذا میں اپنی مرضی کے مطابق جو چاھوں کروں، توکیا کوئی انسان اس کی ان باتوں کو قبول کر سکتا ھے؟

لہٰذا چونکہ انسان کی فصل مقوم عقل ھے، اور اس کا عقلی لازمہ یہ ھے کہ انسانی ذمہ داری اور قانون کو قبول کرے، کیونکہ اگر قانون نہ ھو تو مدنیت نہیں ھو سکتی، اور اگر مسئولیت اور ذمہ داری نہ ھو تو انسانیت بھی نہیں آسکتی، انسان کے آزاد ھونے کا مطلب یہ ھے کہ انسان تکویناً انتخاب کی قدرت رکھتا ھے، نہ کہ تشریعاً قانون اور الزام آور اور امکانات کو قبول نہ کرے، اور اپنی اجتماعی زندگی میں کسی حد وحدود کا قائل نہ ھو، پس نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کو یہ نہیں سوچنا چاھیے کہ دین کی ولایت آزادی کے مخالف ھے کیونکہ انسان کی فصل مقوم آزادی ھے جس سے انسان کا خدا کا جانشین ھونا لازم آتا ھے-!

3-گذشتہ اعتراض، ایک دوسرے لحاظ سے

بعض لوگوں کا کھنا یہ ھے کہ چونکہ انسان کی زندگی میں مختلف طریقوں سے ترقی اور پیشرفت ھوتی ھے، اور جیسا کہ انسانی جدید تمدن میں نئے طریقہ کی نظریات اور تفکرات پیدا ھوئے ھیں،ایسی صورت میں دین کو انسانی حقوق بیان کرنے چاھییں، نہ یہ کہ دین تکالیف اور الزام آور احکامات بیان کرے،گذشتہ زمانے میں چونکہ غلامی ، بردگی اور ظلم و

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جور کا زمانہ تھا اور جو بھی ذمہ داری اور مسئولیت ان کو دی جاتی تھی وہ اس کو قبول کرتے تھے، لیکن آج وہ زمانہ نہیں ھے آج ھر انسان اپنے کوآقا سمجھتا ھے، آج انسان ذمہ داری کو قبول نہیں کرتا بلکہ اپنے حقوق لینا چاھتا ھے-
در حقیقت آج کا ماڈرن زمانہ ھمارے اور گذشتہ (غلامی اور بردگی کو قبول کرنے والے) لوگوں میں ایک بھت بڑی دیوار ھے، جس کا تقاضا یہ ھے کہ آج ماڈرن انسان نے گذشتہ زمانے کی طرح ذمہ داری کو قبول کرنے کو بند کر دیا ھے، اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ھے، آج تکالیف اور ذمہ داری کو قبول کرنے کی باتیں کرنا ماضی کی طرف پلٹتا ھے، آج کے اس زمانے نے جس مینحقوق بشر کا نعرہ لگایا جاتا ھے، ڈیموکراسی کی برکت سے انسان کو استشار اور غلامی کی قید و بند سے آزاد کر دیا ھے، آج کا دور وہ دور ھے کہ جس میں جو ادایان تکالیف اور ذمہ داری کی باتیں کرتے ھیں ان کو بالائے طاق رکہ دیا جائے، اور حقوق بشر کا نعرہ لگانے والے دین کو تلاش کیا جاتا ھے-
اعتراض کرنے والے اپنے ھدف اور مقصد تک پھونچنے کیلئے نیز سماج بالخصوص جوانوں کو اپنے طرف جذب کرنے کیلئے ایسی باتیں کرتے ھیں اور مختلف طریقوں کا سھارا لیتے ھیں اور اپنی باتوں کو خوبصورت و دلنشیں انداز اور مختلف طریقوں سے جاشنی لگا کر پیش کرتے ھیں، لیکن ھم ان بے ڈھنگے سوالوں کا صحیح انداز میں جواب پیش کرتے ھیں-

4-ھمارا جواب
معترض کا مطلق طور پر یہ کھنا کہ آج کا انسان اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ھے، تکالیف و ذمہ داری کا مطالبہ نہیں کرتا، یہ بات بیھودہ اور باطل ھے جیسا کہ فلاسفۂ حقوق بھی کھتے ھین! انسان اس وقت کسی چیز کا مستحق نہیں ھوتا جب تک وہ دوسروں کیلئے کوئی کام انجام نہ دے، مثال کے طورپر اگر شھری حضرات کو صاف و سالم ھوا میں رھنے کا حق ھے تو دوسرے لوگوں پر ذمہ داری ھے کہ وہ ھوا کو آلودہ اور خراب نہ کریں، پر دوشن نہ پھیلائیں، اس طرح اگر کسی کو اپنے مال میں تصرف کا حق ھے تو دوسروں پر ذمہ داری ھے کہ اس کے مال میں دست درازی نہ کریں، ورنہ اپنے مال سے کوئی بھی بھرہ مند نہیں ھوسکتا، لھٰذا اگر اس کےلئے کوئی حق ثابت ھوتا ھے تو وہ اس کے بدلہ کوئی کام انجام دے، اگر کسی کو یہ حق ھے کہ وہ سماج کی تیار کردہ چیزوں کو استعمال کرے تو اس کی ذمہ داری ھے کہ وہ بھی کسی طریقہ سے سماج کی خدمت کرے، اور مسئولیت و ذمہ داری کو قبول کرے، اور دوسروں پر بار نہ بنے،لھٰذا حق اور تکلیف ایک دوسرے کے لازم وملزوم ھیں، لھٰذا یہ کھنا کہ انسان صرف حقوق کا طالب ھو، اور تکالیف کو قبول نہ کرتا ھو،یہ بات قابل قبول نہیں ھے-
توجہ رکھنا چاھیے کہ الٰھی اور غیر الٰھی تمام دانشمندان اور فلاسفۂ حقوق نے کلی طور پر ذمہ داری اور مسئولیت کی نفی نہیں کی ھے، بلکہ تکالیف اور ذمہ داری پر یقین رکھتے ھیں، جس سے پتہ چلتا ھے کہ معترض کی تکلیف سے مراد الٰھی تکلیف ھے، جس کا نچوڑ یہ ھے کہ خداوند عالم کو ھم پر تکلیف و ذمہ داری نہیں کرنا چاھیے، ورنہ تو ان کی نظر میں حق کے مقابلہ میں تکلیف ھونے سے گریز نا ممکن ھے کیونکہ تکالیف کو تمام عقلا ء اور دانشمندوں نے قبول کیا ھے ھماری بات کی تائید یہ ھے کہ خود انھوں نے صاف صاف کھا ھے کہ عبد اور مولیٰ کے درمیان رابطہ اور مولیٰ کی طرف سے حکم صادر ھونا اور اس کی اطاعت کا ضروری ھونا غلامی اور بردگی کلچر کے مناسب ھے-

5- خدا کی نافرمانی تاریخ کی نظر میں
صرف آج کا ماڈرن انسان ھی خدا کی اطاعت اور تکالیف سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ تاریخ میں بھت سے ایسے لوگ ھیں جنھوں نے شیطانی وسوسوں کی خاطر خدا کی نافرمانی اور قانون شکنی کی ھے، یہ کھنا کہ:
انسان حقوق کا طالب ھے تکالیف کا نھیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ھے بلکہ شروع ھی میں حضرت آدم (ء)کے فرزند قابیل نے خدا کی معصیت کی اور کھلے عام تکالیف اور الٰھی قوانین سے سرپیچی کی، اور قانون شکنی کرتے ھوئے اپنے بھائی ھابیل کو قتل کرڈالا-
(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَاناً فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْأَخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّکَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ - - - - )(3)
"(اے رسول) تم ان لوگوں سے آدم کے دو بیٹوں (ھابیل وقابیل) کا سچا واقعہ بیان کردوکہ جب ان ددنوں نے خدا کی بارگاہ میں نذر پیش کی تو ان میں سے ایک (ھابیل) کی (نذر تو) قبول ھوآئی اور دوسرے (قابیل) کی (نذر) نہ قبول ھوئی تو (مارے حسد کے ھابیل سے) کھنے لگا میں تجھے ضرورمار ڈالوں گا، اس نے جو اب دیا کہ (بھائی اس میں اپنا کیا بس ھے) خدا تو صرف پرھیزگاروں کی (نذر) قبول کرتا ھے ‘‘

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قرآن مجید میں پیغمبروں کے واقعات اس بات کی حکایت کرتے ھیں کہ اکثر لوگوں نے اپنے زمانے کے بنی کو جھٹلایا، اور نہ صرف یہ کہ ان کی بات پر لبیک نہیں کھا بلکہ ان پر تہمت و بھتان لگاتے تھے اور ان کا مسخرہ کرتے تھے، یھاں تک کہ ان کو قتل بھی کردیتے تھے، یا ان کو شھر بدر کر دیتے تھے اگر کوئی بنی ان کیلئے مفید باتیں بیان کرتا تھا، مثلاً قرآن کے مطابق لوگوں کو کم فروشی سے روکتا تھا،جیسے قرآن کریم میں ارشاد ھوتا ھے:

(لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَائَهمْ - - ) (4)

''اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو'' ان کے جواب میں کھتے تھے:

(قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُکَ تَأْمُرُکَ اَنْ نَتْرُکَ مَا يَعْبُدُ ءَ ابَائُنَا اَوْ اَنْ نَفْعَلَ فِیْ أَمْوَالِنَا مانَشَاءُ - - - -)(5)

''وہ لوگ کھنے لگے اے شعیب کیا تمھاری نماز (جسے تم پڑھا کرتے ھو) تمھیں یہ سکھاتی ھے کہ جن (بتوں) کی پرستش ھمارے دادا کرتے آئے ھیں انھیں ھم چھوڑ بیٹھیں،یا ھم اپنے مالوں میں جو کچھ چاھیں کر بیٹھیں''

ممکن ھے اس موقع پر کوئی کھے کہ تاریخ میں انبیأ و اولیأ الھی کے مقابلے کی وجہ بت پرستی، شرک اور شیطان کی پیروی تھی اور ھمارا کھنا تو یہ ھے کہ انسان کسی بھی معبود کی اطاعت کی طوق اپنی گردن سے نکال دے، اور بتوں اور شیطان کی پیروی بھی نہ کرے، لیکن یہ کھنا بھی اولیأ الٰھی کی نظر میں باطل اور مردود ھے،کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ھے کہ وحی الٰھی کے مطابق انسان ایسے راستہ پر پھونچ جاتا ھے کہ یا خدا کی اطاعت کرے یا طاغوت (شیطان) کی اطاعت کرے، اور وہ کسی کی بھی اطاعت نہ کرے اس کے لئے محال، اور اگرکوئی یہ نعرہ لگائے کہ میں کسی کا بندہ اور غلام نہیں ھوں، در حقیقت ایسا شخص طاغوت اور اپنی ھوائے نفس کا غلام ھوتاھے اس وجہ سے قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:

(اَللّٰہ وَلِیُّ الَّذِیْنَ ءَ امَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلٰی النُّورِ وَالَّذِينَ کَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتَ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ اِلٰی الظُّلُمَاتِ—)(6)

''خدا ان لوگوں کا سرپرست ھے جو ایمان لاچکے کہ انھیں (گمراھی کی) تاریکیوں سے نکال کر (ھدایت کی) روشنی میں لاتا ھے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے سرپرست شیطان ھیں کہ ان کو (ایمان کی) روشنی سے نکال کر (کفر کی) تارکیوں میں ڈال دیتے ھیں''

دوسری جگہ خداوند عالم ارشاد فرماتاھے:

(أَلَمْ أَعْهدْ اِلَيْکُمْ يَا بَنِی آدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّہ لَکُمْ عَدُوٌّ مُبِيْنٌ ، وَاَنِ اعْبُدُونِی هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ--)- (7)

''اے آدم کی اولاد کیا میں نے تمھارے پاس یہ حکم نہیں بھیجا کتھا کہ (خبردار)شیطان کی پرستش نہ کرنا وہ یقینی طور پر تمھارا کھلم کھلا دشمن ھے اور یہ کہ (دیکھو) صرف میری عبادت کرنا یھی (نجات کی) سیدھی راہ ھے ''

اس آیت کا مطلب یہ نہیں ھے کہ اگر شیطان کی عبادت چھوڑ ی جائے تو پھر کسی دوسرے کی عبادت اور اطاعت کی ضرورت نہیں ھے بلکہ اس کو چاھیے کہ خدا کی عبادت کرے، جس طرح کہ کلمہ میں ''لاالٰہ'' کے بعد ''الااللہ'' ھے-

اس بنا پر جن لوگوں نے وحی پر توجہ کی اور خواب غفلت سے بیدار ھوئے وہ اس نتیجہ پر پھونچے کہ اس خدا کی عبادت کریں جو ان کا خالق اور حقیقی مالک ھے، اور جس کے ھاتہ میں ان کی زندگی، موت، جوانی، پیری،اور صحت و سلامتی ھے،اس کی بندگی باعث افتخار ھے، اس کی تکالیف حکمت و رحمت کے سرچشمہ سے صادر ھوتی ھےں،اور ان پر عمل کرنا انسان کیلئے کمال اور سعادت کا باعث ھے-

نتیجہ یہ نکلا کہ تکالیف اور مسئولیت کو قبول نہ کرنا حیوانی درندگی صفت اور شیطانی پیروری کی وجہ سے ھے، کہ جو ھمیشہ تاریخ میں موجود ھے اور آج کے ماڈرن زمانے سے ھی مخصوص نہیں ھے، درحقیقت یہ ماڈرن انسان ھے کہ جس نے مدنیت سے کنارہ کشی اختیارکر لی ھے، اور جاھلیت و وحشیگری کے زمانے کی طرف پلٹ گیا ھے، اور گزشتہ زمانہ کی طرف پلٹ رھا ھے، وگرنہ انبیاء کی تربیت شدہ افراد نے حیوانیت اور وحشیگری سے کنارہ کشی کر لی ھے اور لا قانونیت سے نکل کر قانون، تکالیف اور مسئولیت کو قبول کر کے صحیح معنوں میں مدنیت کو قبول کرچکاھے-

لھٰذا بعض لوگ کس طرح یہ کھہ سکتے ھیں کہ ماڈرن زمانہ اس بات کا تقاضا کرتا ھے کہ انسان کسی بھی ذمہ داری کو قبول نہ کرے! یہ تمدن ھے یا وحشیگری؟ تمدن و محدویت، قانون اور مسئولیت قبول کرنے میں ھے ورنہ وحشیگری سے کوئی فرق نہ ھوگا-

لھٰذا جو لوگ قانون، تکالیف اور مسئولیت کا انکار کرتے ھیں وہ لوگ مدیریت اور وحشیگری کے قدیم زمانے کی طرف پلٹنا چاھتے ھیں اور یہ طے ھے کہ کوئی شخص اس نظریہ کے تحت، مقدس اور خلیفہ اللہ نہیں ھوسکتا، جس سے وہ ھمارے لئے نمونہ عمل قرار پاسکے، (اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ھے کہ مدنیت اور قانون کی طرف مائل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہونا جیسا کہ ہمارے سماج میں رواج پیدا کر چکا ہے، اس کا مطلب مدنیت اور قانون مندی کے کمال پر پہونچتاہے تاکہ کسی بھی جگہ قانون کی خلاف ورزی نہ کی جائے،اور نہ ہی یہ کوئی نیا حادثہ ہوا ہے اورنہ ہی ہمارا سماج انقلاب کے بعد 19 سال تک وحشیگری کا شکار تھا اور آج مدنیت کی طرف مائل ہواہے، بلکہ ہمارا یہ انقلاب مدنیت اور اسلامی تمدن پر استوار ہے، اور انقلاب کے اصل اہداف میں سے ہے کہ تمام مقامات پر الٰھی قوانین کی رعایت کی جائے-)

6-خدا کی اطاعت اور آزادی

انبیاء علیہم السلام لوگوں کو خداپرستی کی دعوت دیتے تھے اور طاغوت کی پیروی سے روکتے تھے اس سلسلے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

(وَلَقَدْ بَعَثْنَافِی کُلِّ اُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّہ وَاجْتَنِبُو الطَّاغُوتَ)( 8)

''اور ہم نے تو ہر امت میں ایک (نہ ایک) رسول اس بات کے لئے ضرور بھیجا کہ لوگو خدا کی عبادت کرواور بتوں (کی عبادت) سے بچے رھو''

اس چیز کے پیش نظر یہ بات قبول نہیں کی ہے کہ اسلام نے انسان کو اپنے علاوہ یہاں تک کہ خدا کی اطاعت سے بھی منع کردیاہے، اور یہ طے ہے کہ جو مذہب ہم کو خدا کی اطاعت کی دعوت نہ دے وہ باطل ہے اور جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا کہ انبیأ علیہم السلام کا مقصد خدا کی مطلق طورپر اطاعت کرنے کی دعوت دیتا ہے، ہماری موت و حیات اسی سے وابستہ ہے

(اِنَّا لِلَّہ وَ اِنَّا اِلَیْہ رَاجِعُوْنَ-)(9)

''ہم تو خدا ہی کے ہیں او رھم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''

ہم خدا کی طرف سے ہیں اور خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے- اب جبکہ ہم نے خداوند عالم کو اپنا مالک حقیقی مان لیاتو پھر کس طرح یہ بات قبول کی جا سکتی ہے کہ خدا کو ھمیں حکم دینے اور فرمان صادر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیا مالکیت اس کے علاوہ ہے کہ مالک جس طرح بھی چاہے اپنی چیز میں تعریف کرے؟ لہٰذا یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ کوئی یہ کہے کہ ہم نے اسلام تو قبول کر لیا ہے لیکن ہم خدا کی بندگی کے قید و بند سے آزاد ہیں، کیونکہ اس طرح کی مطلق آزادی نہ صرف یہ کہ اسلام قبول نہیں کرتا، بلکہ اس کو تو عقل بھی قبول نہیں کرتی-

اسلام آزادی کا نعرہ لگاتا ہے لیکن غیر خدا اور طاغوت کی عبادت و اطاعت سے آزادی و رھائی کا نعرہ لگاتا ہے، خداوند عالم کی اطاعت سے آزادی کا نعرہ نہیں لگاتا، اگرچہ انسان آزاد و مختار پیدا کیا گیا ہے، لیکن تشریعاً و قانوناً خدا کی اطاعت پر مکلف ہے یعنی ھم اپنے ارادہ و اختیار سے خدا کی اطاعت کریں، اور یہ طے ہے کہ خلقت کے اعتبار سے میں ھر مخلوق پر بندگی اور عبودیت کی مھر لگی ہوئی ہے، تکوینی طور پر کوئی بھی مخلوق خدا کی بندگی کے لیبل سے خالی نہیں ہے اور ھر موجود کی پستی اس کی عین بندگی ہے:

(تُسَبِّحُ لَہ السَّمَاوَاتِ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَ مَنْ فِیْھِنَّ وَاِنْ مِنْ شَیْ ءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہ وَلٰکِنْ لَا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ)(10)

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں (سب ) اس کی تسبیح کرتے ھیں اور (سارے جھان) میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے (حمد وثنا) کی تسبیح نہ کرتی ھو مگر تم لوگ ان کی تسبیح نہیں سمجھتے''

اس طرح خداوند عالم دوسرے موجودات کی عبادت اور بندگی کے بارے میں فرماتاھے:

(اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللَّہ یُسَبِّحُ لَہ مَنْ فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالطَّیْرُ صَافَّاتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہ وَ تَسْبِیْحَہ--)(11)-

''(اے شخص ) کیا تو نے اتنابھی نہیں دیکھا کہ جتنی مخلوقات سارے آسمان اور زمین میں ھیں اور پرندے پر پھیلائے (غرض سب ) اسی کی طرح تسبیح کیا کرتے ھیں، سب کے سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ خوب جانتے ھیں''

لیکن چونکہ انسان صاحبِ عقل و خرد ہے، مختار و آزاد خلق کیا گیا ہے، اگرچہ خداوند عالم نے ھدایت و گمراھی کے راستے دکھا دئیے ھیں لیکن اپنے لئے راستہ کے انتخاب میں آزاد ہے جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

(اِنَّا ھَدَیْنَاہ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِراً وَ اِمَّا کَفُوراً--)- (12)

''خواہ شکر گذار ھو خواہ ناشکر ا ''

لہٰذا انسان کو اپنے ھدفِ خلقت کو مدنظر رکہ کر اور اس کو سوچ سمجہ کر خدا کی اطاعت و بندگی میں مشغول رھنا چاھئے، اور خداوند عالم کا تشریعی قانون بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ شیطان اور غیر خدا کی اطاعت میں قدم بڑھائے، بلکہ انسان کو خدا کی اطاعت اور الٰھی تکالیف کو انجام دےنا چاھئے ، کیونکہ خداوند عالم نے اسی مقصد کے تحت اس کو پیدا کیا ہے:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلّا لِيَعْبُدُوْنِ--)(13)
''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ھے کہ وہ میری عبادت کریں''
اور چونکہ خداوند عالم کی عبادت نظام خلقت و ھستی کے ھمنوا ھے اور خداوند عالم کی تکالیف کو انجام دینا اور الٰھی وظیفہ و مسئولیت پر عمل کرنا نیز اس خالق کا شکر ادا کرنا خود ایک مھربانی ھے کہ جو ھم کو حیات و زندگی عطا کرتا ھے اور اس کی عنایت اور لطف و کرم سے ھم کو صحت و سلامتی اور دوسری بہت سی نعمتیں عطا کی گئی ھیں جیسا کہ خداوند عالم حضرت ابراھیم علیھم السلام کی زبانی فرماتا ھے:
(اَلَّذِی خَلَقَنِی فَھُوَ یَھْدِیْنِ، وَالَّذِی ھُوَ یُطْعِمُنِی وَیُسْقِیْنِ، وَاِذَا مَرَضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ، وَالَّذِی یُمِیْتُنِی ثُمَّ یُحْیِیْنِ-)- (14)
''جس نے مجھے پیدا کیا (وھی میرا دوست ھے) پھر وھی میری ھدایت کرتا اور وہ شخص جو مجھے (کھانا) کھلاتا ھے او رمجھے (پانی) پلاتا ھے اور جب بیمار پڑتا ھوں تو وھی مجھے شفا عنایت فرماتا ھے اور وہ شخص جو مجھے ما ڈالے گا اس کے بعد(پھر) مجھے زندہ کرے گا''
کس طرح خدا کی اطاعت سے انکار کیا جا سکتا ھے، اور کیا واقعاً یہ حق وانصاف سے بعید نھیں ھے کہ ھم یہ کھیں کہ اب ماڈرن انسان تکالیف و اطاعت کا تابع نھیں ھے، اور اپنے حقوق کا طالب ھے؟
کیا اسلام اس فلسفہ کو قبول کر سکتا ھے؟ واقعاً ایسے نظریہ کااسلامی ھونا تو دور کی بات،یہ تو عقل اور انسانیت سے بھی خالی ھے-

حوالہ

(1)سورہ اسراء آیت1
(2)سورہ فجر آیت27،29
(3)سورہ مائدہ آیت 27
(4)سورہ ھود آیت 85
(5)سورہ ھودآیت87
(6)سورہ بقرہ آیت2257
(7)سورہ یٰس آیت60،61
(8)سورہ نحل آیت36
(9)سورہ بقرہ آیت156
(10)سورہ اسراء آیت44
(11)سورہ نورآیت41
(12)سورہ انسان آیت3
(13)سورہ ذاریات آیت56
(14)سورہ شعراء آیت78-81




ساتواں جلسہ

**آزادی کے حدود**

1-اسلام کا سیاسی نظریہ اور آزادی کو محدود کرنے کا شبہ
چونکہ ھمارا اسلامی سماج،اسلامی قوانین اور ان متغیر قوانین پر کہ جو اسلامی دائرے میں وضع کئے جاتے ھیں، ادارہ ھوتا ھے لھٰذا ھماری حکومت بھی اسلامی قوانین پر ھونی چاھیے اور قانون کو جاری کرنے والے حضرات اسلامی دائرے


Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سے خارج نہیں ہونے چاہیے اور ہم لوگوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ اسلامی قوانین پر عمل کریں۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نظریہ انسان کی آزادی سے ہم آہنگ بھی ہے یا نہیں؟ انسان اپنی زندگی کے قوانین اور ان کی کیفیت کوطے کرنے میں آزاد ہے، اگر اس سے کہا جائے کہ تمھیں اس دائرے میں چلناھے اور ان قوانین کی رعایت کرنی چاھے توکیا یہ انسان کی اصل آزادی جوانسان کی مسلمہ حقوق میں سے ہے،اس سے منافات تو نہیں رکھتا؟
ہم مندرجہ بالا سوال کو بیان کرنے سے پہلے مقدمہ کے طور پر اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اور اس نکتہ سے ہم کو بعد کی گفتگو میں اس سے استفادہ کرنا ہے، اور یہ نکتہ غور طلب ہے: جس وقت عینی اور انضمامی چیزوں سے ہمارا واسطہ ہوتا ہے،تو ان کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہوتا مثال کے طور پر جب ہم طبیعی علوم میں عینی چیز یں جیسے پانی، بجلی، اٹھنا، بیٹھنا، اسی طرح ڈاکٹری امور میں آنکھ، کان، ھاتھ، پیر، معدھ،دل، جگر کا مشاھدہ کرتے ھیں، تو ان چیزوں کو سمجھنا آسان ہے کیونکہ ھم تمام لوگ سمجھتے ھیں کہ ان الفاظ کے کیا معنی ھیں؟ ھاں بھت کم ایسے مسائل مبھم ھوتے ھیں جن کا سمجھنا مشکل ھوتا ھے جیسے اگر پانی میں مٹی ملی ھو تو کیا پھر بھی پانی ھے یا نہیں؟
لیکن عینی او رانضمامی چیزوں کو سمجھنے میں غالباً کوئی خاص مشکل نہیں ھوتی، لیکن اگر ھمارے سامنے انتزاعی اور کسبی چیزیں ھوں(مثلاً فلسفی مفاھیم یا انسانی علوم مثلاً علم نفسیات،جامعہ شناسی، حقوق اور علوم سیاسی وغیرہ جیسی چیزیں) تو ان کا سمجھنا مشکل ھوتا ھے،اور کبھی کبھی کسی لفظ کے مختلف معنی ھوتے ھیں اور ایک لفظ کے متعدد معنی ھونے کی وجہ سے ان کو سمجھنے میں مشکل ھوتی ھے غالباً ایسے الفاظ کے بارے بحث کے بعد بھی انسان کسی یقینی نتیجہ پر نہیں پھونچتا۔
مثال کے طورپر ھم سبھی لفظ، فرھنگ(کلچر) سے آشنا ھیں اور یہ لفظ مدارس کی مختلف کلاسوں میں استعمال ھوتا ھے، اسی طرح اشعار، ادبیات اور روز مرہ کی گفتگو میں استعمال ھوتاھے، اس کے بعد بھی اگر کسی سے سوال کیا جائے کہ فرھنگ کے کیا معنی ھیں؟ تو شاید ھزاروں مینایک بھی ایسا شخص بھی نہ ملے جو فرھنگ کے معنی کرتے وقت کھے کہ اس لفظ کے ۵۰ سے ۵۰۰ تک معنی ھیں! اور یہ مسلم ھے کہ جب اس مشھور اصطلاح میں اتنا ابھام پایا جاتا ھے تو ظاھر ھے کہ اس ابھام کی وجہ سے بھت سے اجتماعی مسائل بھی تحت تاثیر قرار پائیں گے، اور جب توسعۂ فرھنگی (کلچر کی وسعت) کی بات کی جائے گی تو سوال کیا جائے گا توسعہ فرھنگی یعنی چیست؟ اور اس کے مصادیق کیا ھیں؟ اور کس صورت میں اور کس طرح فرھنگ میں توسعہ ھوتا ھے اور اگر پارلیمنٹ میں توسعہ فرھنگی کیلئے بجٹ پاس کیا جاتا ھے اور اس کو خرچ کرنے کیلئے جگھیں معین کی جاتی ھےں، ھروز اتخا نہ میناس لفظ کے معنی بیان کئے جاتے ھیں اور اس کے خاص موارد مشخص کئے جاتے ھین اور بعض لوگوں کو اس سے غلط فائدہ اٹھانے کا موقعہ مل جاتا ھے۔

2-آزادی کے بارے میں مختلف نظریات
ھم نے جو کچھ انتزاعی اور کسبی الفاظ کے بارے میں عرض کیا کہ جن کے خاص مصادیق بھی نہیں ھیں اور ان کی تعریف و حدو حدود بھی مشکل ھے اس کی وجہ یہ ھے کہ آزادی ایک انتزاعی مفھوم ھے جس کے بارے میں ھمیں بحث کرنا ھے، مثلاً اگر کوئی کھے ”آزادی“ تو سننے والے کو اچھا لگتا ھے، اور آزادی کیلئے تمام ھی مذاھب ، ملت خاص احترام کے قائل ھیں، کیونکہ انسان فطری طور پر آزادی چاھتا ھے، اور بعینہ آزادی کی تلاش میں رھتا ھے۔
اگر کسی انسان سے سوال کیا جائے کہ آپ آذاد رھنا پسند کرتے ھیں یا غلام؟ لا محالہ سبھی حضرات جواب دیں گے: آزاد رھنا، اور کوئی بھی شخص یہ نہیں چاھے گا کہ کسی کا غلام بن کر رھنا پسند نہیں کرےگا، لیکن چونکہ آزادی کے کوئی واضح معنی بیان نہیں ھوتے ھیں، جس کی بنا پر آزادی کا نعرہ لگانے والے افراد جو دینی اختلافات کا شکار ھوجاتے ھیں کوئی کچھ معنی کرتا ھے تو دوسرا کچھ معنی مراد لیتا ھے، ایک شخص جب آزادی کا مطلب بیان کرتا ھے تو دوسرا کھتا ھے ھماری نظر میں آزادی کا مطلب یہ نہیں ھے جو آپ نے بیان کیا بلکہ اس کے معنی یہ ھیں جو ھم کرتے ھیں، اسی طرح دوسرا شخص بھی یھی کھتا ھوا نظر آتا ھے کہ اس بارے میں جو کچھ اب ھماری طرف نسبت دیتے ھیں، وہ ھماری مراد نہیں ھے۔
بلکہ ھماری مراد اس کے علاوہ ھے اگر ھم آزادی کے بارے لکھی ھونی کتابوں، مضامین اور رسالونکا مطالعہ کریں خصوصاًوہ کتابیں جو آخری سالوں میں لکھی گئی ھیں تو ھمیں اندازہ ھو جائے گا کہ مولفین اور صاحب نظر حضرات کے دھیان آزادی کا کوئی مشخص و معین معنی نہیں ھے، ایک شخص آزادی کا کچھ معنی کرتا ھے اور اسی کا دفاع بھی کرتا ھے، تو دوسرا شخص اس نظریہ کی تنقید کرتا ھوا ایک دوسرا معنی کرتا ھے، اور ظاھر میں بات ھے کہ اس قدر اختلاف کے باوجود آپس میں کوئی سمجھوتا نہیں ھوسکتا۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لہٰذا تفاھم اور سمجھوتے کیلئے آزادی کی ایک مشترک تعریف کی جانا ضروری ھے، تاکہ بحث کسی نتیجہ پر پھونچ سکے، اگر ھم سے کوئی سوال کرے کہ آزادی اور اسلام میں سازگاری ھے یا نھیں تو ھم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ پھلے ھمیں آزادی کو سمجھنا پڑے گا، کہ آزادی کے معنی کیا ھیں، (اور جیسا کہ مغربی مولفین نے آزادی کے بارے میں حدوداً ۲۰۰ تعریف بیان کی ھیں اگرچہ ان میں سے بھت سی تعریفیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ھیں،صرف ایک یا دو الفاظ کی وجہ سے اختلاف پایا جاتا ھے، لیکن ان مقامات پر یہ تعریفیں ایک دوسرے کے منافی(اپوزٹ) ھینتو اس طرح کے اختلافی موارد میں کس طرح یہ فیصلہ کیا جا سکتا ھے کہ آزادی اسلام سے سازگار ھے یا نھیں؟

آزادی کی طرح ''ڈیمو کراسی'' (جمھوریت) بھی ھے یہ ایک مغربی اصطلاح ھے جس کے معنی مردم سالاری، حکومت یا لوگوں کی حکومت کئے جاتے ھیں، لیکن پھر بھی اس کے کوئی خاص اور معین معنی موجود نھیں ھیں، اس میں یہ معین نھیں ھے کہ ڈیمو کراسی ایک حکومت ھے یا اجتماعی زندگی کا ایک طریقہ ھے؟ کیا اس کا تعلق حکومتی اور سیاسی مسائل سے ھے ؟ معاشرہ شناسی یا مدیریت سے اس کا ربط ھے؟ یہ جامعہ شناسی سے مربوط ھے یا اس کا ربط مدیریت سے ھے، اس سلسلے میں بھی بھت بحثیں ھوچکی ھیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کردیا جائے کہ ایسے الفاظ کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا بھی مشکل میں اضافہ کرتا ھے-

اس طرح لفظ ''لیبرالیسم'' بھی ھے کہ جس کا ترجمہ پھلے ''آزادی خواھی'' ھوتاتھا اور آزادی خواھی لفظ آزادی کی وجہ سے بھت جذّاب اور خاص اھمیت کا حامل تھا اور اس بنیاد پر آخری دھائیوں میں شاہ کی پھلوی حکومت ''آزادی خواہ پارٹی'' کا نام اپنائے ھوئے تھی-

لہٰذاچونکہ اس طرح کے انتزاعی مفاھیم اچھی طرح واضح نھیں ھوتے ان سے بحث کرنا مشکل ھوتا ھے، کیونکہ واضح نہ ھونے کی بنا پر مطلب مشکل ھوجاتا ھے،اور قطعی طور پر ان کے معنی کی حد بیان کرنا مشکل ھوتا ھے اس طرح کے الفاظ کی کوئی خاص حد نھیں ھوتی، کبھی ان الفاظ کی حد کم ھوجاتی ھے اور کبھی بڑہ جاتی ھے اور ظاھر سی بات ھے کہ ان مشکلات کی وجہ سے بحث بھی پیچیدہ ھوجاتی ھے-

لفظِ آزادی کے بارے میں ان مشکلات، ابھامات اور مختلف نظریات (جیسا کہ ۲۰۰ سے زائد تعریفیں بیان کی گئی ھیں) کے پیش ِ نظر اگر ھم اسلامی لحاظ سے آزادی کو سمجھیں اور الگ الگ تعریفوں کو اسلام کے ساتھ مقایسہ کریں تو واقعاً یہ ایک مشکل و پیچیدہ کام ھے، عمومی اور مختلف لوگوں کیلئے اس بحث کو بیان کرنا تو دور کی بات ھے، لہٰذا ضروری ھے کہ بحث کو تطبیقی لحاظ سے آگے بڑھایا جائے اور دیکھیں کہ آزادی کے طرفدار حضرات آزادی سے کون سے معنی مراد لیتے ھیں؟ اور آزادی سے کیا چاھتے ھیں،اس وقت دیکھا جائے گا کہ جو وہ لوگ چاھتے ھیں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے ٹھیک ھے یا نھیں؟ وہ لوگ جو آزادی چاھتے ھیں اور آزادی کی طرفداری بھی کرتے ھیناور یہ دعویٰ کرتے ھیں کہ اس ملک میں آزادی نھیں ھے ،آزادی کا کیا مطلب مراد لیتے ھیں؟ کیا میڈیا آزاد نھیں ھے؟ کیا لوگ انفرادی آزادی نھیں رکھتے؟ یا سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی آزادی نھیں رکھتے؟ آزادی کا نعرہ لگانے والے لوگوں کو کس صورت میں آزاد سمجھتے ھیں؟

اگر مصادیق کے بارے میں تھوڑی بحث کی جائے تو ایک واضح نتیجہ پر پھونچنا ممکن ھے ، کیونکہ ھم جانتے ھیں کہ ھمارا مد مقابل کیا کھتا ھے اور کیا چاھتا ھے، اس صورت میں گفتگو کی روش مبھم نہ رھے اور دوسرے افراد بھی اس سے غلط استفادہ نہ کرسکیں گے-

3- آزادی، مطلق نھیں ھے،اور آزادی کے دین پر مقدم ھونے کا جواب

معمولاً خود عرض اور دھوکہ باز افراد آزادی جیسی انتزاعی اور مشکل چیزوں سے اپنے اھداف و مقاصد تک پھونچنے کیلئے آزادی جیسے الفاظ سے سوء استفادہ کرتے ھیں، اور اس طرح بیان کرتے ھیں کہ سننے والے کچھ سمجھتے ھیں جبکہ حقیقت میں ان کے کھنے کا مقصد فی کچھ اور ھی ھوتا ھے، مغالطہ آمیزاور دھوکہ دینے والے الفاظ کے ذریعہ لوگوں کو فریب دیتے ھیں، مثال کے طور پر تقریروں، مقالوں اور اخباروں مینیہ سوال بیان کیا جاتا ھے کہ دین آزادی پر مقدم ھے یا آزادی دین پر مقدم ھے؟ کیا اصل، آزادی ھے اور دین آزادی کے تابع ھے یا اصل دین ھے اور آزادی اس کے تابع ھے؟

معلوم ھوتا ھے کہ حقیقت میں یہ سوال ایک علمی اور دقیق سوال ھے اور یہ سمجھنا واقعاً جذّاب ھے کہ آ زادی اصل ھے یا دین اصل ھے؟ اس کا درک کرنا بڑی اھمیت کا حامل ھے، لیکن جب ھم بحث کرتے ھیں اور کھتے ھیں کہ دین اصل ھے تو جواب دیتے ھیں کہ اگر کوئی آزاد نہ ھو تو کوئی پھر کس طرح دین کا انتخاب کر سکتا ھے؟ لہٰذا انسان کو دین قبول کرنے میں آزاد ھونا چاھئے،، پس نتیجہ یہ ھوا کہ آزادی دین پر مقدم ھے اور جب یہ طے ھوجائے کہ آزادی دین پر مقدم

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھے تو پھر یہ نتیجہ بھی آسانی سے نکل آئے گا کہ دین آزادی کو محدود نہیں کر سکتا، کیونکہ آزادی دین سے بالاتر ھے اوردین پر مقدم ھونے کا حق رکھتی ھے-
قارئین کرام جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایاکہ یہ مغالطہ آمیز استدلال ظاھراًتو ٹھیک دکھائی دیتا ھے، کیونکہ اگر کوئی انسان آزاد نہ ھوتو کس طرح دین کو انتخاب کر سکتا ھے، اس لئے انسان کو آزاد ھونا چاھیے، تاکہ اسلام کو دل سے قبول کرسکے، لھٰذا معلوم ھوتا ھے کہ آزادی دین پر مقدم ھے، اور یھی اصل ھے یھی دین کو معتبر بناتی ھے، اور بنیادی طور پر دین کی علت وجودی ھے لھٰذا اپنی پیدا کی ھوئی چیز کے ذریعہ خود ختم یا محدود نہیں ھو سکتی،آخر میں ھم یہ نتیجہ اخذ کرتے ھیں کہ ھر انسان کا دینی ماحول بالکل آزادی کے ساتھ ھو گا-
بعض دوسرے افراد یہ استدلال کرتے ھیں کہ جب انسان پیدا ھوتا ھے تو کسی کا غلام نھینھوتا بلکہ آزادھوتاھے، لھٰذا زندگی اس کو میں آزاد ھونا چاھئے-
اس طرح یہ بھی استدلال کرتے ھیں کہ اختیار اور آزاد ارادہ رکھنا ایک بھت اھم چیز ھے، اس بنیاد پر اگر انسان اس دنیا میں آئے اور اس کے ھاتھ پیر مفلوج ھوجائیں اور زبان سے گونگا ھوجائے تو اس کی کیا قیمت ھے؟ انسان کی قدرو قیمت اس وقت ھے جب وہ آزاد ھو جھاں چاھے جائے جو کرنا چاھے اس کو انجام دے سکے، جو چاھے اپنی زبان سے کھے اور چونکہ انسان تکوینی طورپر آزاد خلق ھوا ھے تو پھر قانونی طور پربھی انسان کو آزاد ھونا چاھئیے!
یہ وھی طبیعت گرانہ مغالطہ ھے کہ جس میں ''است'' (ھے) سے ''باید''(ھونا چاھئیے) کا غلط نتیجہ نکالا گیا ھے، اگر ھم چاھیں کہ ان تمام مسائل کو دقیق اور جدی طریقہ سے بحث کریں توھم کو فلسفی اور دقیق بحث کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اور بھت جلدی کسی نتیجہ پر نہیں پھونچ سکتے-
جیسا کہ ھم بیان کرچکے ھیں کہ اگر ھم آزادی کے بارے میں بحث کریں تو پھر دسیوں تعریفوں سے تحقیق و بررسی کرنی ھوگی، اس وجہ سے مصادیق کے سلسلے میں ھی بحث کرنا مناسب ھے، اورآزادی کا نعرہ لگانے والے افراد سے کھیں کھ: اگر کوئی شخص تمھارے منہ پر ایک زور دار تھپڑ لگا کر کھے میں آزاد ھوں؟! تو کیایہ صحیح ھے؟ ظاھر سی بات ھے کہ جواب منفی ھوگا اور اس کو کوئی قبول نھیں کرے گا، اور جواب یہ ملے گا کہ آزادی سے ھمارا مقصد یہ نھیں ھے، کیونکہ یہ تو دوسروں پر ظلم ھے لھٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ آزادی اس وقت تک مناسب ھے کہ جب تک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہ ھو، یعنی آزادی مطلق نھیں ھے-
اور اگر اس سے یہ کھا جائے کہ کوئی شخص تمھارے خاندان اور عورتوں کے بارے میں جو کچھ چاھے کھے ، وہ تم کو مار تو نھیں رھا ھے بلکہ آپ کی بے حرمتی کررھا ھے اور تمھارے یا تمھارے اھل خانہ کے بارے میں نازیبا الفاظ کھہ رھا ھے، تو کیا یہ صحیح ھے؟ ظاھر ھے کہ کوئی بھی اس بات کی اجازت نھیں دےگا،کیونکہ یہ بھی دوسروں کے حقوق کی پائمالی ھے، اور ناموس کی عزت بھی معاشرے میں محترم ھے، پس معلوم ھوا کہ عزت وناموس پر تجاوز وزیادتی ظاھری چیزوں پر منحصر نھیں ھے-
اور اگر کوئی شخص کسی اخبار میں اس کے خلاف کچھ لکھے اور مقالہ کے ذریعہ اس کی شخصیت اور آبرو کو داغدار کرے، تو اس صورت میں کیا یہ فیزیکی اور ظاھری طور پر اس کی بے حرمتی نھیں ھوئی ھے، یعنی زبان کے ذریعہ اس کی بے عزتی نھیں ھوئی ھے،کیا کوئی اس چیز کی اجازت دے سکتا ھے؟ ھرگز کوئی شخص اس بات کو قبول نھیں کر سکتا، اور اس کام کو بھی دوسروں کے حقوق کی پائمالی اور اپنے لئے بے عزتی جانتا ھے، اور اجازت نھیں دیتا کہ کوئی شخص اس کی آبرو ریزی کرے، اور اس کے حقوق کو پائمال کرے، نتیجہ یہ نکلا کہ آزادی کیلئے اب تک تین قیود و شرط موجود ھیں اور اگر ان شرطوں کی رعایت نہ کی جائے تو دوسروں کے حقوق کی پامالی ھے-

4- ھر معاشرے کی مقدسات کی رعایت ضروری ھے-
ایک دوسرا نکتہ کہ جس کے بارے میں بحث کرنا ضروری ھے وہ یہ ھے کہ ھر معاشرہ کی مقدسات (قابل احترام چیزیں) الگ الگ ھیں، اور نسبی ھوتی ھیں مثال کے طور پر بعض معاشروں میں کسی کی بھن یا بیٹی سے آزادانہ رابطہ کرنا معیوب نھیں ھوتا، جیسا کہ یورپی اور امریکائی ممالک ھیں کہ کوئی بھی شخص کسی بھی لڑکی یاعورت سے دوستی کرنا چاھے، تو چاھے اس دوستی کے نتائج کچھ بھی نکلینکوئی مشکل نھیں ھے-
کیونکہ دونوں کی مرضی سے یہ کام ھو رھا ھے لیکن اگر کوئی شکایت کرے اور کورٹ میں جا کر اس کے خلاف مقدمہ دائر کرے کہ طاقت کے بل بوتے پر مجہ پر ظلم ھوا ھے اور میں راضی نھیں ھوں، تو عدالت اس کی اس شکایت کو سنتی ھے لیکن صرف مرد وعورت کی دوستی کیونکہ اپنی مرضی سے ھوتی ھے ،لھٰذاکوئی عیب نھیں ھے! لھٰذا اگر کوئی شخص کسی سے کھے میری اور تمھاری بھن کی دوستی ھے اور کل رات فلاں جگہ تھے یورپی فرھنگ و کلچر میں برا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نہیں سمجھا جاتا، اور کوئی اس بات پر خوش بھی ہو سکتا ہے لیکن ہمارے معاشرے میں یہی بات بری سمجھی جاتی ہے اور اس کو برا سمجھا جاتا ہے کسی کو ایسی باتیں کہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا،ان باتوں سے ایک دوسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ ہر معاشرے میں کچھ خاص چیزیں ہوتی ہیں کہ جن کو وہ محترم اور مقدس سمجھتا ہے، درحالیکہ یہی چیزیں دوسرے معاشرے میں نہیں پائی جاتیں، اب یہ دیکھنا ہے کہ ان مقدسات کا معیار کیا ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر معاشرے کی مقدسات اس کی ثقافتی اور اجتماعی زندگی کی وجہ سے ہوتی ہیں، اور ظاہر سی بات ہے کہ یہ مقدسات معاشرے کی بنیاد، اس ماحول اور ملک کے ثقافتی معیار کی وجہ سے ہوتی ہیں لہٰذا اگر کسی معاشرے میں وہاں کی ثقافت کے وجہ سے کچھ چیزیں مقدس اور قابل احترام ہوں، تو ان سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور ان کی بے احترامی نہیں ہونا چاہیے، اور کسی بھی معاشرے میں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ جو چاہے کہے،جبکہ اس کو اس طرح کی باتیں کرنا چاہیے جن سے ان مقدسات کی بے احترامی نہ ہوتی ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ آزادی کیلئے بہت سی قید و شرط ہیں کہ جن کی ہر معاشرہ کے لحاظ سے رعایت کرنا چاہیے اور آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان جو چاہے کہے، اور جس طرح چاہے کرے، ہاں اگر جس ماحول میں وہ زبان کھول رہا ہے ا سمیں اگر اس کو بے احترامی نہیں سمجھا جاتا تو اس کا کہنا صحیح ہے لیکن جس معاشرے میں وہ کہہ رہا ہے اگر وہاں اس کا یہ کہنا اس معاشرے اور مذہب کے مقدسات کی توہین ہے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے وہ مقدسات کے ہدف کچھ کئے، اور جو چاہے انجام دے اور کوئی بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا، اگرچہ ہم نے جو کچھ بیان کیا،مغربی ممالک میں محترم اور با اہمیت نہیں سمجھا جاتا اور ہر انسان اپنی گفتار و کردار میں آزاد ہے،لیکن ہمارے معاشرے میں چونکہ اسلامی حکومت ہے مغربی ممالک سے فرق ہے اور اس طرح کی آزادی نہیں ہے کہ جو چاہے لوگوں کی طرف نسبت دے اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے فرہنگ و ماحول میں یہ چیزیں با ارزش ہیں اور ہر قوم و ملت کے مقدسات کا احترام کرنا ضروری ہے اور آزادی کے بہانہ ان کی خلاف ورزی کرنا صحیح نہیں ہے۔

پس معلوم یہ ہوا کہ آزادی کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ تصور کرتے ہیں اور اس قدر آزادی کو کوئی بھی عقلمند انسان قبول نہیں کر سکتا، لہٰذا آزادی کے اس طرح معنی بیان کرنے چاہئے جس سے دوسروں کی توہین اور ان کے حقوق کی پائمالی نہ ہوتی ہو۔

لہٰذا جن باتوں سے لوگوں کے مقدسات کی توہین ہوتی ہو ان کا بیان کرنا ممنوع اور ناجائز ہے، اسلامی معاشرہ میں آزادی کا بہانہ بناکرخاص طور سے جان سے زیادہ عزیز اسلامی مقدسات کی توہین کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

ہماری قوم و ملت نے ثابت کر دیا ہے کہ اپنے عزیزوں کی لاکھوں جانیں قربان ہوجائیں، لیکن اسلام باقی رہے، اب اگر مغربی کلچر میں کسی بھی طریقہ سے کسی کی توہین ہو (مثلاً یہ کہا جائے کہ آپ کی ناک بہت لمبی ہے، آپ کا قیافہ برا ہے) اس کو عدالت میں جانے اور مقدمہ دائر کرنے کا حق ہے، اسی طرح اگرہمارے معاشرے میں کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں توہین کرے، وہ بھی اس بارے میں کہ جو ماں، باپ، بیوی اور اولاد حتی خود اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو، ظاہر ہے کہ لوگوں کو یہ اعتراض کرنے کا حق ہے کہ آزادی کا بہانہ بنا کر ہمارے مقدسات کی توہین کیوں کررہے ہو۔

5-آزادی کے نعرہ میں ناجائز غرض

جو لوگ آزادی کا دم بھرتے ہیں اور آزادی نہ ہونے کا غم مناتے ہیں اور ایران میں آزادی نہ ہونے کا مرثیہ پڑھتے ہیں! کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ان میں سے بعض لوگوں نے مغربی ممالک کا سفر کیا ہے یا ان کے بارے میں سنا ہے یا وہاں کی فلموں کو دیکھا ہے،جو لوگ اس طرح کی زندگی چاہتے ہیں،لیکن ایران میں ان کو اس طرح کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے ،اسلامی حکومت کہانسے قوانین بناتی ہے؟ کیا اسلامی حکومت کے قوانین خدا،رسول اور آئمہ کی مرضی کے مطابق قوانین نہینہوتے ہیں؟ وہ لوگ الٰہی احکام کو قبول نہیں کرتے، ولی فقیہ پر اعتراضوں کی بوچھار کرتے ہیں اور ولی فقیہ کے متعلق کینہ رکھتے ہیں جبکہ ولی فقیہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہتا:

(فَإِنَّهُمْ لاٰ يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظَّالِمِيْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ)-( 1)

”یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ) ظالم (حقیقتاً) خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں “

کیا مرجع تقلید اور فقیہ اپنی طرف سے کچھ کہتا ہے؟ وہ جو کچھ بھی کہتا ہے قرآن ، احادیث سے اخذ کرتا ہے لیکن دشمن اس چیز کو قبول نہیں کرتا، امریکہ کی معتبر یونیورسٹیوں کی کھلی فضا میں بہت سے ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ لڑکے، لڑکیاں ایک دوسرے کے سامنے ایسے ایسے کام کرتے ہیں کہ جن کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے،وہاں کے عیاش خانوں میں کیا کیا ہوتاہے؟ تصور کریں اگر وہاں کے عیاش خانوں کی ویڈیو بنائی جائے اور اس کو اس ملت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے جوانوں کو دکھائی جائے تو اس کا کیا اثر ہوگا؟ اور ظاھر ھے کہ اگر کوئی جوان ایسی فلمیں دیکھئے گا،اور جب صبح اٹھ کر یونیورسٹی جائے گا تو پھر سکون سے نہیں رہ سکے گا، کیونکہ رات میں سویاھی نہیں ھے، اور دوسری طرف اس کی شھوت تحریک ھو جاتی ھے، اور اس کا چین و سکون غائب ھو جاتا ھے، اب اگر ایسا جوان نعرہ لگائے کہ یھاں آزادی نھیں ھے تو اس کا مطلب یہ ھے کہ جو میں کرنا چاھتا ھوں،اس کو کرنے نھیں دیا جاتا اسلام کے مقابلہ میں اسی طرح کی آزادی کو لایا جاتاھے-

اور کھا جاتا ھے کہ آزادی مقدم ھے یا اسلام؟ اس آزادی کا مطلب ھی جنسی شھوات کو پورا کرنا ھے، لھٰذا شروع ھی سے یہ کھا جائے کہ آزادی سے ھم یہ چاھتے ھیں، ھر وہ چیز جو کچھ کفر و الحاد کے ماحول میں ھوتی ھے وھی معاشرے میں بھی جائز ھو جائے تو وہ مطمئن رھیں کہ ایسا ھرگز نھیں ھوسکتا، کیونکہ لوگوں نے اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کی ھیں تاکہ اسلام کارواج ھو، نہ کہ مغربی فساد اور بے ھودگی رائج ھو-

ممکن ھے کہ کوئی یہ کھے کہ ھم واقعاً مسلمان ھیں اور اس حکومت کو ووٹ دیا ھے اور ولایت فقیہ کے معتقد ھیں اور جیسی آزادی مغربی ممالک میں رائج ھے ایسی آزادی نھیں چاھتے، بلکہ ھم یہ چاھتے ھیں کہ جو کچھ ھم لکھنا چاھیں اس کو بغیر کسی روک ٹوک کے بے جھجک لکہ سکیں ھم تو آزادی بیان و قلم اور عملی آزادی کے خواھاں ھیں ،ھم کو اپنی بات کھنے کی آزادی ملنا چاھیئے-

یہ بات ظاھراً ٹھیک ھے کیونکہ حقوق بشر کے نشریات میں سے ایک حق جو تمام لوگوں کو ھے یھی آزادی بیان اور میڈیا کی آزادی ھے اور اسی طرح کی آزادی کو ڈیمو کراسی کی ایک اصل مانا گیاھے، لیکن ھم ان سے یہ کھیں گے کہ آپ اپنی رائے کا اظھار کریں کہ ھمارے ملک کے حکمران کیسے ھیں لیکن کیا واقعاً آپ کھنا چاھتے ھیں کہ فلاں شھر کا فلاں قاضی صحیح کام کرتا ھے یا نھیں یا فلاں شھر کاڈی ایم( D-M)ٹھیک کام کرتا ھے یا نھینیا فلاں ملازم کا کردار صحیح ھے یا نھیں؟ یا درحقیقت آپ اصل اسلام اور اسلامی مقدسات کے بارے میں کچھ لکھنا چاھتے ھیں اور ان تمام چیزوں کی نفی کرنا چاھتے ھیں؟ یا اسلامی مقدسات کی توھین کرنا چاھتے ھیں؟

6- آزاد گفتگو کی حد وحدود

اگر آزادی سے آپ کی مراد یہ ھے کہ جس کام کا ھوناجائز نھیں ھے اس کے بارے میں لکھنا اور کھنا جائز ھونا چاھئیے، جیسا کہ ھم نے مثال میں عرض کیا تو جب کسی شخص کو آپ کے سلسلے میں کوئی توھین آمیز کلمات کھنے کا کوئی حق نھیں ھے،یعنی وہ اتنی آزادی نھیں رکھتا لیکن جب اسلامی مقدسات کی بات آتی ھے تو آپ فرماتے ھیں کہ آزادی بیان کا تقاضا یہ ھے کہ ھم جو چاھیں لکھیں ھم جو چاھیں کھیں!

یہ کیسے ھو سکتا ھے کہ اگر کوئی آپ کے بارے میں توھین آمیز کلمات زبان پر جاری کرے، اور اگر کوئی ایسا کرے تو آپ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ھیں اور مقدمہ دائر کرنے کیلئے تیار ھوجاتے ھیں،آپ اجازت نھیں دیتے کہ آپ کے ذاتی مسائل کو اخبار میں دیا جائے تو پھر آپ کو اس ملت کے راز فاش کرنے کا حق کھاں سے حاصل ھوگیا؟ کس طرح آپ کی نظر میں کسی ایک شخص کے راز کو فاش کرنا جائز نھیں ھے، لیکن ایک ملت کے راز کو فاش کرنا جائز ھوگیا! یعنی آپ کی نظر میں جب ایک شخص لاکھوں میں تبدیل ھو جاتا ھے ،توکیا اس کے راز کو فاش کرنا جائز ھے؟! کیا ایک معاشرے کی نسبت اپنے مقالوں میں حدود کی رعایت کرنا ضروری نھیں ھے؟ کیا کچھ بھی لکھا اور کیا جا سکتا ھے، معاشرے کے بھی کچھ حقوق ھیں،اس کے مقدسات ھیں اور ان کا احترام باقی رھنا چاھیے اور مقدسات کو مجروح نھیں کیا جا سکتا-

جس طرح آپ اپنی توھین کر برداشت کرنے کیلئے تیار نھیں ھیں،اسی طرح آپ اپنی ناموس یا آپ کے گھریلو اسرار کے بارے میں تجاوز کرنے کی اجازت نھیں دیتے، تو پھر آپ کس طرح اجازت دیتے ھیں کہ اس عظیم معاشرے جس نے ھزاروں عزیزوں کو ان مقدسات کی حفاظت کیلئے قربان کردیا ھے اس کی توھین کی اجازت دیتے ھیں ؟!

کیا آپ کی نظر میں کوئی رکاوٹ نھیں ھونی چاھیے، ؟اور آزادی کا بھانہ بنا کر قانون کی طرف سے کوئی حد و حدود نھیں ھونا چاھیے؟ کیا آزادی مطلق ھے؟ اور اگر آزادی مطلق ھو توکسی کے بارے میں کچھ بھی کھنے کا حق حاصل ھونا چاھئے اور اگر اس 6 /کروڑ والی ملت کی مقدسات مجروح ھوں اور کوئی تم پر اعتراض کرے تو آپ جواب میں کھیں: اظھار نظر کرنا آزاد ھے! اس سے بڑا مغالطہ اور کیا ھو سکتا ھے کہ ایک شخص کے احترام کو مجروح کرنا جائز نھیں ھے لیکن 6 /کروڑ والی ملت کے مقدسات کو مجروح کرنا جائز ھے، لیکن ایک عرب مسلمانوں کے مقدسات کو مجروح کرنا جائز ھے! یہ کونسی منطق اور فلسفہ ھے؟ اور صرف اس وجہ سے کہ حقوق بشر کے نشریات میں موجود ھے کہ بیان آزاد ھے مقدسات کی توھین کرنا بھی آزاد ھوجائے گا؟! آزادی کا ایک مبھم کلمہ استعمال کرتے ھیں اور ھر شخص

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اپنے لحاظ سے اس کی تفسیر کر کے سوء استفادہ کرتا ھے-

7-الفاظ کے مفہوم اور مصادیق کو روشن کرنے کی ضرورت
ھم یہاں پر یہ مشورہ نہیندیتے ھیں کہ مبہم اور غیر واضح الفاظ کو استعمال کرنے کے بجائے ان کے مصادیق پر تکیہ کریں اور کہیں کہ یہ کام جائز ھے یا نہیں؟ مثلاً یہ کہنے کے بجائے کہ اسلام ڈیموکراسی کے موافق ھے یا نہیں؟ کہیں کہ آپ کیا چاھتے ھیں اور کون سا عمل انجام دینا چاھتے ھیں؟ کیا آپ خدا اور اس کے احکام کو نادیدہ کرنا چاھتے ھیں اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، اگر ڈیموکراسی کے یہ معنی کیے جائیں کہ انسان جس طرح کے قوانین بنانا چاھے بنا سکتا ھے اگرچہ خدا کے قوانین کے مخالف ھی کیوں نہ ھوں، توچاھے پوری دنیا زور لگائے ھر گز ھم ایسی ڈیموکراسی کو قبول نہیں کر سکتے -
لیکن اگر ڈیموکراسی کے یہ معنی کئے جائیں کہ لوگ اپنی سرنوشت اور زندگی میں موثر ھیں،کوئی شخص اپنے زور کے ذریعہ ان پر تحمیل نہیں کر سکتا، افراد بھی اسلامی قوانین اور بنیادوں کے دائرے میں چلیں، تو اس چیز پر تو شروع انقلاب سے عمل ھو رھا ھے، اور اگر ھم یہ دعویٰ کریں کہ ایران کے برابر کسی بھی ملک میں لوگوں کی کا احترام نہیں کیا جاتا،تو شاید دعویٰ بے جا نہ ھوگا، اور شاید کہنے کی وجہ بھی یہ ھے کہ ھمارے پاس اس حد تک ثبوت نہیں ھیں،لیکن پھر بھی ھمارا نظریہ یہ ھے کہ دنیا میں کہیں بھی اتنی آزادی نہ ھو، لہٰذا لفظ ڈیموکراسی پر بحث و مباحثہ کرناکہ اسلام ڈیموکراسی کا موافق ھے یا مخالف ھے ؟
اس سے بہتر یہ ھے کہ پہلے اس کے مصادیق کو معین کر لیں، مثلاً کیا اسلام ھم جنس بازی کے آزاد ھونے کی اجازت دیتاھے ؟ چاھے تمام ھی لوگ ایسا نظریہ رکھتے ھوں، ظاھر ھے کہ اسلام اس چیز کی اجازت نہیں دیتااگر تمام ھی لوگ اس چیز کے موافق ھی کیوں نہ ھوں اور اس بارے میں ووٹ بھی دیں، لہٰذا اگر ڈیموکراسی اس حد تک بے لگام ھو تو پھر ھم اس کو نہیں مانتے، لیکن اگر ڈیموکراسی سے مراد یہ ھو کہ افراد انتخابی مہم میں آزاد ھیں پارلیمنٹ کے ممبران کو آزادانہ طور پر منتخب کریں، صدر کا انتخاب آزادانہ طریقہ پر ھو اور ان کو حق ھے کہ ممبران پارلیمنٹ یا دوسرے ذمہ دار افراد کی استیضاح(1)کرے تو ایسی آزادی ھونا چاھیے کہ الحمد للہ ھمارے یہاں یہ آزادی ھے، اور ھم بھی سو فیصد اس کی حمایت کرتے ھیں، لہٰذا اس کے لئے الفاظ کی بحث میں جانے سے بہتر یہ ھے کہ ان کے مصادیق کے بارے میں بحث کی جائے، کھلے عام کہیں کہ ھم کیا چاھتے ھیں تاکہ اس کا جواب بھی واضح طور پر دیا جا سکے-
اور اگر الفاظ مبہم اور نا مشخص استعمال کئے جائیں گے تو ان کے جوابات بھی مبہم دئے جائےں گے، درج ذیل الفاظ جیسے آزادی، ڈیموکراسی، لیبرالیسم، جامعہ مدنی، تمدن اور فرھنگ و ثقافت مبہم ھیں کہ جن کی مختلف تفسیریں کی جا سکتی ھیں لہٰذا ان کے بارے میں بحث و مباحثہ کرنا کبھی بھی عقلمندی نہیں ھے، صاف کہیں کیا چاھتے ھیں تاکہ ھم اس کا جواب دیں کہ آیا اسلام سے ھم آھنگ ھے یا نہیں؟
(1) یعنی ممبر آف پارلیمنٹ کسی وزیر سے کسی سلسلہ میں توضیح مانگے اور نامطمئن جواب ملنے پر دوبارہ اس کے بارے ووٹنگ ھو اور اگر اس کے بارے میں اعتماد رائے باقی رھے تو ٹھیک ھے ورنہ اس کو ھٹا دیا جاتا ھے-

حوالہ
.1سورہ انعام آیت 33

اسلام اور سیاست جلد(۱)

آٹھواں جلسہ

**حکومت کے ڈھانچے کی وضاحت**

1- عنصری اور مصداقی تعریف کی اھمیت
ھم اس جلسہ میں اسلامی حکومت کے ڈھانچے اور شکل وصورت کے بارے میں بحث کریں گے، یہاں پر ھم مناسب

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سمجھتے ھیں کہ حضرت امام خمینیؒ کا ایک مختصر سا واقعہ بیان کریں:
انقلاب کے ابتدائی دور میں ایک بیرونی رپوٹر نے حضرت امام خمینیؒ سے سوال کیا کہ آپ شاہ کی حکومت کوسرنگوں کرنے کے بعد کون سی حکومت تشکیل دیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ھم حضرت علی علیہ السلام کی طرح حکومت بنائےں گے، ظاھر ھے کہ اس خارجی خبر نگار کے لئے اسلامی حکومت کو سمجھنا مشکل تھا کیونکہ وہ اسلامی ثقافت کو سمجھنے سے قاصر تھا، اس کو سمجھانے میں گھنٹوں درکار تھے؛لیکن حضرت امام خمینیؒ نے اس کو ایک جملہ میں قانع کنندہ جواب دیدیا، کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو دشمن او ردوست سبھی جانتے ھیناور اس کے لئے زیادہ مطالعہ اور تحقیق کی ضرورت نہیں تھی،اور ساتھ ساتھ ھماری حکومت کی بھی شناخت ھوگئی۔
اس قسم کی تعریف ووضاحت ؛ یعنی اس طرح کی سادہ اور مصداقی تعریف عوام الناس کو سمجھانے کے لئے بھت بھترھے، کیونکہ انتزاعی اور فلسفی چیزیں عوام الناس کو سمجھانے کے لئے مشکل ودشوار ھوتی ھے، کہ جس میں خارجی مصداق سے سروکار ھوتا ھے، لھٰذا خارجی نمونہ پیش کرکے کسی کو سمجھانے میں آسانی ھوتی ھے، مثال کے طور پر اگر کوئی یہ سوال کرے کہ بجلی یعنی کیا؟ تو روشن بلب کی طرف اشارہ کرکے یا دوسرے الیکٹرینک سامان کی طرف اشارہ کرکے اس کو سمجھایا جاسکتا ھے، کہ یہ سامان بجلی سے چلتے ھیں تو اس کی سمجہ میں بجلی کا مفھوم آجائے گا۔
ظاھر ھے کہ اس طرح کسی چیز کی تعریف کرنا جس میں اس کی ذاتیات اور عوراض اور اس کی اصلی خصوصیت سے اجتناب کیا جاتا ھے، لیکن عملی اور اکیڈمیک اصطلاح میں اگر کسی چیز کی تعریف کی جاتی ھے تو اس کی ذاتی یا عرضی خصوصیات کو بیان کیا جاتا ھے کہ جن میں سے منطق کی مشھور تعریف ھے کہ جس میں جنس وفصل ذکر کی جاتی ھے، اس طرح کی تعریف میں پھلے ایک عام او روسیع مفھوم کو تصور کیا جاتا ھے اور اس کے بعد ایک خاص مفھوم کو ذکر کیا جاتا ھے تاکہ دوسری چیزیں اس میں شامل نہ ھو۔
کسی چیز کی پھچان او رتعریف کا ایک اور طریقہ یہ بھی ھے کہ اس کے عناصر کو شمار کیا جاتا ھے؛ یعنی کسی ایک ماھیت کے لوازم اور خصوصیات کی تحقیق کی جاتی ھے اور ان سب کو ملاکر اس چیز کی تعریف قرار دیدی جاتی ھے، اور کوئی بھی شخص اس کی خصوصیات کو دیکہ کر فیصلہ کرلیتا ھے کہ جو چیز بھی وہ خاص خصوصیات رکھتی ھوگی وھی فلاں چیز ھوگی۔

2-اسلام اور تینوں قوتوں کے جداجدا ھونے کا نظریہ
حکومت کے وسیع پیمانے پر تعریف کرنا اور اس کی ان خصوصیات کو بیان کرنا جن کو اسلام نے بیان کیا ھے ، یا سیاست کے بارے میں اسلام کے نظریہ کو ایک جملہ میں اس طرح کھا جاسکتا ھے:کہ سیاست کے بارے میں اسلام کا نظر یہ ھے کہ سیاست اور حکومت کے تمام امور الٰھی اور وحی سے الھام گرفتہ ھیں، اوریھی چیز یں حکومت اور نظام اسلامی بن جانے کی ضمانت ھوتی ھےں۔
مزید وضاحت اور اسلامی حکومت کو ایک جامع شکل پیش کرنے کے لئے ضروری ھے کہ (حکومتی) قوتوں کے جداجدا ھونے کے نظریہ کو بیان کیا جائے کہ جو ”حقوقی فلسفہ" میں بیان ھوتی ھیں، ان آخری چند صدیوں میں مغربی حقوق داں فلسفی حضرات کے درمیان کافی کشمشک ھوتی آئی ھے کہ (حکومتی) قوتوں کو ایک جگہ ھونا چاھئے یا الگ الگ کہ ھر شخص یا ھر گروہ صرف ایک طاقت کا مالک ھو، اور آخر کار ”رنسانس“کے زمانے کے بعد بالخصوص ”منٹسکیو“ کے زمانے کے بعد(منٹسکیو نے اس سلسلہ میں ایک زخیم کتاب بنام ”روح القوانین“ لکھی کہ جس مینطاقتوں کے جدا ھونے پر بھت زیادہ تاکید او راصرار کیا ھے)، حقوقی فلاسفہ نے اس بات پر اجماع واتفاق کرلیا کہ حکومتی طاقتوں کو جدا جدا ھونا چاھئے اور یہ نظریہ پیش کیا کہ حکومت کی تینوں طاقتیں :
1-”قوہ مقننہ"(قانون گذار طاقت یعنی پارلیمینٹ)
2-”قوہ مجریہ “ (یعنی صدر مملکت یا وزیر اعظم اور”قوہ قضائیہ"(عدالتی طاقت) ڈیموکراٹک اور جمھوریت حکومتوں کی اصلی (1) ستون سمجھے جاتے ھیں، اور ان تینوں طاقتوں کے لئے الگ الگ دائرہ اور مستقل میدان تصور کیا جاتا ھے، اس طرح کہ ایک طاقت کو دوسری طاقت میں دخالت کرنے کا کوئی حق نھیں،اور ھر ایک ان میں سے مستقل ھوتی ھیں ، اس نظریہ میں ھر قوت کو الگ الگ کرنے کے بعد اس کی تعریف بھی کی گئی ھے، کہ جن کو ھم یھاں پر مختصر طور پر بیان کرتے ھیں:

الف- قوۂ مقننہ:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حکومت کا ایک اہم رکن قوہ مقننہ ہے کیونکہ انسان کی اجتماعی زندگی میں ہر وقت تغیر وتبدیلیاں پائی جاتی ہیں اور ہر زمانہ کے شرائط مختلف ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کچھ لوگ ان پر تبادلہ خیال اور غور وفکر کرکے مناسب قانون وضع کرتے ہیں، اور قوہ مقننہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کے بنائے گئے قوانین معتبر اور واجب الاجراء ہیں-

ب- قوہ قضائیہ:
قوانین کو معتبر اور رسمی ہونے کے بعد اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کلی قوانین کو خاص موقع ومحل پر مطابقت اور لوگوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کو روشن کیا جائے-
(1) عام اصطلاح میں کبھی کبھی ''حکومت'' تینوں طاقتوں پر استعمال ہوتا ہے ، اور کبھی کبھی حکومت صرف'' قوۃ مجریہ" پر اطلاق ہوتا ہے ، البتہ یہ معنی خاص مواقع پر استعمال ہوتے ہیں اور اکثر اقات حکومت سے مراد وہی عام معنی ہیں جو تینوں طاقتوں پر استعمال ہوتا ہے-
نیز اختلافات اور جھگڑوں کو حل کرنے کے لئے قوہ قضائیہ کا ہونا ضروری ہے، یعنی قانون کے بننے کے بعد شہریوں کے اختلاف کی صورت میں یا گروہوں کے درمیان اختلاف یا عوام الناس اور حکومت کے درمیان اختلاف کو حل کرنے اور لوگوں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچانے کے لئے اور قوانین کو مذکورہ موقع ومحل پر مطابقت، قضاوت او رفیصلہ کرنے کے لئے قوہ قضائیہ کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ صرف پارلمینٹ میں قوانین پاس ہونے سے مشکل حل نہیں ہوتی، کیونکہ اختلافی صورت میں ہر ایک شخص اپنے کو حق سمجھتا ہے اور اپنے حق میں قانون کی تفسیر کرتا ہے-

ج-قوہ مجریہ:
اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معاشرہ اپنے اہداف ومقاصد تک پہونے کے لئے قانون کا محتاج ہے، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ تمام عوام الناس تمام قوانین کی رعایت کریں؛ کیونکہ مختلف وجھوں سے قانون کی مخالفت ہوسکتی ہے،قانون کے لئے ضرورت ہے کہ اس کے جاری ہونے کی ضمانت بھی ہو،اور یہ ضمانت اجرائی قوہ مجریہ کے ذریعہ ممکن ہے ،( کہ جس کے پاس قوانین کو جاری کرنے کے لئے باندازہ کافی وسائل ہوتے ہیں)، لہٰذا قوہ مجریہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرائے اور خلاف ورزی سے روکے، اور اسی طرح قوہ قضائیہ کے احکامات (سزا وکیفر) کو بھی جاری کرے، اور اس سلسلہ میں قوانین کو جاری کرنے اور خلاف ورزی کرنے والوں اور مجرموں کو سزا دینے کے لئے پولیس وغیرہ کا بھی سہارا لیا جاسکتا ہے-
ہم نے مختصر طور پرجمہوریتی نظام میں تینوں طاقتوں کے جدا ہونے کے نظریہ کو بیان کیا،اگرچہ ہم اس سلسلہ میں اسلام کے نظریہ کو بیان کرنے کے درپے نہیں ہیں، لیکن اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلامی جمہوری ایران کے اساسی اور بنیادی قانون میں ان طاقتوں کو جدا ہونے کے نظریہ کو قبول کیا گیاہے،لیکن یہ تینوں طاقتیں ولایت فقیہ کی زیر نظرہوتی ہیں جس کی وجہ سے نظام اسلامی ہوجاتا ہے، چاہے اسلامی نظام میں تینوں طاقتوں کی مشروعیت اس چیز کی وجہ سے ہے کہ یہ سب کے سب الٰہی اور اسلامی ڈھانچہ رکھتے ہوں اور ان کا رابطہ خداوندعالم سے ہوں اور ولایت فقیہ کی وجہ سے ہی نظام الٰہی ہوجاتا ہے اور نظام کی مشروعیت کا ملاک ومعیاربھی یہی ولایت فقیہ ہے-
جس وقت ہم اسلام کے قوانین کی وضع اور ان کو جاری کرنے کی باتیں کرتے ہیں اور ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ تمام قوانین اور مقررات الٰہی اور اسلامی ہونا چاہئے، تو ہم اس بات کو مسلم اور طے شدہ مان لیتے ہیں کہ اسلام کا خلاصہ نماز وروزہ او ردوسری عبادتوں میں نہیں ہوتا؛ بلکہ اسلام ایک کامل مجموعہ کا نام ہے کہ جس میں اجتماعی قوانین بھی شامل ہوتے ہیں-
یعنی اجتماعی قوانین کے تمام شعبے اسلام میں شامل ہوتے ہیں، جیسے مالی مسائل، حقوق مدنی، تجارتی حقوق اور بین الاقوامی حقوق وغیرہ کہ جن کی معاشرہ کو ضرورت ہوتی ہے، لہٰذاہم یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اسلام کے قوانین اجتماعی قوانین ہیں اوراسلام حکومت کو بھی ذمہ دار بناتا ہے کہ اس کے قوانین کو معتبر جانے اور ان کو عملی جامہ پہنائے، اور اگر کوئی حکومت اسلام کے قوانین کو معتبر نہ جانے اور ان کو جاری کرانے کی فکر میں نہ رہے ، تو اسلام کی نظر میں اس حکومت کا کوئی اعتبار ا ور مشروعیت نہیں ہے-

3- اسلام معاشرہ کو ادارہ نہیں کرسکتا (ایک شبہ)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

یہاں پر ایک شبہ یہ ہوتا ھے کہ آج کل انسان کی زندگی ترقی یافتہ دور میں بڑے پیمانے پرنئے نئے قوانین کا نیاز مند ھے اور ان سب کا جواب قرآن کریم یا سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم او رکلام ائمہ معصومین علیھم السلام میں نہیں پایا جاتا، آج انسان کو اس طرح کے قوانین کی ضرورت ھے کہ جو صدر اسلام میں بالکل بھی موجود نہیں تھے تو ان کا حکم ھی کھاں سے بیان ھوا ھوگا،مثال کے طور پر فضائی اور ھوائی لائن کے مسائل کو پیش نظر رکھیں کہ کیا کوئی ھوائی جھاز کسی دوسرے ملک کی فضا میں بغیر اس ملک کی اجازت کے گذرسکتا ھے ؟ ظاھر ھے کہ اس طرح کے قوانین قرآن یا حدیث رسول یا کلام ائمہ معصومین علیھم السلام میں نہیں ھیں کیونکہ اس زمانے میں ھوائی جھاز کا تصور ھی نہیں تھا تاکہ یہ مسئلہ پیش آتا کہ ھوائی جھاز دوسرے ملک کی فضا سے گذر سکتا ھے یا نہیں۔
اسی طرح ٹرافک اور ڈرائیورنگ کے مسائل ، اس وقت میں بس یاگاڑی کا وجود ھی نہیں تھا کہ اس کے قوانین بیان ھوتے ، اسی طرح دوسرے قوانین کہ جن کی انسان کو اس وقت ضرورت ھے مثلاً دریا اور سواحل کے قوانین، اور اس طرح کے دوسرے قوانین کہ جن کے بارے میں ابھی تک خاص قوانین نہیں بنائے گئے اورضرورت ھے اس بات کی کہ حقوق داں اور قانون گذار حضرات اس سلسلہ میں بڑے غور وفکر سے ان کے لئے قوانین بنائیں۔
لھٰذا ان چیزوں کے پیش نظر قرآن اور حدیث میں ذکرکئے گئے قوانین انسان کی ضرورتوں کو پورا نھینکرسکتے،تو پھر کس طرح یہ کھا جاسکتا ھے کہ معاشرہ میں اسلامی قوانین نافذ ھونا چاھئے جبکہ بعض چیزوں کے بارے میں اسلام کوئی قانون ھی نہیں رکھتا،!
لھٰذا انسان کے لئے ایسے قوانین کی واضح ضرورت ایک طرف،اور اسلام میں ایسے قوانین موجود نہ ھونا دوسری طرف، تو اس موقع پر کیا کیا جائے؟ او رایسے موقع پر ھم کس طرح اسلامی قوانین پر پابند ھوں؟اب تک جو ذکر ھوا یہ ان لوگوں کا نظریہ تھا جو اسلام کو نہیں مانتے اور یہ اعتراض کرتے ھیں کہ اسلامی قوانین معاشرہ کو چلانے کےلئے کافی نہیں ھیں؛ اور ان کی جگہ بشریت کے بنائے ھوئے قوانین کی طرف رجوع کیا جائے، اعتراض کرنے والوں نے موضوع مشکل اور پیچیدہ کرنے کے لئے اس اعتراض کو مختلف طریقوں سے پیش کیا ھے او رلوگوں نے اپنے مختلف خواھشات کی بنا پر اس سلسلہ میں مختلف بیان دیا ھے۔
لیکن ان سب کا ھدف او رمقصد اسلامی حکومت کو کمزور اور متزلزل کرنے کے لئے ھے کہ اسلام معاشر ہ کو ادارہ نہیں کرسکتا، لھٰذا اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کی باتیں کرنا اور ان پر اصرار اور تاکید کرنا بے فائدہ ھے، لھٰذا حکومت کو اسلامی ھونے کے نظریہ کو اپنے ذھن سے نکال دینا چاھئے کیونکہ یہ کام ھونے والا نہیں ھے،افسوس کی بات تو یہ ھے کہ بعض اسلامی انقلاب کے طرفدار اور اسلام کے معتقد افراد بھی اس شبہ کے تحت تاثیر واقع ھوتے جارھے ھیں، لھٰذا ضروری ھے کہ اس اعتراض کا مناسب اور محکم جواب دیا جائے تاکہ اسلام کے قوانین پر پابند رھیں اور جن مسائل میں معاشرہ کی ضرورت کے تحت اسلام میں قوانین کو نہ پائےں تو اس کے راہ حل کو پھچان لیں۔

4-قوانین کی مختلف اقسام اور متغیر قوانین ھونے کی ضرورت
مذکورہ اعتراض کے جواب میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ھے کہ ”قانون“کے ایک وسیع اور عام معنی ھیں اور ”تکوینی“ قوانین بھی اس میں شامل ھوتے ھیں؛ مثلاً فیزیک اور شیمی کے قوانین اور قانون لاوازہ ، جاذبہ نیوٹن اور نسبیت انیشٹین، اس طرح کے قوانین (کہ جو تکویناً موجود ھیں اور واقعیت بھی رکھتے ھیں) دانشمندوں کے ذریعہ کشف ھوتے ھیں اور بنائے جانے والے نہیں ھیں، اور یہ قوانین ثابت اور طبیعی و واقعی چیزوں سے مربوط ھیں، اور حقوقی اور سیاسی مسائل سے ان کا کوئی ربط نہیں ھے، اسی طرح عقلی قوانین؛ مثلاً منطقی اور فلسفی قوانین اور میتہ میٹھک کے مسائل سے ھماری بحث نہیں ھے، بلکہ ھماری بحث ان قوانین سے ھے کہ جو قابل وضع ھیں جن کو اصطلاح میں ”اعتباری قوانین“ کھا جاتا ھے، ان قوانین کا اعتبار اور ان کا جاری کرنا اس صورت میں صحیح ھے کہ کوئی معتبر مرکز ان کو وضع کرے، اور قوانین کی تین قسمیں ھیں:

الف- قانون اساسی
قانون اساسی (بنیادی قوانین) ان قوانین کو کھتے ھیں کہ معمولاً ثابت اور ھر ملک کی ثقافت کے اعتبار سے بنائے جاتے ھیں، یہ قوانین نسبتاً ثابت (غیر قابل تبدیل) ھوتے ھیں اور ایک طولانی مدت تک جاری رھتے ھیں، یہ روز مرہ والے قوانین نہیں ھوتے او رانھیں کو معاشرہ کو ادارہ کرنے کی اصل سمجھا جاتا ھے،یہ قوانین ثابت ھونے اورپیھم تبدیلی نہ ھونے کی وجہ سے کلّی اور محدود ھوتے ھیں؛ اسی وجہ سے ھر ملک کے اساسی اور بنیادی قوانین چند اھم اور بنیادی اصولوں کو شامل ھوتے ھیں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لھٰذا جزئی اور وہ وقتی قوانین کہ جن کی ضرورت بھی زیادہ ھے لیکن زمان ومکان کے لحاظ سے بدلتے رھتے ھیں، ان کو قانون اساسی میں رکھا جائے،اور قانون اساسی میں کلّی قوانین او رثابت قوانین پر ھی اکتفاء کی جائے اور اس میں جزئی قوانین کو بیان کرنے سے پرھیز کیا جائے، مگر وہ جزئی اور محدود قوانین کہ جو اھم ھیں او ران کا ذکر ھونا ضروری ھو-

ب- پارلیمینٹ کے بنائے گئے قوانین
قوانین کی دوسری قسم وھھے کہ جن کو پارلیمینٹ میں بنایا جاتا ھے ، اگرچہ بعض مملکوں میں پارلیمینٹ کے علاوہ ''مجلس سنا''بھی بنائی جاتی ھے یا اس کو کوئی دوسرا عنوان دیدیا جاتا ھے، اور اس کے قوانین بھی پارلیمینٹ کے قوانین کی طرح معتبر مانے جاتے ھیں،ھمارے ملک میں بھی پارلیمینٹ کے علاوہ ایک ''مجلس شورای نگھبان'' ھوتی ھے کہ جو دوسرے ممالک میں مجلس سنا یا قانون اساسی کورٹ کی طرح ھے جس میں کچھ فقھاء اور حقوق داں حضرات شامل ھیں ، مجلس شورای نگھبان اسلامی پارلیمینٹ کے بنائے گئےقوانین کو قانون اساسی اور قوانین شرعی سے تطبیق کرتے ھیں، اور اگر وہ قوانین قانون اساسی اور قانون شرعی سے موافق نہ ھوں تو ان کو لوٹا دیتے ھیں تاکہ ان پر نظرثانی کی جاسکے-

ج- انجمنِ حکومت کے بنائے گئے قوانین
ھر ملک مینپارلیمینٹ کے بنائے گئے قوانین کے علاوہ دوسرے مرکزوں کے ذریعہ بھی قوانین بنائے جاتے ھیں اور وہ بھی لازم الاجراء ھوتے ھیں،جس کا نمونہ انجمن حکومت ( ھیئت دولت) کے بناکے ھوئے قوانین ھیں ،قانون اساسی نے اس بات کی اجازت دی ھے کہ حکومتی انجمن خاص موقعوں پر قانون بنائے، اسی طرح صدر مملکت بھی خاص موقعوں پر اپنے مرضی کے مطابق تصمیم گیری کرے، اور یہ حکومتی انجمن اور صدر مملکت کے بنائے ھوئے قوانین پارلیمینٹ میں نھیں جاتے بلکہ خود ھی قانونی اور لازم الاجراء ھوتے ھیں،اور اسی طرح وہ قانون دستاویز اور بخش نامے جو کسی وزیر کے ذریعہ بعض اداروں اور دوسرے مرکزوں کو دئے جاتے ھیں،اور ان کو بھی ایک طرح کا قانون کھا جاتا ھے اور حکومت ان کو بھی جاری کرنے کی ضامن ھوتی ھے،لھٰذا ھمارے ملک اور اسی طرح دوسرے بعض ملکوں میں تین طریقہ کے قانون ھوتے ھیں:
1-قانون اساسی-
2-پارلیمینٹ کے بنائے ھوئے قوانین-
3-حکومتی انجمن یا صدر مملکت کے بنائے ھوئے قانون او راسی طرح ان مرکزوں کے قوانین جن کو قانون نے ھی اجازت دی ھو-
اور ظاھر ھے کہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں کسی بھی زمانہ میں ممکن نھیں ھے کہ تمام قوانین ومقررات کو ایک جگہ اور ایک ھی زمانہ میں بنالیا جائے، چونکہ وضع شدہ قوانین اور اجرائی آئین نامے زمان ومکان کے بدلنے کے لحاظ سے ضرورت ھے کہ قانون تبدیل ھوں یا ان پر تجدید نظر ھو، مثلا پارلیمینٹ آج کوئی قانون بناتا ھے لیکن ھوسکتا ھے کہ کل حالات بدل جائیں اور اس قانون کو بدلنے اور ان میں تجدید نظر کرنے کی ضرورت پیش آجائے، اسی طرح اجرائی مقررات اور قوانین بھی حالات کے لحاظ سے قابل تبدیل ھیں اوران پر نظر ثانی ھوتی رھتی ھے-
اسی طرح جب کوئی حکومت بدلتی ھے تو ایک محدود دائرے میں رہ کر کچھ قوانین کو بدل سکتی ھے، البتہ وہ لوگ جو معاشرہ کی بھبودی چاھتے ھیں ان کی ھمیشہ کوشش یھی ھوتی ھے کہ قوانین کو اس طرح دقت اور غور وفکر کرنے کے بعد بنایا جائے کہ معاشرہ کے لئے بھت مناسب ھوں او راس میں کم سے کم خامیاں ھوں، ظاھر ھے کہ جب ھم یہ کھتے ھیں کہ قوانین کو اسلامی ھونا چاھئے تو اس سے ھماری مراد یہ نھیں ھوتی کہ تمام قوانین چاھے قانون اساسی ھوں یا پارلیمینٹ کے بنائے ھوئے قوانین، سب کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ھے-

5-قوانین کا اسلامی ھونے کا مطلب
قوانین اور مقررات کے اسلامی ھونے اور ان کے معنی کی وضاحت کے بارے میں ، عمومی قوانین کے اوپر نظر کرنا مفید ھے ،نمونہ کے طور پر قوہ مجریہ یا ھیئت حکومت اسی دائرے میں رہ کر قوانین کو بناسکتی ھے کہ جن میں پارلیمینٹ نے اجازت دی ھو، یعنی ان کے دائرہ وسیع نھیں ھے، دوسرے الفاظ یوں عرض کیا جائے کہ ان کے اختیارات کی حد، قانون اساسی اور قانون پارلیمینٹ معین ومحدود کرتے ھیں، او راجرائی قوانین بھی اسی کے تحت ھونا چاھئے،

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

یعنی یہ قانون ان کلّی احکامات کے مصادیق ھیں کہ جو قانون اساسی اور پارلیمینٹ کے قانون میں پاس ھوچکے ھیں، لھٰذا یہ قانون پھلے قانون اساسی اور قانون پارلیمینٹ میں بیان ھوتے ھیں،اس کے بعد ھیئت حکومت یا دوسرے صاحب منصب حضرات خاص موارد میں ان کلیات کے مصادیق کو قانون کی شکل میں تنظیم کرتے ھیں -
خلاصہ یہ کہ یہ قانون صرف ان کے دل خواہ نھیں ھوتے بلکہ قانون اساسی اور قانون پارلیمینٹ کے موافق ھوتے ھیں،اور پارلیمینٹ کے قانون بھی شورای نگھبان کے تائید شدہ ھونے چاھئے اور اسی صورت میں یہ قانون معتبر ھوتے ھیناور ان کے جاری ھونے کی ضمانت ھوتی ھے، لھٰذا ان قوانین کا معتبر ھونا اور لازم الاجراء ھونا اس چیز پر موقوف ھے کہ وہ پارلیمینٹ کے قوانین کے موافق ھوں ، اور پارلیمینٹ کے قوانین کے معتبر ھونے کا معیار یہ ھے کہ وہ قانون اساسی کے موافق ھوں،اور قانون اساسی کے معتبر ھونے کا معیار یہ ھے کہ وہ خداوندعالم کے تشریعی ارادہ کے تابع ھوں، اس ترتیب کے لحاظ سے یہ قوانین ایک دوسرے کے تابع ھوتے ھیں او ران کے معتبر ھونے میں اس طرح کا لحاظ ضروری ھے کہ یہ تمام قوانین، اسلام اور خداوندعالم کے تشریعی ارادہ پر ختم ھوتے ھوں؛ نہ یہ کہ تمام قوانین اور مقررات اور آئین نامے اور پارلیمینٹ کے قوانین سب کے سب قرآن مجید اور احادیث شریف میں موجود ھوں-
اگر خدا وندعالم نے پیغمبر اکرم (ص) کو اتنا اختیار عنایت کیا کہ خاص موارد میں خاص قانون بناسکتے ھیں، اور چونکہ اس قانون میں خداوندعالم کی اجازت اور اس کا ارادہ شامل ھے ،معتبر اور لازم الاجراء ھے، رسول اکرم (ص)کی اطاعت او ران کی پیروی خدا وندعالم کے حکم سے واجب ھے اور اسی حکم خدا کے زیر سایہ پیغمبر اکرم کا بنایا ھوا قانون بھی معتبر ھے، اور ھم مسلمانوں پر ان کی اطاعت او رپیروی واجب ھے؛ ورنہ اگر ھم خدا کے حکم سے صرف نظر کرلیں تو پیغمبر کے دستورات خودبخود واجب نھیں رہ جاتے-
لھٰذا وہ قوانین جو براہ راست خداوندعالم کی طرف سے ھوناور قرآن مجید میں صاف صاف بیان ھوے ھوں پھلا درجہ رکھتے ھیناور خود بخود معتبر ھیں، اس کے بعد خدا کے حکم سے رسول اکرم کے بنائے ھوئے قوانین دوسرے درجہ میں قرار پاتے ھیں، او رآپ کے بنائے ھوئے قوانین خدا کے حکم کی وجہ سے معتبر ھیں، اسی طرح ائمہ معصومین علیھم السلام کے بنائے ھوئے قوانین او راحکامات خدا کے حکم کی وجہ سے معتبر ھیں؛کیونکہ خدا او رپیغمبر نے ائمہ (ء) کی اطاعت کو واجب کیا ھے -
اب اگر ھم اپنے کو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے زمانہ مینکسی اسلامی منطقہ میں فرض کریں بے شک آپ کی اطاعت کو اپنے اوپر واجب جانتے،مثلاً آپ مالک اشتر کو اس شھر کا والی بناکر بھیجتے او ریہ فرماتے کہ ان کے احکامات اور دستورات کے اوپر عمل کریں اور ان کی نافرمانی نہ کریں اور جس نے ان کی اطاعت کی میری اطاعت کی ؛ اگرچہ مالک اشتر کے احکامات کا بذات خود کوئی اعتبار نھیں ھے اور وہ بھی دوسروں کی طرح ھوتے، لیکن چونکہ امام کا حکم ھواھے لھٰذا اس صورت میں ان کی طاعت واجب اور ان کے احکامات لازم الاجراء ھیں، کیونکہ یہ امام معصوم کی طرف سے مقام ولایت پر فائز ھیں اور خدا اور پیغمبر کی طرف سے منصوب ھوئے ھیں لھٰذا ان کی اطاعت واجب مانی جاتی ھے، جب کہ امام معصوم کی طرف سے منصوب شدہ والی اور حاکم کے دستور او رفرمان تیسرے درجہ میں حساب ھوتے ھیں ، مثال کے طور پر اگر اسلامی پارلیمینٹ نے کسی صاحب منصب کو یہ اختیار دیدے کہ وہ کسی چیز کے بارے میں کوئی دستور العمل بنائے ،اورچونکہ اس کے اس کام کا اختیار دیا گیا ھے لھٰذا اس کے بنائے ھوئے قوانین لازم الاجراء ھیں،اسی طرح قوانین پارلیمینٹ بھی قانون اساسی کی وجہ سے معتبر ھے اور اس کے بنائے ھوئے قوانین قانون اساسی کی وجہ سے معتبر ھوتے ھیں-
لیکن دوسرے ممالک میں قانون اساسی کا اعتبار لوگوں کے ووٹ اور رائے گیری پر ھوتا ھے، لیکن ھم قانون اساسی کا مقام اس سے بڑہ کر بلند مانتے ھیں اور یہ عقیدہ رکھتے ھیں کہ قانون اساسی کا اعتبار خدا کی اجازت پرمنحصر ھوتا ھو کہ پیغمبر یا امام معصوم یا کوئی شخص مالک اشتر کی طرح اس قانون اساسی کی تائید کرے، اس وجہ سے قانون کا اعتبار خدا ، رسول اور ائمہ علیھم السلام کے کلام کی وجہ سے ھے اور اس کے بعد اس شخص کی وجہ سے ھوتا ھے کہ جو امام معصوم کی طرف سے معین ھو،اور یھی اسلام کا فلسفہ اور تھیوری ھے، امام معصوم (ء) کی غیبت کے زمانہ میں چونکہ ولی فقیہ عمومی اعتبار سے امام علیہ السلام کی طرف سے منصوب ھے تو اس کی ولایت امام معصوم (ء) کی طرف سے تائید شدہ اور معتبر ھے، اور ولی فقیہ کی تائید سے قانون اساسی معتبر ھوتا ھے، اور اس کے علاوہ قانون اساسی بذات خود معتبر نہ ھوگا، اور اس پر سوالیہ نشان باقی ھے کہ اس کا اعتبار کھاں سے ھے اور کس حد تک یہ معتبر ھے، اور کن لوگوں کو حق ھے کہ وہ قانون اساسی کو بدل سکیں،وہ قومیں جو اقلیت میں ھےں اور انھوں نے قانون اساسی کے بارے میں ووٹ نھیں دیا ھے کس وجہ سے یہ لوگ اس قانون اساسی کی پیروی کریں اور اسی طرح کے دوسرے بھت سے سوالات، لیکن اگر ھمارا نظریہ یہ ھو کہ قانون اس صورت میں معتبر ھوگا جب امام معصوم کی طرف سے معین شدہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

شخص اس کی تائید کردے ، تو پھر کسی سوال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رھتی۔

6-اسلامی حکومت میں قانون گذاری کا مسئلہ

اب تک یہ بات واضح ھوچکی ھے کہ قانون گذاری کے سلسلہ میں اسلامی حکومت کی تھیوری ، یہ ھے کہ قانون کا اعتبار خداوندعالم کی طرف سے ھے اور اس کے بعد جس کو خداوندعالم یہ اجازت دیدے، مثلاً پیغمبر اسلام تو پھر ان کا کلام بھی معتبر ھے اور اسی طرح پیغمبر جس کو منصوب کردیں ھمارے لئے معتبر ھیں جیسے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو منصوب فرمایا لہٰذا ان کا کلام ھمارے لئے معتبر ھوا، اور اسی طرح اگر امام معصوم کسی کو عمومی یا خصوصی طور پر منصوب کردیں تو اس کا کلام بھی ھمارے لئے معتبر ھے،وہ فرمان اور احکامات کہ جودرجات عالیہ سے صادر ھوتے ھیں الٰھی اور اسلامی ھینکیونکہ خداوندعالم کی طرف سے تائید شدہ ھیں، البتہ جیسا کہ ھم نے پھلے بھی عرض کیا کہ اسلامی حکومت میں کبھی کبھی یہ تائید چندواسطوں کے ذریعہ انجام پاتی ھے ، ولی فقیہ کے لئے امام معصوم کی تائید ھوتی ھے اور امام معصوم علیہ السلام کے وارادہ واختیار کی تائید پیغمبر اکرم کی تائید سے ھوتی ھے اور آخر میں پیغمبر اکرم ھیں کہ جن کا اعتبار قرآن کریم کے صاف صاف بیان سے ھوتا ھے، جیسا کہ خداوندعالم ارشاد فرماتا ھے:

(یَا أَیُّها الَّذِیْنَ أَطِیْعُوا اللّٰہ وَأَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ أُوْلِی الأمْرِ مِنْکُمْ (1)

”اے ایماندارو خدا کی اطاعت کرواور رسول کی اور جو تم میں سے اولی الامر ھو ان کی اطاعت کرو“

اسی طرح یہ آیت بھی:

(اَلنَّبِیُّ أُوْلیٰ بِالْمُؤمِنِیْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ)(2)

”نبی تو مومنین سے خود ان کی جانوں سے بھی بڑہ کر حق رکھتے ھیں“

بے شک مذکورہ رابطہ اسلام کے وضع شدہ اصول کے اعتبار سے ان لوگوں کے لئے مکمل طورپر قابل قبول ھے کہ جو خدا، پیغمبر اور امام معصوم کا اعتقاد رکھتے ھوں، اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا ھم اس مسئلہ کو سادہ زبان میں ان لوگوں کے لئے بیان کریں کہ جو نہ خدا کو مانتے ھیں اور نہ ھی رسول خدا کو،اور امام معصوم کی حقانیت میں شک کرتے ھوں، ان کے لئے ایک دوسرے طریقہ سے بحث ھونا چاھئے: سب سے پھلے اسلام کے بنیادی اصول کو بیان کریناور اس کے بعد دوسرے مسائل کے بارے میں بحث کریں جیسے حکومت وسیاست کے مسائل، البتہ ممکن ھے کہ اس بحث کو آزاد طریقہ سے بھی بیان کیا جاسکتا ھے کہ اس طرح کی قانون گذاری بھتر اور معاشرہ کے لئے مفید تر ھوسکتی ھے یا قانون گذاری کے دوسرے طریقے کہ جو رائج ھیں۔

7-اسلامی حکومت میں قانون کے جاری کرنے والوں کو منصوب کرنا

اسلام کی سیاسی تھیوری میں قانون کو خدا کی طرف سے ھونے کے ساتھ ساتھ ، ولایت کے زیر نظر قوانین اور مقررات اگر خدا، رسول خدا، امام معصوم اور ن کے خاص یا عام جانشینونکی تائید حاصل ھو تو وہ قوانین معتبر ھوجاتے ھیں،اس کے ساتھ ساتھ قوانین کا اجراء کرنے والا بھی خدا وندعالم کی طرف سے معین ھو، (البتہ قوہ قضائی بھی قوہ مجریہ سے مربوط ھوتی ھے ، لیکن اس کی خاص اھمیت کی خاطراور اس وجہ سے کہ اختلاف وغیرہ کو حل کرنے کا ایک بھترین مرکز شمار ھو ،اور قوانین کو جاری کرنے سے پھلے ان کے مصادیق پر منطبق کرے، اس کے لئے مستقل مقام اور خاص شرائط معین کئے گئے ھیں)

جس وقت پیغمبر یا امام معصوم حاضر ھوں تو وہ خود قانون کے جاری کرنے کے ذمہ دار ھیں یا یہ حضرات کسی کو اپنی طرف سے منصوب کرینکہ قانون کو جاری کرنے کا ذمہ دار ھو؛ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے جناب مالک اشتر کومصر کا والی وحاکم منصوب کیاتاکہ وھاں جاکر قوانین کا نفاذ کرے، لیکن امام علیہ السلام کی غیبت میں کہ جب عوام الناس امام تک نھیں پھونچ سکتی،قانون کے نفاذ کی ذمہ داری اس شخص کی ھے کہ جس کو امام نے بطور عام منصوب کیا ھو، اور یہ وھی ولایت فقیہ ھے کہ ھم جس کے بارے میں بعد میں گفتگو کریں گے ،(انشاء اللہ)

یہ بات واضح ھوچکی ھے کہ اسلام کی سیاسی تھیوری اور اسلام کے حکومتی ڈھانچے میں جس طرح قانون کو خدا کی طرف سے ھونا چاھئے(یعنی قانون یا قرآن مجید میں موجود ھو یا احادیث پیغمبر میں موجود ھو کہ جس کا اعتبار بھی خدا کی طرف سے ھے یا امام معصوم کی طرف سے کہ جن کا اعتبار پیغمبر اکرم کی وجہ سے ھے، یا اس شخص کی طرف سے ھو کہ جس کو خدا یارسول یا امام نے قانون گذاری کی اجازت دی ھو، ) یعنی اسی طرح قانون کا نافذ کرنے والا بھی خدا وندعالم کی طرف منسوب ھو ، اور وہ خداوندعالم کی طرف سے خاص یا عام طور پر معین کیا گیا ھو۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسی طرح قوہ قضائیہ بھی خداوند عالم کی طرف منسوب ھو یعنی قاضی یا تو براہ راست خدا وندعالم کی طرف سے معین ھو یا غیر مستقیم طور پر معین ھو ،اور اگر قاضی کسی بھی طرح خداوندعالم سے نسبت نہ رکھتا ھو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ھے -

قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کو براہ راست قضاوت کے لئے منسوب کرنے کے بارے میں ارشاد ھوتا ھے :

(يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِيْفَةً فِیْ الأَرْضِ فَاحْکُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحِقِّ،) (3)

''(ھم نے فرمایا) اے داؤد ھم نے تم کو زمین پر (اپنا)نائب قرار دیا تو تم لوگوں کے درمیان بالکل ٹھیک فیصلہ کیا کرو''

پیغمبر اکرم کے بارے میں ارشاد ھوتا ھے:

( ...لِتَحْکُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللّٰہ،) (4)

''جس طرح خدا نے تمھاری ھدایت کی ھے اسی طرح لوگونکے درمیان فیصلہ کرو''

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ھوتا ھے:

(فلَا وَرَبِّکَ لَايُؤمِنُونَ حَتّٰی يُحَکِّمُوکَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهمْ...)(5)

''پس (اے رسول) تمھارے پروردگار کی قسم اس وقت تک یہ لوگ سچے مومن نہیں ھوں گے جب تک اپنے باھمی جھگڑونمیں تم کو اپنا حاکم (نہ) بنائیں''

نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی سیاسی تھیوری ،حکومت ،سیاست اور معاشرہ کی مدیریت اورتمام کے تمام امور خداوند عالم کے تشریعی ارادہ پر ختم ھوتے ھوں-

حوالہ

1 سورہ نساء آیت 59-

2. سورہ احزاب آیت6

3. سورہ ص آیت 26

4. سورہ نساء آیت 105

5- سورہ نساء آیت 65

اسلام اور سیاست جلد(۱)

نواں جلسہ

**دینی نظام میں قوانین کامقام**

1-اسلام کے سیاسی نظریہ کے اصول

اس بات کا خیال رھے کہ اسلام کے سیاسی نظریہ اور فلسفہ کی بحث سے متعلق اصول موجود ھیں ،بعض افراد ان سب کو قبول کرتے ھیں اور کچھ لوگ صرف بعض کو قبول کرتے ھیں اور چند ایسے بھی ھیں جو ان میں سے کسی کو قبول نہیں کرتے ھیں ، لیکن اس نظریہ کو ثابت اور بیان کرنے کے لئے ضروری ھے کہ اس کے اصول کوبیان کیا جائے اور اس اعتبار سے کہ ان میں سے کچھ اصول بہت واضح ھیں لہٰذا صرف اس کے اشارہ اور مختصر توضیح پر اکتفا کی جائے گی ،اور واضح بحثوں کے ذکر سے اجتناب کیا جائے گاکیونکہ واضح اور روشن بحثوں کو کسی بھی علم میں بیان نہیں کیا جاتا ،اور زیادہ تر اصولی بحث کی جائے گی تاکہ بحث کے لئے راہ ھموار ھوسکے -

الف-قانون

ھماری بحث کے عناوین اور اصول میں بیان ھوا ھے کہ معاشرہ ،قانون کا محتاج ھے جیساکہ یہ بات بیان کی جاچکی ھے ، اسلام کے سیاسی نظریہ کی دوسری اصل یہ ھے کہ قانون کو خدا کی طرف سے ھو نا چاھیئے اور جیسا کہ یہ بات بھی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بیان کی جا چکی ھے کہ اس کا نفاذبھی خداھی کی طرف سے ھونا چاھئے ، قانون الھٰی سے مراد یہ ھے کہ یا خود خدا نے قانون بنایا ھو اور اس کو قرآن میںنازل کیا ھو یا پیغمبر اکرم اور معصوم (ء)امامونکو قانون بنانے کی اجازت ملی ھو،تاکہ مختلف حالات میںاسی کے اعتبار سے قانون بنائیں، اسی بنا پر قانون کی تین قسمیں ھیں:

1-وہ قانون جس کو خدا نے بنایا ھے اور پیغمبر اور امام (ء)اس کے بنانے میں شریک نہیں ھیں -

2-وہ قانون جس کو معصوم (ء)نے خدا کی اجازت سے بنایا ھے -

3-وہ متغیر قوانین جن کو کچھ افراد معصوم (ء)کی اجازت سے بناتے ھیں، یہ قوانین اسلامی معاشرے کے لئے معتبر قرار دئے گئے ھیں ،اس لئے کہ آخر کا ر ان کی بازگشت حکم خدااور اس کی اجازت کی طرف ھوتی ھے ،اس بنا پر خداوند عالم خود قانون کو بناتاھے اور خدا کے قوانین قرآن میں ذکر ھوئے ھیں لیکن قانون کا نافذکرنے والا خدانھیں ھے قانون کا نافذکرنے والا یسا شخص ھونا چاھیئے جو معاشر ے میں موجودھواور لوگ اس کو دیکھتے ھوں،وہ لوگونکو امر و نھی کرے اور قوانین کو نافذکرے ،پھلے مرتبہ میں پیغمبر اور امام معصوم (ء)ھیں اوردوسرے مرتبہ میں وہ افراد ھیں جن کو پیغمبریاامام معصوم (ء)کی طرف سے نفاذِقانون کی اجازت ملی ھو ،اس بناپر کچھ حضرات پیغمبراکرم یاامام معصوم (ء)کے زمانے میں اسلامی علاقوں اور صوبونکے والی اور کارندہ کے عنوان سے اجرا ء قوانین کے لئے بھیجے جاتے تھے اور غیبت امام (ء)میں اس کام کے ذمہ د ار فقھاء اور مراجع کرام ھیں جوبطور عام نصب ھو ئے ھیں ،اور قوانین کے اجراء کے ذمہ دار ھیں -

اب تک جو کچھ بیان ھو ااس حکومت کے کلیات تھے کہ جس کے دو حصہ تھے قانون گذاری اور قوانین کا نفاز، اور جیسا کہ عدالت کا محکمہ در حقیقت اجرائی محکمہ کا ایک جز ھے ، انشائا،،،ھم اس کی اھمیت کی خاطر الگ سے بحث کریں گے-

2-طبعی اور بنائے گئے قوانین کی اھیمت

یہ بات بیان جاچکی ھے کہ ھماری بحث کے اصول اورمسلمات مینسے ایک اصل یہ ھے کہ معاشرہ کیلئے قانون کاھونا ضروری ھے،اور دوسری اصل یہ ھے کہ ھماری نظر میں ایسا قانون معتبر ھے جس کا بنانے والا بلاواسطہ یابالواسطہ خداھو،اس نظریہ کے مقابلہ میں ایسے بھی لوگ ھیں جنھوں نے یہ کھا ھے کہ معاشرہ قانون کا نیازمند نھیں ھے خواہ وہ قانون خدا بنائے، خواہ دوسرے افراد، البتہ اس موجودہ دور میں اس نظریہ کے طرفدار موجود نھیں ھیں،کیو نکہ جن حالات میں ھم زندگی بسر کرھے ھیں سب قانون کی ضرورت کا احساس کرتے ھیں اور کوئی بھی ایسا نھیں ھے جومعاشرہ کے لئے قانون کی ضرورت کامنکر ھو،اس دور میں یھاں تک کہ ایک مختصر سے دیھات کے رھنے والے بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ھیں کہ ایسے قوانین اور دستورات ھونے چاھئیں کہ جنکی وہ پیروی کریں-

لیکن گذشتہ زمانے میں زندگی بسرکرنے کا طر یقہ بھت سا دہ تھا کچھ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ ھمیں قوانین بنانے کی ضرورت کوئی ضرورت نھینھے ،ان کی نگاہ میں عقل خود بخودفطری قوانین کو پھچان کرایک طرح کے فطری قوانین سے آگاہ ھوجاتی ھے اور پھر اسے اس کی ضرورت نھینرھتی کہ کوئی قانون بنائے گویا قدیم زمانہ مینفطری حقوق اور فطری قوانین کانظریہ انسانی معاشرہ میں اس شکل مینبیان ھواکہ جب لوگ یہ کھا کرتے تھے کہ کس قانون پر عمل کریں ؟ تو جواب دیا جاتا تھا کہ اپنے اندر نگاہ کر و یا اس دنیا پر نظر ڈالو تاکہ تمھیں پتہ چلے کہ کون سا حکم اور قانون وھانپر حکم فرما ھے وھی قانون اپنے معاشرے میں نافذھو گا -

جیساکہ آپ نے ملاحظہ فرمایایھاں تک کہ فطری قانون کے نظریہ کی بناپر بھی قانون کی ضرورت ایک مسلم بات ھے اور یقینی طور پر اس طولانی تاریخ میں ایسے مفکرین کا وجود نھیں ملتا جو یہ دعوی کریں کہ انسان کسی طرح کے قانون کا یھاں تک کہ قانون فطری کا بھی محتاج نھیں ھے اور اس سلسلے فلسفی حضرات کے یھاں جو بھی بحث پائی جاتی ھیں وہ اس بنا پر رھی ھیں کہ کیا قوانین عقلی ، فطری اور قوانین الھٰی سے مراد وھی قوانین ھیں جن کو تمام انسان اپنی عقل سے درک کرتے ھیں اور وھی معاشرے کے لئے کافی ھیں یا خاص طور پرجو قوانین بنائے گئے ھیں اس کے بھی ھم محتاج ھیں،اور جیسا کہ ھم یہ بیان کرچکے ھیں کہ اگر گذشتہ زمانہ مینفطری قوانین یا عقلی قوانین یا مستقلات عقلیہ اپنی مختلف تفسیروں اور تعبیروں کے ساتھ کہ جن کے بیان کرنے کا یہ موقع نھیں ھے معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ھیں ،تو بغیر کسی شک وتردیدکے ،ھمارے زمانے کے حالات کے پیش نظریہ فریضہ قابل قبول نھیں ھے ،یھاں تک کہ بیان وتوضیح کے لائق بھی نھیں ھے-

آج ھر فرد اپنے گردو پیش مشاھدہ کرنے سے یہ سمجہ جاتا ھے کہ ھر روز اپنے دقیق اندرونی ،بیرونی اور بین الاقوامی روابط میں سیکڑوں اجتماعی اور بین الاقوامی قوانین کا نیازمند ھے انھیں میں سے ایک معاشرھی اور اندرونی ملک کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قوانین اور دستورات میں ٹریفک اور ٹریفک سے متعلق قوانین ھیں -
یہ حقیقت ھے کہ اگر اس زمانے میں قانون نہ ھوں تو ھر شھر اور علاقہ کے ٹرانسپورٹ اور ٹریفک کا نظام کیا ھوگا ؟ اگر گاڑیوں کی رفتار ، اور انکے چلنے کی سمت(دائیں سمت چلیں یا بائیں سمت )یا ٹریفک کے دوسرے قوانین نہ بنائے جائیں تو کتنے حادثات رونما ھوں گے؟ دنیا کے کس علاقہ میں ایسا گروہ مل سکتا ھے جو بغیرقانون کے ایک ساتھ ایک جگہ پر زندگی گزارتے ھوں ،اور ان کے درمیان خطرات اور حادثات رونمانہ ھوتے ھوں ،یہ بات صحیح ھے کہ تمام ممالک میں ٹریفک کا قانون ایک جیسا نھیں ھواکرتا ھے مثال کے طور پر کچھ ممالک جیسے انگلینڈ،جاپان وغیرہ میں گاڑیاں بائیں سمت سے چلتی ھیں اور کچھ ممالک میں (جن میں سے ایک ایران بھی ھے)گاڑیاں دائیں سمت چلتی ھیں ، بھر حال قانون بنایا جاتا ھے ،اور انسان اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ رھتا ھے وہ یہ جانتا ھے کہ کس سمت حرکت کرناچاھئیے،مذکور ہ مثال معاشرہ میں قانون کی ضرورت کا ایک نمونہ ھے، اور بے شک یہ ضرورت دوسرے مسائل از جملہ خاندانی اور بین الاقوامی حقوق میں بھی پڑتی ھے اور اس کا احساس ھو تاھے-
بین الاقوامی قانون بنانے کی ضرورت کا ایک نمونہ د ریائے خزر سے متعلق مسائل ھیں جواب بھی اس کے حاشیہ نشین ممالک کے درمیان اس سے بھرہ مندھونے کے طریقہ میناختلاف نظر آتا ھے ،فطری طور پر یہ قبول نھیں کیا جا سکتا کہ ھر شخص جس طرح سے چاھے دریا کے نیچے موجود تیل اور منابع اور دوسری ذخائر سے فائدہ اٹھائے اور تیل ،گیس اور دوسری چیزوں کے نکالنے میں کوئی قانون نہ ھو ،بلکہ ایسے قوانین بنائے جانے چاھئےں جو یہ معین کرےں کہ فلاں ملک کس حد تک دریاء کی گھرائی، موجود ہ ذخائر سے فائدہ اٹھا سکتا ھے ،جو مشکلات اس وقت پڑوسی ممالک کے لئے کھڑی ھیں وہ اس وجہ ھے سے ھیں کہ کوئی معین قانون موجود نھیں ھے ،اور سب دریا کے ذخائر کے بارے میں ایک عادلانہ تقسیم کے لئے قوانین اور دستورات کی ضرورت کا احساس کرتے میں لھٰذابشر کی ضرورت کے پیش نظر قوانین و دستورات کی ضرورت پڑ تی ھے،اور جیسا کہ کمیٹیاں اور موافقت نامہ اور دریا اور ساحل سے متعلق قوانین ( فضاء،کنویں وغیرہ )چند صدی قبل موجود نھیں تھے ،کیونکہ بشر کو اس کی ضرورت نھیں تھی ، پھر افراد ،گروھوں ،قوموں اور ملکوں کے درمیان ٹکراؤ اور اختلاف کی وجہ سے اس طرح کے قوانین کی ضرورت محسوس ھوئی-
اس بات کو پیش ِنظر رکھتے ھوئے کہ قانون ھر شخص اور معاشرہ کے دائرئہ حقوق کو معین کرتاھے ،قرآن مجید اس اصول کی طرف کہ معاشرھی زندگی قانون کی محتاج ھے خاص توجہ دلائی ھے ،البتہ شایانِ ذکر ھے کہ قانون کا وجود عام طور پرسماجی زندگی سے مخصوص ھے بلکہ اگر ایک فرد بھی زندگی گذارنا چاھتا ھے تو وہ کمال تک پھونچنے میں قانون کا محتاج ھے، البتہ فردی زندگی کے لئے اخلاقی قوانین ،کا فی ھو تے ھیں لیکن جس وقت اجتماعی مسائل مینلوگوں کے حقوق مینٹکراؤپیداھوجاتاھے تو نتیجہ میں اختلافات وجود میں آتے ھیں اورکبھی کبھی دیکھنے میں آتاھے کہ اگر کسی نے حد سے زیادہ نھر کے پانی سے فائدہ اٹھالیاتو آپس میں لڑائی جھگڑے ھوجاتے ھیں ا ور ایسی صورت میں اجتماعی قوانین بنانے کی ضرورت واضح ھوجاتی ھے-
لھٰذا،یہ بات بالکل واضح اور روشن ھے کہ معاشرہ قانون کا محتاج ھے ، اور ھر عقل مند انسان یہ جانتاھے کہ بغیر قانون کے اجتماعی زندگی،انسان کا آرام وسکون اوراس سے بڑہ کر معنوی سعادت خطرے میں پڑجاتی ھے ،جو مثالیں ھم نے عرض کی ھیں ان سے یہ بات واضح ھوجاتی ھے کہ اس طرح کے مقامات کے لئے کافی نھیں ھےں، اور ھم قوانین کے محتاج ھیں اس لئے کہ عقل ،عدل وانصاف کا حکم دیتی ھے ، لیکن ایسی حکمت عملی اپنانے کے لئے جو عدل وانصاف قائم کرے ایک دوسرے قانون کے محتاج ھیں مثال کے طور پر عقل یہ حکم دیتی ھے کہ دریائے خزرکے ذخائر کو پڑوسی ممالک میں عادلانہ طور پر تقسیم ھونا چاھیئے ، تواس وقت یہ مسئلہ پیش آئے گاکہ عادلانہ تقسیم کسے کھتے ھیں ؟کیا عادلانہ تقسیم اس کو کھتے ھیں کہ جس ملک کا رقبہ زیادہ ھو وہ ذخائر سے زیادہ فائدہ اٹھائے ،یا جس ملک کے پاس دریا کا ساحلی حصہ زیادہ ھو یا ساحل نشین کی تعدادزیادہ ھو وہ دریا سے زیادہ فائدہ اٹھائے -قانون سازکے مرکزکو اس طرح کے سوالات کا جواب دینا چاھیئے ،اسکے علاوہ دوسرے تمام مقامات کے لئے بھی قانون سازکا ھو نا ضروری ھے ،دیکھنایہ ھے کہ قانو ن ساز کون ھو؟

ب -قوانین کا مرضی الٰھی اوردین کے مطابق ھونا ضروری ھے
اسلام کا دعویٰ ھے کہ قوانین کو خدانے بنایا اور پیغمبر اکرم کے ذریعہ لوگوں پر نازل کیاھے لھٰذا پھلی اصل کو قبول کرنے کے بعد قانون کی ضرورت ھے دوسری اصل یہ ھے کہ دین کو قانون ساز کے مرکز کے عنوان سے قبول کریں ،اس مرحلہ میں اسلامی حکومت میں ایسے لوگوں کا ھونا ممکن ھے جودین کو نہ مانتے ھوں چہ جائیکہ ایک شخص غیر اسلامی حکومت میں دین کو قبول کرتا ھو ،اگر کوئی یہ کھے کہ مجھے خداکے وجود میں شک ھے لھٰذامیں دین اور اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے قوانین کو قبول نہیں کرتا ہوں تو پہلے مرحلہ میں آپ اس کے لئے یہ نہینثابت کرسکتے کہ قانون خداکو بنانا چاہیئے ،اور بنیادی طور پر جو شخص خدا کو نہیں مانتا ہے وہ قانون الٰہی کو بھی نہیں مانتا ہے ، پہلے فلسفی اور کلامی بحثوں سے خداکے وجود کو ثابت کرنا ہوگا، پھر کلامی اعتبار سے یہ بات ثابت کرنی ہوگی کہ پیغمبراور دین کا بھی وجود ہے - بعد کے مراحل میں یہ بات بیان کی جائے گی کہ وہ قانون معتبر ہے جس کو خدا نے خود بنایا ہو یا خدا کے کسی وسیلہ کے ذریعہ بناہو ،اس سے پہلے ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ممکن ہے کوئی خدا، دین اور نبوت کو قبول کرتا ہو لیکن وہ اس بات کا معتقد نہ ہو کہ سماجی قانون خداکو بناناچاہیئے ،اس کی نظر مینانسان کو خدا کی حمددوثنا، عبادت اور اس سے رازنیاز کرنا چاہیئے مسجدوں اور عبادتگاہونمیں آمد ورفت رکھنا چاہیئے، لیکن انسان کی سماجی زندگی خداسے متعلق نہیں کہ جس کے لئے خداقانون بنائے ،اس سے قبل کی بحثوں میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اس طرح کا نظریہ اسلام کی روسے صحیح نہیں ہے دین اسلام اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ کو ئی یہ کھے کہ اصل دین یعنی قرآن ، احادیث پیغمبراسلام، متواتر روایات اور پیغمبرو ائمہ علیہم السلام کی سیرت کو تسلیم کرتاہو نلیکن ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسلام کے سماجی قوانین سے میرا کوئی سرو کار نہیں ہے ؟

3-دین کی ضروری باتوں کو قبول کرنا لازمی ہے

افکار وعقائد کے مجموعہ میں کچھ ثابت اور یقینی اجزاء ہو تے ہیں جن کو اصطلاح میں -ضروریات کہا جاتا ہے اور جوشخص بھی اس مجموعہ سے واقف ہے چاہے اس کو مانے یا نہ مانے، یہ جانتا ہے کہ وہ مجموعہ ان ثابت اجزاء پر مشتمل ہے دوسرے لفظوں میں ممکن ہے ہر مجموعہ کے سیکڑوں ممبر ہوں، لیکن اس کا ایک معیار ہو نا چاہئے ،تاکہ وہ دوسرے مجموعوں سے الگ ہو سکے ، اس بنا پر اگر کسی نے دین کو ایک مجموعہ کی حیثیت سے قبول کیاہے تو اسے یہ قبول کر نا ہوگا،کہ یہ مجموعہ مستقل، دائمی اور یقینی ممبر رکھتا ہے تاکہ تمام مجموعہ سے الگ پہچانا جائے ، لیکن افسوس ! کچھ افراد کہتے ہیں کہ ہم اسلام کو قبول کرتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ اسلام ثابت اصول رکھتاہے اور تمام اشیاء کو مختلف تفسیروں اور مختلف تعبیروں کے قابل جانتا ہے ، وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اسلام کے مخالف نہیں ہیں لیکن اسلام قبول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب نماز پڑھیں، وہ نمازکا عقیدہ رکھیں اور بعض افراد پڑھنے کے بھی عادی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص مسلمان ہے وہ ضرور نماز پڑھے اور نماز کو اسلام کے ثابت ارکان سمجھے !

روزہ کے سلسلے میں اور اسی طرح دوسرے تمام اجتماعی احکام کے بارے میں معتقد ہیں کہ پیغمبر اکرم، ائمہ معصومین علیہم السلام اور تمام مسلمان اس پرعمل کرتے ہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اسلام کا دار ومدار اسی روزہ ہی پر ہے، اگر یہ نہ ہو ں تو اسلام باقی نہیں رہے گا ، یہانپر ایک سوال یہ پیدا ہو تا ہے کہ اسلام کن بنیادونپر قائم ہے کہ وہ اگر نہ ہوں تو اسلام باقی نہیں رہے گا ؟کیا آپ یہ تسلیم کر تے ہیں کہ اسلام میں تو حید ایک اصل ہے کہ اگر کو ئی اس کو قبول نہ کرے تو مسلمان نہیں ہے ؟

تو آپ جواب میں کیا کہتے ہیں کہ ہماری فہم کے مطابق اسلام سے یہ مفہوم سمجھنا صحیح ہے ممکن ہے کہ دوسرا شخص اسلام سے ایک دوسرا مفہوم سمجھتا ہو ،لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہینکہ اسلام سے صرف ہمارا سمجھنا صحیح ہے ممکن ہے دوسرا شخص اسلام سے یہ سمجھے کہ خداایک ہے یا چند خدا ہیں یا دین اسلام مینخداکا وجود بالکل ہے نہیں ، -اورہم ایسی دلیل پیش نہیں کر تے جو یہ ثابت کرے کہ ہم جو اسلام سمجھے ہیں وہ سب سے زیادہ صحیح ہے ! اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ ہم نے جو کچھ سمجھا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور کسی کو دوسری تفسیر کرنے کا حق نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری سمجہ ہماری نظر میں بہتر ہے تو ایسا دوسرں کے بارے میں بھی صحیح ہے-

بے شک ایسے افراد صرف دھوکہ بازی اور چال بازی کا قصہ رکھتے ہیں ورنہ کسی علم اور علمی مرکزمیں دو مجموعہ کہ جن کے ممبران آپس میں شریک ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدانہیں کیا جاسکتا ہے دومجموعوں کو ایک دوسرے سے اس وقت جدا کیا جاسکتا ہے جب ان دونوں کے ممبران مختلف ہوں یا کم سے کم ان میں سے کچھ کے درمیان فرق موجود ہو ورنہ دونوں مجموعے میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکے گا ، ہمیشہ دو قسم کے مجموعہ میں فرق ہونا چاہئے تا کہ ایک مجموعہ کو دوسرے سے جدا کیا جاسکے ،اگران میں سے ایک مجموعہ کے تمام ممبران دوسرے مجموعہ کی جگہ قائم مقام ہوسکتے ہوں، مثلااس مجموعہ کا (الف) ممبر دوسرے مجموعہ کے (الف) ممبر کی جگہ آئے اور اسی طرح اس مجموعہ کا(ب) کا ممبر دوسرے مجموعہ کے (ب)ممبر کی جگہ آئے تو اس وقت ایک دوسرے کومستقل سمجھنا درست نہ ہوگا -

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اگر کوئی مجموعہ دین اسلام کے عنوان سے پهچانا گیا هو اس میں دوسرے دین کے مقابلہ میں کوئی خوبی هونا چاهئیے تاکہ اس سے الگ پهچانا جائے ، یعنی اس میں ایسے ثابت اصول هونے چاهئیں جن پر اسلام استوار هے اور ایسی صورت میں اگر ایسے اصول جیسے توحید،نبوت، معادیا نمازوعبادت کے اصول کے معتقد هوں اور اسی کے ساته ان سب کو قابل تبدیل سمجهیں اور ان کے بارے میں مختلف تفسیریں بیان کریں تو هم کسی بهی ثا بت رکن کو ثابت نهیں کرسکتے اور نہ هی یہ دعویٰ کرسکتے هیں کہ یہ اصول اسلام کی ایک اصل هے۔

لہٰذا اگرهم یہ کهیں کہ اسلام کے نام پر کوئی معین مجموعہ موجود نهیں هے،توایسی شکل میں هم کس چیز سے دفاع کریں؟کس طرح سے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں، اگر هم ان کو مسلمان هونے کا طریقہ نہ بتائیں اور ان سے یہ کهیں کہ اسلام کوجس انداز سے اور جس طرح سے سمجهے هوویسے هی اس پر عمل کرواوراسلام سے اپنی فهم وادراک کے مطابق عمل کرو!اگرتم اس نتیجہ پر پهونچے کہ نماز پڑهو، تو نماز پڑهو ،اور اگر تم اس نتیجہ تک پهو نچے کہ نماز نهیں پڑهنا چاهیے تو نماز نہ پڑهو،تم آزاد هو، اور اپنی فهم کے مطابق عمل کرو! ،تو اسلام سے اسطرح کا ادراک،مسیحیت یا دوسرے مذاهب کے ادراک سے کیا فرق رکهتا هے؟ پهر کیوں لوگوں کو اسلام کی طرح دعوت دیں!اگر یہ طے هے کہ هر شخص اپنے فهم وادراک کے مطابق عمل کرے اور کوئی اصول،اور ثابت کلیہ موجود نہ هو تو هم صرف لفظی طور سے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے رهے هیں،اس فکر کی بنیاد پر پهر یہ فرق باقی نهیں رہ جاتا کہ هم لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے رهے هینیا مسیحیت کی طرف یا اصلاًبے دےنی کی طرف دعوت دے رهے هیں!

4-اسلام،اصول اور ثابت معرفتیں

کسی شخص کا یہ کهنا دهوکہ بازی اور نفاق هے کہ میں اسلام کو قبول کرتا هوں لیکن اسلام سے ایک ثابت مفهوم کو درک نهیں کرتا ، اس کے تمام اصول قابل تبدیل هیں اور مختلف تفسیریں هیں،ایسی صورت میں اسلام سے وهی بات سمجهنا ممکن هے جو مسیحیت سے سمجهی جاتی هے تو ان دونوں میں کوئی فرق نهیں رهے گا اور ایک مسلمان اور مسیحی میں کوئی فرق نهیں رہ جائے گا،مثلاًهر ایک بلنڈ نگ مستحکم اجزاء سے بنتی هے جیسے ستون، دیوار اور چهت وغیرہ، اور پهر ایک مدت کے بعد ویرانہ میں تبدیل هوجاتی هے یہ دعویٰ نهیں کیا جاسکتا کہ بلنڈنگ -کے اجزاء مستحکم نهیں هیں ،یہ نهیں کهہ سکتے کہ ایک بلنڈنگ میں ستون ،دیوار اور چهت هےں تو بلنڈنگ هے اور اگر نهیں هےں تب بهی بلڈنگ هے ،اگر زمین ،هوا اوردریا میں هو تب بهی بلڈنگ اور اسمیں کسی طرح کی خصوصیت اور مستحکم وثابت اجزا ء موجود نهیں هوتے هیں ،اسی طرح اسلام بهی ثابت اور معین اجزاء سے وجود میں آتا هے اور اگر اسلام میں ثابت اور کلی اصول نہ هوں تو هم یہ نهیں کهہ سکتے کہ یہ مجموعہ هے اور وہ اسی طرح کامجموعہ هے۔

اس بنا پر اگر کوئی اسلام کو قبول کرے تو اسے چاهئے کہ اِس مجموعہ سے ایک حصہ کو ثابت اجزاء کے عنوان سے قبول کرے البتہ ممکن هے کہ اس مجموعہ کا ایک حصہ مشکوک بهی هو ،یا ایسا کهلاهوا مجموعہ هو کہ جس میں کچه اجزاء کم وزیاد هو سکتے هوں ،لیکن اس کا هرگز یہ مطلب نهیں هے کہ ایک مجموعہ میں کسی طرح کے ثابت اجزاء نهیں پائے جاتے هیں جس کی وجہ سے ایک مشخص مجموعہ کے عنوان سے باقی رهے ۔

اسلام کے بنیادی اور کلی عناصر کو دوست ودشمن سب جانتے هینتوحید،نبوت اور معاد کے علاوہ اسلام میں دوسرے بهی سیاسی امور هیں جو سب جانتے هیں حد هے کہ منکرین خدابهی اس سے واقف هیں ،نمونہ کے طور پر نمازاور حج کو اسلام کے اصلی عناصر کا جزء سمجها جاتاهے دنیاکے تمام افراد یہ جانتے هیں کہ مسلمان مخصو ص دنوں میں حج کرتے هیں ،ایسی صورت میں کیا کو ئی یہ کهہ سکتا هے کہ جس اسلام کو میں نے سمجها هے اس میں حج نهیں هے ، سبهی یہ جانتے هیں کہ اسلام میں نماز هے اب اگر کو ئی یہ کهے کہ میں اسلام کو قبول کرتاهوں لیکن اسلام سے جو میں سمجها هوناس کی بنیاد پر نماز ،اسلام میں نهیں هے تو ایسا شخص یا اسلام کو نهیں سمجها، یا جهوٹے طریقہ سے اپنے کو مسلمان کهلواتا هے جبکہ منافق یا دهوکہ بازهے، اور یہ اس لئے کرتا هے کہ اپنے کو مسلمان بتاکر ایک مسلمان کی خصو صیت سے محروم نہ کرے، اور اسے اسلامی معاشرہ سے نکالانہ جائے، ورنہ نماز،روزہ اور حج اس مجموعہ کے ثابت ارکان میں سے هیں ، اور مسلماً تمام مسلمانوں کے نزدیک دن کے ضروری مسائل کا جزء هیں ۔

اگر کوئی اسلام سے واقف هوتو کیا وہ یہ کهہ سکتاهے کہ اسلام میں چوری سے روکنے کے لئے سزاکا قانون نهینهے جب کہ قرآن نے آیت:

(اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ-)(1)

میں اس مسئلہ کی صراحت کی هے ، اسی طرح دوسرے تمام مقامات پر بهی قرآن کی صریح نص موجود هے

لہٰذا اسلام کے ضروری احکام ثابت کر دیئے گئے هیں اور اب همارے لئے یہ ضروری نهیں کہ هم پهر سے انهیں سمجهیں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور ایک ایک کو ثابت کریں ، اس بناپر اگر یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام جس کی بنیاد قرآن پر ھے وہ خدا کی جانب سے آیا ھے اور حق ھے تو یہ قبول کر یں کہ جو کچھ بھی قرآن میں ھے وہ حق ھے اور قرآن ایک طرح کے محکم ، قطعی اور ضروری امور پر مشتمل ، البتہ کچھ آیتوں کی مختلف تفسیریں ھونا ممکن ھےں ،لیکن ایک آیت سے صرف دو مختلف تفسیرونکا وجود اس بات کی غمازی نہیں کرتا کہ قرآن سے کسی ثابت اور قطعی امور کا استنباط نہیں ھو سکتااور ھر شخص جو چاھے اس سے درک کرے۔

اگر کوئی شخص عربی زبان سے واقف ھے اورقرآن کی طرف مراجعہ کرے تو وہ قرآن سے ایک ایسے مطلب کو درک کرسکتا ھے کہ جو انسان کے مختلف ادراکات سے کوئی ربط نہ رکھتا ھو،اور نہ ھی اس کا گذشتہ افکار و مسلمات سے کوئی رابطہ ھو ، اور نہ ھی ھمارے ان قوانین کے تابع ھو جن کو ھم علوم سے درک کرتے ھیں مثلاًقرآن کی ایک آیۃھے جو ھمیں نماز کا حکم دیتی ھے یا ایک ایسی آیت ھے جو چور کے ھاتہ کاٹنے کا حکم دیتی ھے وہ شخص جو کسی زمانے میں عناصرچھار گانہ ، ساتوں آسمان کا معتقد تھاآیت سے وھی سمجہ رھا تھاجو آج'' انیشٹن'' کی نسبت کی تھیوری کے بعد سمجہ رھاھے اوراستنباط کر رھا ھے اور یہ نہیں کھاجا سکتا کہ آج انیشٹن کی نسبت کی تھیوری پائی جارھی ھے لھٰذاآیت کے معنی بدل گئے ،ممکن ھے کہ ایسی آیت ھو جس کے کلمات لغات میں تبدیل اور دوسرے علمی مسائل سے مربوط ھوں ،لیکن کچھ مطالب ایسے ھیں جن کا سمجھنا دوسرے مختلف علوم سے مربوط نہیں ھے اور فطری طور سے ان میں تبدیلی کا شبہ بھی نہیں پایاجاتا۔

5-قرآن کریم کے ثابت اور قطعی احکام ومفاھیم

ھم یہ بیان کر چکے ھیں کہ اسلام میں ایک طرح کے ضروری احکام موجود ھیں جو کہ ثابت ھیں خواہ کوئی مسلمان ھو نہ ھو یہ جانتاھے کہ اسلام میں کچھ ضروری مسائل ھیں،اسی طریقہ سے ایک طرح کے قطعی مفاھیم قرآن سے بھی استنباط ھوتے ھیں چاھے کوئی قرآن کو قبول کرے یانہ کرے ،وہ قرآن سے ان مطالب کو درک کرتاھے اور ان مطالب کا سمجھنا عربی سے واقفیت پر موقوف ھے ، اس کے مسلمان ھونے پرنہیں، ھماری گفتگوان چیزوں کے بارے میں ھے جو کسی اعتبار سے قابل تغییرنہینہیناور نظریات کے اختلاف اور ادراک کے اختلاف کے باوجود اس کے معنی اور مفھوم اپنی جگہ پر ثابت اور قطعی اور قابل اعتراض ھیں مثلاًجملہ(أَقِيْمُوْا الصَّلاَةَ-)(2)

کے معنی نمازکے واجب ھونے کے ھیں اور جملہ(كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامَ-)(3)کے معنی روزہ کے واجب ھونے کے ھیں ،چاھے جیسی علمی تھیوریاں ایجاد ھوں اور اس میں تجدید نظر ھو لیکن قرآن کے فھم و ادراک میں تبدیلی نہیں آئے گی اس کے احکام اپنی جگہ پر مسلم ھیں، جس وقت ھم دین کی ضروری مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے ھیں ان کو یقینی ،مستحکم ناقابل تبدیل سمجھتے ھیں کیونکہ ان کو اسلام کے اصلی اور قطعی منابع یعنی قرآن اور احادیث سے حاصل کیاگیا ھے اور جو لوگ ضروریات دین کے منکر ھیں اور لمبی چوڑی باتیں کرتے ھیں کہ اسلام سے مستحکم اور یقینی اصول نہیں سمجھاجاسکتا،تویا تووہ مسئلہ میں شبہ کے شکار اور جاھل ھیں یا تعصب کرتے ھیں اوراسلام پر ایمان نہیں رکھتے ھیں،بلکہ مسلمانوں سے کھیلتے ھیں -

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی سیاسی حکمت عملی ثابت اصول اور ضروریات میں سے ایک یہ ھے کہ قانون خداکی طرف سے بنے اور جو لوگ قانون الھی کے منکرھو گئے ھیں در اصل وہ ضروریات دین کے منکرھیں جس طریقہ سے قرآن کریم سے نمازپڑھنے کے وجوب کو سمجھاجاتاھے،زناکار مرد اورزناکار عورت کا حکم سمجھاجاتاھے اور جتنی صراحت کے ساتھ قرآن میں نمازو روزہ کا حکم ثابت ھے اتنی ھی صراحت کے ساتھ پیغمبرکی اطاعت بھی واجب ھے اور شریعت اسلام مینپیغمبر کے مقام کو ''مفترض الطاعۃ''کے عنوان سے پھچاناگیاھے - خداوندعالم اس بارے میں فرماتاھے:

(يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَ امَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰه وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى الأَمْرِ مِنْكُمْ-)(4)

''اے ایمانداروا! خدا کی اطاعت کرو اوراس کے رسول کی اور جو تم میں سے اولی الامر ھوں''

اسی طرح ارشاد ھوتاھے:

(وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلَ فَخُذُوْا وَمَانَهاكُمْ عَنْه فَانْتَهوْا... )((5

''ھاں جو تم کو رسول دے دیں وہ لے لیا کرو اور جس سے منع کریں اس سے باز رھو''

جب تک مندرجہ بالا آیات کے مطالب کو تسلیم نہ کیا جائے جن میں اسلام کے ضروری احکام بیان ھوئے ھیں ورنہ اس وقت تک اسلام کو تسلیم نہیں کیا جاسکتااورایسی شکل میں انسان کا ان لوگوں میں شمار کیا ھوگاجن کے قول کی خداوندعالم یونحکایت کررھا ھے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ-)(6)
''اور کہتے ھیں کہ ھم بعض (پیغمبروں) پر ایمان لائے ھیں اور بعض کا انکار کرتے ھیں''
اور اسی کے بعد خدا ان کے بارے میں یہ بھی فرماتاھے:
(أُوْلَئِکَ ھُمُ الکَافِرُوْنَ حَقّاً- )(7)
''یھی لوگ حقیقتاً کافر ھیں''
لھٰذا جو شخص اسلام کا معتقد ھے اس کو ایک سرے سے اس کے تمام قوانین اور احکام کو ماننا چاھیئے ،اور یہ عقیدہ رکھنا چاھئے کہ اسلام کے تمام ضروری احکام علمی تبدیلیوں کے تابع نھیںھیں کہ جو علمی نظریات یا نئی علمی تھیوریوں کی وجہ سے ان مینتبدیلی رونما ھوجائے ایسی شکل میں جو نمازسے مربوط آیت کو حق سمجھتا ھے اور چوری سے متعلق آیت کو حق جانتا ھے اگر چہ اسے قرآن میں متشابہ اور محمل آیات ملتی ھیں، جن کو وہ اسلام کے متغیرقانون کی حیثیت سے پاتاھے ،لیکن یہ یقین رکھتاھے کہ قرآن اور اسلام میں ایسے مستحکم اور یقینی اصول موجود ھیں جو دوسرے تمام متغیراصول سے الگ پھچانے جاتے ھیں-

6-اسلام مختلف تعبیربیں رکھتا ھے-
(ایک اعتراض اور اس کا جواب)
یہ بات تواضح ھے کہ کچھ آیات سے مختلف طرح کے مطالب سمجھے جاتے ھیں اور مختلف طرح کی تفسیریں بیان کی جاتی ھیں اور اسلام کے کچھ احکام میں اختلاف نظرپایا جاتاھے جواس بات کا باعث نھیں بنتاکہ اسلام کے سارے قوانین مشتبہ اور اختلافی ھیں،اسلام میں ایسے ھزاروں قطعی احکام موجود ھیں جن کے بارے میں تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق نظرپایا جاتاھے لیکن فرعی اور بھت مختصر احکام میں شیعہ اور سنی حضرات کے درمیان اختلاف پائے جاتے ھیں، اور فقہ کے ایک عظیم حصہ میں فریقین کے یھاں اختلاف نظر نھیں پایاجاتاھے اسی طرح سے شیعہ فرقے کے کچھ احکام میں فقھا کے درمیان فتوؤں میں اختلاف کا ھو نا اس بات کی دلیل نھیں ھے کہ تمام احکام میں اختلاف پایاجاتاھے،جس طرح ایک مخصوص بیمار کے بارے میں دو ڈاکٹر ونکی تجویز کا الگ الگ ھونا اور دونوں کے نسخوں کا فائدہ بھی ھونا اس بات کی دلیل نھیں ھے کہ علمِ ڈاکٹر ی میں پائیدار اور استوار قوانین نھیں پائے جاتے ھیں-
اسی بناپر اسلام میں ایک طرح کے قطعی اور یقینی احکام موجود ھیں جس میں کسی طرح کا شک وشبہ نھیںپایاجاتاھے ،اور بعض مقامات پر اختلاف نظر کا ھو ناھمیں اس بات کا سبق نھیں دیتا کہ ھم مسلّم احکام نھیں رکھتے اور اس بھانہ سے ھم اسلام سے الگ ھو جائیں ،اس کے باوجود آج جب اسلام کے بارے میں گفتگو ھوتی ھے تو قلبی مریض اور قرآن کے ارشادکے مطابق: ( اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ-)(8)
''پس جن لوگوں کے دل میں کجی ھے''
کھتے ھینکہ کونسا اسلام ؟وہ اسلام جس کو شیعہ بتاتے ھیں یا وہ اسلام جس کو سنی بتاتے ھیں ؟یا وہ جس کو فقھاء بتاتے ھیں یا وہ جس کو دانشورحضرات بتاتے ھیں ؟اس کے باوجود کہ ھم اعتقادات ،اخلاقیات ، فردی احکام ،سماجی ا حکام،تجارت کے قوانین اور بین الاقوامی قوانین میں ایک طرح سے ثابت حقوق اور ھزاروں متفق علیہ قوانین رکھتے ھیں ، تو پھر کیوں وہ لوگ بجائے اس کے کہ یقینی اور مسلم قوانین کو اپنائیں اختلافات اور افتراقات کو اپنائے ھوئے ھیں ؟اور جب ان سے یہ کھا جاتاھے ھماری یونیورسٹیوں کو اسلامی ھو نا چا ھئے توکیوں روحی بیمار اور کج فکر لوگ پوچھتے ھینکہ کون اسلام ؟اس کا جواب یہ ھے کہ وھی اسلام جو یہ کھتاھے کہ دوسروں کے حقوق کو پامال نھیں کرنا چاھیئے ،عدالت کو قائم کر نا چاھیئے کیا ان چیزوں میں اختلاف پایا جاتاھے؟
اگر آپ انھیں یقینی اور متفق علیہ قوانین کو جن کے بارے میں فریقین میں اختلاف نھیں ھے یونیورسٹیوں میں اپنائیں تو آپ نھایت خوش ھونگے،یہ فطری بات ھے کہ جب وہ لوگ نھیں چاھتے کہ اسلام کے مطابق عمل کریں تو بھانہ تلاش کرتے ھیں کہ کس نے کھا ھے کہ فقھاء کا اسلام نافذکیا جائے اور روشن فکروں کا اسلام نافذ نہ کیا جائے ؟

7-اسلام انسان کی تمام ضرورتوں کو پوراکرتاھے
اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ اسلام میں قوانین اور سماجی احکام موجود ھیں مختلف طرح کے سوالات اور شکوک پیدا ھوتے ھیں انھیں میں سے ایک سوال یہ بھی ھے کہ کیا یہ بات عقلاًممکن ھے کہ انسان کی تمام ضروریات مختلف زمانے میں ایک مجموعہ میں بیان کردی گئی ھوں؟دوسری بات یہ کہ کیاوہ اسلام جس کا منبع قرآن اور معتبر روایات ھیں اس کے اندر اتنی صلاحیت پائی جاتی ھے کہ وہ تما م چیزوں کو ، جس کی انسان کومختلف زمانوں اور صدیوں میں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ضرورت پڑتی ھے اپنے اندر رکھتاھو،مذکورہ سوال کے دو حصے ھیں ایک ثبوتی حصہ دوسراثباتی اور دونوں جھتیں یعنی ثبوتی اور ثباتی قابلِ بحث وتحقیق ھیں ،البتہ یہ یقین رکھنا چاھیئے کہ اعتراض قابلِ غور وفکر ھے ،اور آغاز بحث میں اس کا جواب آسانی سے نھیں دیا جاسکتا اور توجیہ نھیں کی جاسکتی ، لیکن ان توضیحات کے مدنظر جو اس سے قبل ھم نے دی ھے اس کا جواب اتنا مشکل اور دشوار نھیں ھے-

الف :سوال کے ثبوتی پھلوکی تحقیق

ثبوتی نقطہ نظرسے اس اعتراض کہ کس طرح سے قوانین کا مجموعہ ،انسان کی زندگی کے تمام مراحل میں اس کی ضرورتوں کا جواب گو ھوسکتا ھے ،اس کا جواب یہ ھے کہ قطعی طورپر انسانوں کے اندر صلاحیت نھیں پائی جاتی کہ وہ انسان کے لئے مختلف صدیوں اور زمانوں قانون کا ایک کامل مجموعہ مینبنائے ،اس لئے کہ اس بات کو مدّ نظر رکھتے ھوئے کہ بشر اپنی محدود ذھنیت اور ناقص معلومات کے ذریعہ یہ صلاحیت نھیں رکھتاھے کہ وہ انسان زندگی کے تمام گوشوں اور تمام حالات سے بحث کرے اور ھر ایک کے لئے مناسب قانون بنائے-

لیکن اس ذات کےلئے جس نے بشر کو پیدا کیا ھے جو تمام ماکان ومایکون کے حالات سے واقف ھے جس کی نظر ماضی ،حال اور مستقبل پر یکسان ھیں ھزاروں سال قبل وبعد کی اشیاء کو واضح انداز میں دیکھتا ھے اس کے قانون کے مجموعہ کی توضیح اور تشریح ممکن اور میسر ھے، لھٰذایہ نھیں کھا جا سکتا کہ انسان کی اس طولانی تاریخ میں تمام انسانوں کے لئے قوانین کا ایک کامل مجموعہ جو انسان کی زندگی کے تمام مراحل پر مشتمل ھو ممکن نھیں ھے ،اس لئے جو گذشتہ اور آئندہ کی چیزوں کی خبر رکھنے والااور انسانی وجود کے تمام پھلوؤں کی خبر رکھنے والا ھو، وہ اس طرح کے قوانین کو بناسکتا ھے-

ب:-سوال کے اثباتی پھلو

اعتراض کے اثباتی پھلو یعنی جس چیز کو تم خدا کی طرف منسوب کرتے ھو اور وہ قرآن اور متواترروایات میں بیان ھوئی ھے ،خاص طور سے اگر ھم صرف ان مسلمات اور یقینی قوانین کو اپنائیں ،تو کس طرح ھر زمانہ میں محدود قانون بشر کی تمام ضرورتوں کو پورا کر سکتا ھے؟ تو اس کا جواب یہ ھے کہ یہ ممکن نھیں ھے کہ ھم ھر چیز کے بارے میں خاص قانون پیش کریں جس میں اس جگہ اور اس زمانہ کے تمام شرائط کا لحاظ کیا گیا ھو اور اس وجہ سے کہ قانون کے نیازمند مسائل محدود نھیں ھیں اور اس کی رغبت بے انتھاء ھے اور اس کے مقابلہ میں ھماری ادراک ،فھم ، ذھن اور سمجھنے کی صلاحیت محدود ھے لھٰذا ھم تمام مسائل کو ایک خاص اور معین شکل اور مکمل طریقہ سے حاصل اور معین نھیں کرسکتے لیکن یہ کھا جاسکتا ھے کہ بے شمار مسائل کے بے شمار دستہ نھیں ھیں ،اِن مسائل میں ھر مجموعہ ایک کلی عنوان رکھتا ھو اور اس عنوان کا ایک خاص حکم ھو ،لھٰذا کلی حکم ثابت اور محدود ھے اور ان کے مصادیق بے شمار ھیں ا ور ان میں تغیّر وتبدّل ھوتا رھتا ھے -

ممکن ھے کہ کسی ایک زمانہ میں کوئی ایک مصداق کسی ایک حکم کو شامل ھور دوسرے زمانہ یادوسرے حالات میں ایک دوسرے عنوان کے تحت قرار پائے اور بدل جائے ،لھٰذا موضوعات میں مختلف اور بے شمار تبدیلیاں رونما ھوتی رھتی ھیں ،لیکن لا محدود اورکلی عناوین ثابت رھتے ھیں ،یہ حقیقت ھے کہ انسان کی زندگی کے حالات مختلف ھیں اور ھر روز حالات بڑھتے رھتے ھیں ،اور زمانہ کی ترقی اور اجتماعی زندگی کے ساتھ ساتھ نئے مسائل بھی پیداھوتے رھتے ھیں کہ جن کے بارے میں خاص قوانین کی ضرورت ھوتی رھتی ھے ،تاکہ انسانی ضرورت پوری ھو سکے ،البتہ ان متغیر قوانین کو خاص معیار کی ضرورت ھے کہ اگر انسان ان ثابت اور کلی معیار کو پھچان لے اور اس کی اجازت سے کہ جس نے کلی قوانین کو نازل کیا ھے اور لوگوں تک ان قوانین کے کلی معیار کو پھچناناھے تو پھر کسی بھی خاص مقام کے لئے قانون بناسکتا ھے -

ھماری اس بات کا کہ ( قوم و ملت میں اسلام کے قوانین نافذ ھونے چاھئے) مطلب یہ ھے کہ صرف وھی قوانین نھیں ھیں جو براہ راست خدا کی طرف سے نازل ھوتے ھیں بلکہ پیغمبر وامام معصوم (ء)اور وہ حضرات کہ جو ان قوانین کی حقیقت سے آگاہ ھیں اور ان کے معیار کو بخوبی جانتے ھیں اور کلی قواعد اور تزاحم کی صورت میں کسی ایک کی حجیت کو تشخیص دے سکتے ھیں ان کے مصادیق اور قوانین کلی کی حاکمیت اور اھمیت کو معین کر سکتے ھیں اور بدون شک یہ کام الھٰی قوانین کی بنیاد پر قائم ھے-

حوالہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(1)سورہ مائدہ آیت ۳۸
(2) سورہ بقرہ آیت 43
(3)سورہ بقرہ آیت ۱۸۳
(4)سورہ حشر آیت ۷
(5)سورہ نساء آیت ۵۹
(6) سورہ نساءآیت ۱۵۰
(7) سورہ نساء آیت151
(8) سورہ آل عمران آیت ۷

اسلام اور سیاست جلد(۱)

دسواں جلسہ

**قانون کے سلسلہ میں نظریات میں فرق**

1- گذشتہ مطالب پر ایک نظر
حکومت وسیاست سے متعلق اسلامی نظریہ پیش کرنے کے سلسلہ میں ہم نے گذشتہ جلسوں میں یہ عرض کیا تھا کہ اسلام کی رو سے قانون ساز اور قانون کا نافذ کرنے والا خدا کی جانب سے منسوب ہونا چاھئے؛ یعنی قانون کو یا خدا بلاواسطہ بیان کرے جیسا کہ سماجی قوانین سے متعلق آیات اس بات کو بیان کرتی ہیں، یا ن قوانین کو پیغمبر اسلام یا ائمہ معصومین علیھم السلام کے ارشادات اور آیات قرآن کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں جو کہ سنت کے ذیل میں آتے ہیں ، ان قواین میں سے بعض دائمی ،مستحکم اور ناقابل تبدیل ہیں اور بعض میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، جو زمانہ اور جگہ سے لحاظ سے ہوتے ہیں، غیبت امام (ء) کے زمانے مینان کو معین کرنے کا اختیار ان افراد کو دیا گیا ہے کہ جو دینی معلومات، پرھیزگاری اور عدالت اور معاشرہ کی مصلحتوں سے آگاھی کے اعتبار سے امام معصوم علیہ السلام سے بہت قریب ہوتے ہیں- اور نفاذ قانون کے سلسلے میں بھی ہم نے یہ عرض کیا کہ خود خداوندعالم اس کے نفاذ کا ذمہ دارنہیں ہے بلکہ یہ کام اس شخص کے ذریعہ انجام پانا چاھئے جو نفاذ قانون کا ذمہ دار ہو، اور وہ پہلے مرتبہ میں خود پیغمبر اسلام پھر ائمہ معصومین علیھم السلام اورپھر وہ افراد ہیں جو پیغمبر یا امام علیہ السلام کی جانب سے خاص یا عام طور پر معین کئے گئے ہوں-
جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے جلسہ میں عرض کیا کہ مذکورہ نظریہ کی بنیاد ایک طرح کے بنائے ہوئے اصول پر ہے کہ جس میں سے پہلی اصل یہ ہے کہ معاشرہ کو قانون کی ضرورت ہے، اور دوسری اصل یہ ہے کہ قانون کو خدا کی جانب سے ہونا چاھئے، ان دو مرحلوں کے بعد نفاذ قانون کے مرحلوں کو بیان کیا جاتا ہے، جو حضرات ان اصولوں کے قائل ہیں مثلاً مسلمان ہیں یا اسلام کے اصولوں کے معتقد ہیں ان سب کے لئے بحث میں داخلی نظم کا لحاظ کرتے ہوئے اس نظریہ کا ثابت کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، لیکن جو افراد اسلام کے اصولوں کے معتقد نہیں ہیں یا جو ان مسائل کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاھتے ہیں تاکہ دشمنوں کے اعتراضات کا جواب دے سکیں ان کے لئے ہر ایک اصول کو بہت تفصیل سے بیان ہونا ضروری ہے-

2-دور حاضر میں قانون سے بحث کرنے کی ضرورت
اس دور میں سیاسی مسائل کے بارے میں مختلف طرح کے نظریات ہمارے سامنے ہیں ،لھٰذا حکومت وسیاست کی فکری بحثوں کے بارے میں اسلام کی روسے زیادہ توجہ ہونا چاھئے تاکہ ہم مخالف نظریوں کے مقابلہ میناسلامی نظریہ کو مستحکم ویقینی شکل میں پیش کرسکیں، خاص طور سے اس بات کا لحاظ کریں کہ عالمی استعمار اسلامی حکومت کے نظریہ کو پامال کرنے کی مسلسل کوشش کررھا ہے، اس وقت ہم انقلابی دو رمیں اور ایسے زمانے میں زندگی بسر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کررھے ھیں کہ نظامِ حکومت کو ثابت کیا جاچکا ھے، اور اسلام کے نظریات کو پیش کرنے کے لئے علمی اور منطقی وسائل سے فائدہ اٹھانا چاھئے-
اور اس بات کے پیش نظرکہ ملک کے راھنماؤں کی طرف سے قانون مندی اور نفاذِ قانون کا نعرہ لگایا جاتا ھے ، لہٰذا عوام الناس کو زیادہ سے زیادہ قانون کے مسئلہ کے اصول، حدوداور اھمیت پر توجہ رکھنی چاھئے،او ر اس بات سے آگاہ ھوں کہ ھم کیوں؟ اور کس حد تک قانون کی پیروی کریں؟ یہ وہ اسباب ھیں جو اس زمانہ میں،اسلام کے سیاسی اور حکومتی مسائل کے بارے میں تحقیق کرنے کی ضرورت کو دوگناہ کردیتے ھیں، لہٰذ ھمیں ایک حد تک ان تمام بحثوں کو علمی اور تحقیقی شکل میں پیش کرنا چاھئے-

3-قوانین کے حدود کو معین کرنے میں دو مختلف نظریے
آج کا انسانی معاشرہ مختلف طرح کے بے شمار وقوانین سے دوچار ھے، اور اگر ھم ان کتابوں پر نظر ڈالیں جو پچاس ساس قبل ھمارے لئے لکھی گئی ھیں تو ھم یہ سمجہ جائیں گے کہ ان کتابوں کی زخامت میں اضافہ تقریباً قاعدہ عددی کی ارتقائی شکل میں ھے اور جو قوانین اس زمانے میں پائے جاتے تھے ان کی تعداد آج کے قوانین کی تعداد کی نسبت بھت کم ھیں، پھر خاص طور سے آج کل کے شعبہ جات، آئین ناموں، دفتری اور قوانین منتظمہ کی تعدا میں روز بروز اضافہ ھورھا ھے، اور معاشرے کو نئے قوانین کی ضرورت کا زیادہ سے زیادہ احساس ھورھا ھے، اور ذمہ دار حضرات بھی ان قوانین کے بنانے اورنافذکرنے میں اپنی پوری کوشش ومحنت لگادے رھے ھیں-
یھاں پر سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ کیا قانون کی تعداد میں اضافہ کرنا معاشرہ کے لئے ضروری ھے؟ یہ سوال پھلی نظر میں سادہ اور عمومی معلوم ھوتا اھے اور کوئی خاص سوال معلوم نھیں پڑتا اس لئے کہ یہ بات واضح ھے کہ معاشرہ کو ھر روز جدید مسائل کا سامنا کرنا پڑ رھا ھے، اور یہ معاشرہ جدید قوانین کا بھت زیادہ نیاز مند ھے جو کہ بنائے اورنافذ کئے جانے چاھئے،، لیکن دنیا کے علمی حلقہ میں یہ سوال اھمیت کے ساتھ ذکر ھوتا ھے کہ کیا سماجی قوانین کے بنانے میں صرف ضروری اور کم سے کم پر اکتفاء کی جائے یا معاشرے کے قوانین جامع اور ھمہ گیر ھوں اور عوام کی زندگی کے تمام امور کو شامل ھوں؟ یہ مسئلہ فلسفہ سیاست اورفلسفہ حقوق کے عملی حلقوں میں اعلیٰ پیمانہ پرمورد بحث واقع ھوتا ھے، اور اس سلسلہ میں دو مختلف اور متضاد نظریہ پائے جاتے ھیں-
ایک گروہ کا اعتقاد یہ ھے کہ عوام الناس کو اپنے امور اور سرگرمیوں میں آزاد ھونا چاھئے اور محکمہ ٔ قانون سازی کو چاھئے کہ کم سے کم قانون بنائے اور ضرورت سے زیادہ عوام الناس کی فعالیت اور امور کو محدود نہ کرے، یہ وھی خودمختاری اور آزاد خیالی نظریہ ھے اور اس کا حقیقی مطلب یہ ھے کہ معاشرہ کا ھر فرد جس طرح بھی چاھے اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے میں آزاد ھو، اور صرف پیش آنے والی ضرورتوں کے وقت کے لئے قانون بنائے، تاکہ لوگوں کی کارکردگی ضرورت کے تحت محدود ھو ، نہ کہ اس سے زیادہ، اور قانون سازی محکمہ اور حکومت کو مسلسل عوام الناس کے امور اور طرزِ زندگی میں دخالت نھیں کرنا چاھئے اور قدم قدم کے لئے قانون نھیں بنانا چاھئے، مذکورہ نظریہ کے مقابلہ میں قانون کے سلسلہ میں تمامیت گرائی (ھر چیز قانونی) کا نظریہ پایا جاتا ھے کہ تمام چیزیں قانونی ھونا چاھئے اور انسان کے تمام امورخواہ وہ سماجی ھوں یا سیاسی اور اقتصادی یا دوسرے امور ،یہ سب کے سب دقیق اور معین قوانین کے تحت ھونے چاھئے، اور حکومت کو بھی ان قوانین کو ھر ممکن طریقہ سے نافذ کرنا چاھئے-
تو معلوم یہ ھوا کہ مذکورہ سوال سادہ اور عوامی نھیں ھے بلکہ ایسا سوال ھے جو قانون کے حدود کے بارے میں دقیق اور مستحکم ھے اور وہ یہ کہ قانون گذاری کا محکمہ کس طرح کے قوانین اور کتنے قوانین او رعوام الناس کی زندگی کے کن حدود تک اثر انداز بنے؟

4-جمھوری حکومت میں قانون کی ضرورت
بنیادی طور پر یہ سوال قوانین کے حدود سے کے بارے میں ھوتا ھے جو کہ قانون سازی کے فلسفہ کے سلسلہ میں مختلف طرح کے نظریات پائے جاتے ھیں کہ جن میں قانون گذاری او ران کے معیار کے بارے میں نظریات بیان کئے جاتے ھیں- اس سلسلہ میں پائے جانے والے نظریات کے درمیان کہ کس کو قانون گذاری کا حق ھے اور اس کے معیار کیا ھےں، ایک مشھور نظریہ ھے کہ جس کو آج کل کی دنیا میں قبول کیا گیاھے وہ یہ ھے کہ (صرف) وہ لوگ قانون بنانے کا حق رکھتے ھیں جو عوام الناس کی طرف سے منتخب ھوئے ھوں، لہٰذا در حقیقت قانون بنانے کا حق خود عوام الناس کو ھے اور وہ خود عوام الناس ھے جو اپنے لئے قوانین بناتی ھے جو نظام سیاسی اس نظریہ کی بناپر وجود میں آتا ھے اس کو ”ڈیموکراسی“یا ”جمھوریت“ کھتے ھیں -

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جمہوریت کو قبول کرنے کے بعد اور اس بات کو قبول کرنے کے بعد کہ قانون سازی کا حق عوام الناس کے منتخب ممبران کی ذمہ داری ہے، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو بھی اکثریت (یعنی 51 فی صد ) نمائندوں کے موافق ہو وہ قانون معتبر سمجھا جاتا ہے یا قانون سازی کے لئے دوسرے قوانین بھی ہونے چاھئے، اور پہلے سے ایسے قوانین بنائے جائیں جوقانون سازی کے میدان میں ممبران کے دائرہ عمل کو معین کریں، تو جواب یہ ہے کہ قانون ساز حضرات کے حدود اور حق کو قانون اساسی معین کرتا ہے یعنی قانون اساسی عام قوانین اور وضع شدہ قوانین پر حاکم اور نگراں ہوتا ہے اور قانون سازی کے حدود کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے-

یہاں ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مختلف ممالک میں قانون اساسی مختلف ہوتے ہیں اور کم وبیش اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور کبھی کبھی حکومت کے بدلنے سے قانون اساسی بدل جاتا ہے اور کبھی مجلس ادارات تشکیل پاتی ہے جو قانون اساسی کو مکمل اور اس کے نقائص کو دور کرتی ہے، بھرحال جو تبدیلیاں قانون اساسی میں انجام پاتی ہیں ان کے اعتبار سے کوئی ایسا محکمہ پایا جاتا ہے جو قانون اساسی سے بالاتر ہو اور جو قانون اساسی کے حدود کو معین کرے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قانون اساسی سے بالاتر محکمۂ حقوق بشر ہے جس کو کبھی قوانینِ فطری اور حقوق طبیعی سے یاد کیا جاتا ہے کہ جو قانون اساسی پر حاکم ہوتا ہے اور اس کے حدود کو معین کرتا ہے اس لئے کہ مجلس ادارات ہر چیز کو اپنی مرضی کے مطابق قانون میں داخل نہیں کرسکتی-

5- حقوق بشر کے اعتبار کا معیار

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قوانین جو قانون اساسی پر بھی حاکم ہوتا ہے اور قانو ن اساسی کے دائرہ کو محدود ومعین کرتا ہے اور اسکی بناپر قانون اساسی میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اس کو کس نے بنایا ہے؟ اور انسانوں کے حقوق جو کہ حقوق بشر کے اشتہارات میں یا فلسفۂ حقوق کی کتابوں میں ذکر ہوئے ہیں کس شخص کے ذریعہ معین ہوئے ہیں اور ان کے اعتبار کی وجہ کیا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ بین الاقوامی عرف میں اس کا اعتبار ان لوگوں کی تائید سے ہوتا ہے جنھوں نے اس اشتہار پر دستخط کئے ہیں اور چونکہ اس اشتہار کو دنیا کی تمام حکومتوں کے دستخط (تائید) حاصل ہوتی ہے لہٰذا یہ معتبر ہوجاتے ہیں-

دوسراسوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس نے اس اشتہار پر دستخط نہیں کئے ہیں ان کے لئے یہ قوانین قابل اعتبار ہیں یا نہیں؟ اور اگر اعتبار نہیں رکھتے تو کوئی یہ حق نہیں رکھتا ہے کہ ان کی مذمت کرے کہ جن لوگوں نے اس اشتہار پر دستخط نہیں کئے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ حقوق بشر کا لحاظ نہیں کرتے ہیں-

دوسرا جواب یہ ہے کہ حقوق بشر کے اشتہارات میں پیش کئے گئے قوانین اور حقوق وضعی قوانین نہیں ہیں کہ جو بنائے جانے کے بعد دوسروں کے دستخط کے ذریعہ قابلِ اعتبار بن جاتے ہیں بلکہ وہ ایسی حقیقی قوانین ہیں جن کو انسان کی عقل معلوم کرتی ہے اورچاہے عوام الناس قبول کرے یا نہ کرے ،وہ قوانین معتبر ہوتے ہیں، البتہ اس زمانے میں کچھ افراد اس طرح کا نظر رکھتے ہیں اور حقوق بشر کو حقیقی امور اور غیر عادی جانتے ہیں، قطعی طور پر زیادہ تر حقوق وسیاست کے فلاسفہ اس طرح کا نظریہ نہیں رکھتے بلکہ اس بات کے قائل ہیں ،کہ یہ قوانین کنوانسیون (Convention) ،اشتہارات اور اعلانات کا اعتبار حکومتوں کے ممبران کے دستخط سے ہوتا ہے اور چونکہ حکومتوں کے ممبروں نے اس پر دستخط کئے ہیں لہٰذا پوری دنیا میں اعتبار رکھتے ہیں-

آخرکار ایک سوال اور اعتراض جو بڑی آب وتاب کے ساتھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا ضروری ہے کہ تمام حکومتیں ان قوانین کو قبول ھی کریں؟ اور جن لوگوں نے ان قوانین پر دستخط نہیں کئے ہیں ان پر کس طرح یہ قوانین نافذ ہوسکتے ہیں؟ بھرحال اس طرح کے سوال واعتراض کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا، اور اس اعتبار سے فلسفۂ حقوق میں یہ بحث ہوتی ہے کہ قوانین کے اعتبار کا ریشہ اور جڑ کہاں پر ختم ہوتی ہے؟ لیکن ہمارے پاس آسان اور سادہ ساجواب ہے اس لئے کہ ہم دین، اسلام، خدا اور قرآن پر اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قوانین حکم خدا کے مطابق ہونے چاھئے ،تو پھر یہ بات ختم ہوجاتی ہے اور کسی سوال کی گنجائش باقی نہیں رہتی-

لیکن جو لوگ اس راہ کو نہیں طے کرتے اور چاہتے ہیں کہ تمام چیزوں کو قرارداد کے ذریعہ بیان کریں ،آخر میں وہ ایک جگہ پھنس جاتے ہیں چونکہ ہر قانون کے اعتبار کی اصل حقوقِ بشر کو سمجھتے ہیں کہ اس کے اعتبار کی دلیل کو بھی تلاش کرنا چاھئے اس کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے حقوق بشرکا اشتہار تقریباً ۳۰ بند پر کیوں تدوین ہوا ہے اور اس کے بند کیوں کم زیاد نہیں ہیں؟

یہ وہ اہم سوال ہے جو دنیا کے حقوق کے ماہرین فلاسفہ قبول کرتے ہیں اور ابھی تک ان کی طرف سے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملا ہے، جو چیز ذکر ہوئی ہے وہ دنیا کے ماہر اور برجستہ دانشوروں کی سطح پر مہارتی اور فنی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بحثوں کے دائرہ میں بیان ہوتی ہے اور اگر ہمارا معاشرہ چاہے کہ اپنے عمومی تہذیب وثقافت کو ترقی دے تو اسے چاہئے کہ کم وبیش ان مطالب اور مفاہیم سے آشنا ہو، جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم قانون پر عمل کرتے ہیں اور قانون کے پیرو ہیں، تو ہم کو یہ جاننا چاہئے کہ قانونکا اعتبار کہاں سے ہے اورہمیں کیوں اور کس حد تک قانون کا پابند ہونا چاہئے؟

آج کل بہت ساری بحثیں اس سلسلے میں تقریروں، مجلّوں ا ور اخباروں میں شایع ہوتی رہتی ہے ، اور ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ خصوصاً دنیاوی علوم رکھنے والا طبقہ اور جو لوگ انسانی علوم کے تعلیم یافتہ ہیں اور خاص طور سے جو لوگ فلسفۂ حقوق اور فلسفہ سیاست میں صاحب نظر ہیں ان سوالات سے سامنا کرتے ہیں، لہٰذا ہم اپنے سماج کی تہذیب وثقافت کو بلند کرنے کے لئے مجبور ہیں کہ اپنے ا مکان بھر ان تحقیقات کے نتیجہ کو آسان اور سلیس انداز مینبیان کریں، اس لئے کہ اگر ہم ان بحثوں کو دقیق انداز سے اور تفصیل کے ساتھ بیان کریں تو کم سے کم علوم انسانی کے چار قسموں میں یا فلسفہ کی چار قسموں کا سہارا لیں جو اس طرح ہیں: فلسفہ جامعہ شناسی، فلسفۂ حقوق ، فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ سیاست،اور اگر ہم چاہیں کہ اس موضوع پر بحث کریں تو ہمیں دوسرے فلسفوں پر بھی بحث کرنا ہوگی ،یہاں تک کہ معرفت شناسی کہ جو ان تمام فلسفوں کی بنیاد اور اصل ہے اس کے بارے میں بھی بحث کریں، اور یہ بات واضح ہے کہ ان علوم کے نتائج اور ان بحثوں کے درمیان جو رابطہ پائے جاتے ہیں ان کی طرف اشارہ کرنا،تعلیم یافتہ طبقہ اور سمجہ دار عوام کے لئے جو کہ انقلاب اور اس کی تہذیب وثقافت کے دامن میں پلے ہیں،بہت مفید ہے-

6-حقیقی اور تکوینی قوانین اور انسان کے اختیارات کی اہمیت

یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ لفظ قانون کی دو مختلف اصطلاح ہیں،پہلی اصطلاح علوم تجربیات میں علوم دقیق اور حساب مشہور ہے اور قانون سے مراد اس علوم میں اشیاء کے درمیان واقعی رابطہ ہے مثال کے طور پر اشیاء کے درمیان حقیقی قوانین پائے جاتے ہیں کہ پانی کس وقت بخار میں تبدیل ہوتا ہے، اور کتنے درجۂ حرارت پر پانی اُبلتا ہے او رکتنی سردی میں برف بن جاتا ہے، اور لوہا کب پگھلتا ہے؟

لہٰذا اس طرح کی باتیں کہ جب پانی کی حرارت صفر درجہ پر پہونچ جاتی ہے تو پانی برف بن جاتا ہے اور جب سو درجہ پہونچ جاتی ہے تو پانی اُبلنے لگتا ہے ،یہ ایسی حقیقت ہے جو طبیعی اشیاء میں پائی جاتی ہے اور انسان کو کوشش کرنا چاہئے کہ ان حقیقتوں اور قوانین کو جو فیزیکس اور دوسرے سائنسی علوم میں موجود ہیں پہنچانے، ظاہر ہے کہ یہ قوانین پائیدار ہیں اور لامتناہی اور بے شمار ہیں،اورانسان کی علمی ترقی کے ساتھ بہت سارے قوانین معلوم ہونگے، اور ہر علم میں نئے معلومات کے ساتھ سیکڑوں سوال پیدا ہوں گے-

لہٰذا اتنی تعداد میں نئے قانون بھی معلوم ہوں تاکہ ان سوالوں کے جوابات قرار پائیں، اس بنا پر ہر روز سوالوں میں اضافہ ہوتا ہے، اور بشر ان سوالوں کے حل کرنے کےلئے زیادہ سے زیادہ قانون معلوم کرنے میں لگا ہوا ہے، دوسرے لفظوں میں، ہم دنیا کے بے شمار قوانین کے مجموعہ کے حدود میں رہتے ہیں ، عناصر سے مربوط زندہ موجودات اور شیمیائی سے مربوط قوانین اور دوسری چیزیں ہیں جو ابھی تک ہماری عقل سمجھنے سے قاصر ہے-

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم اس دنیا میں بے شمار قوانین کے محدود وتنگ دائرہ میں رہتے ہیں تو پھر ہمارے انتخاب اور اختیار کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ یہ سوال بہت زور وشور کے ساتھ اٹھتا ہے اور اس وجہ سے انسان شناسی کے فلسفہ میں یہ بات ذکر ہے کہ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ کیا وہ سوفی صد مجبور ہے یا مکمل طور پرمختار ہے یا محدود اور مشروط اختیارات رکھتا ہے، اور اگر اس کے اختیارات محدود اور مشروط ہیں تو ان کی حدود کیا ہیں،اسی طرح دور حاضر میں دنیا کے فلسفی مجلسوں میں قضا وقدر ، جبر وتفویض اور اس طرح کے مسائل بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر ہوتے ہیں، اور ان کے بارے میں حسب سابق بحث جاری ہے، ان کے درمیان میں ایک گروہ فلسفۂ وجودی کا نظریہ رکھتا ہے جو اس بات کا معتقد ہے کہ انسان لامحدود آزادی رکھتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق ہر کام کرسکتا ہے-

جیسا کہ" جان پل سارٹر" کہتا ہے کہ اگر میں ارادہ کرلوں تو جنگ ویٹنام کی جنگ تمام ہوجائے ! یعنی بشر ایسی طاقت کا مالک ہے کہ اگر ایک شخص ارادہ کرلے تو بھڑکتی ہوئی جنگ جس نے لاکھوں انسانوں کو نابود کردیا ہو روک دے، البتہ یہ بات تعجب خیز ہے، لیکن ایسا نظریہ اُس انسان کے لئے جو ارادہ ونامحدود قدرت کا قائل ہے پایا جاتا ہے-

مذکورہ نظریہ کے مقابلہ میں ایک گروہ انسان کی آزادی کو خیال خام جانتا ہے اور معتقد ہے کہ انسان جبری قوانین کے دائرہ میں زندگی بسر کررہا ہے اور خیال کرتا ہے کہ آزاد ہے آخر کارمذہبی تفکر بھی موجود ہے جو ان دونوں نظریات کے درمیان واسطہ ہے اور انسان کے لئے آزادی کا قائل ہے جو مختلف طرح کے قوانین سے محدود ہے، جوکہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دنیا میں پائے جاتے ھیں یعنی اگر ھم ان قوانین کو جو اس کائنات میں موجود ھیں ان کے لئے دائرہ اور حدود تصور کریں ، تو انسانوں کی آزادی، اس کے حدود کے اندر قابلِ اجرا ھے نہ کا اس سے بڑہ کر۔
پس اب جب کہ یہ بات واضح وروشن ھوچکی ھے کہ ھم لوگ تکوینی لحاظ سے قوانین کے مجموعہ کے تحت واقع ھیں، تو یہاں پر یہ سوال ابھرتا ھے کہ کیا ھم ان قوانین کو توڑنے اور ان کی نافرمانی کرنے کی طاقت رکھتے ھیں ، اور کیا ھم طبیعت کو تسخیر کرسکتے ھیں اور اس کے حدود ودائرے کو توڑسکتے ھیں، اور اس طرح زندگی کریں کہ ھمارے اوپر طبیعی قوانین کی حکومت نہ ھو؟
تو اس کا جواب یہ ھے کہ گذشتہ تصور ایک خیال خام ھے اور سوچا سمجھا نہیں ھے،کیونکہ طبیعت کا تسخیر کرنے کا ملازمہ یہ ھے کہ طبیعت کا کوئی دوسرا قانون کشف ھو، مثلاً اگر ماھرین ڈاکٹر کسی بیماری پر کنٹرول کرلیتے ھیں یا اس بیماری کو بالکل ختم کردیتے ھیں، طبیعت کے دوسرے قانون کے کشف کرنے کی وجہ سے اور ان سب سے استفادہ کرتے ھوئے اس طرح کی کامیابی ملی ھے، درحقیقت ھم نے طبیعت کو تسخیر نہیں کیا ھے بلکہ اس سے ایک دوسرا قانون کشف کرکے اس سے کامیابی حاصل کی ھے- پس نتیجہ یہ نکلا کہ تکوینی قوانین کے دائرے سے نکلنا محال ھے، لیکن ھم نے جو نئے تکوینی قوانین کو کشف کرکے اس سے استفادہ کیا ھے یہ وھی قوانین الٰھی ھیں جن کو خداوندعالم نے طبیعت میں قرار دیا ھے، اور ان سے خارج ھونا گویا انسان کا خدا کی تکوینی عبادت سے خارج ھونا ھے- بلکہ جیسا کہ ھم نے عرض کیا ھے کہ انسان اپنی محدود دائرے میں رھکر تکوینی قوانین کے مجموعہ میں آمد ورفت کرسکتا ھے، اور مختلف علوم کے قوانین اور تکوینی قوانین جو انسان کے دائرہ اختیار میں ھیں ان سے استفادہ کرے اور ایک قانون کے مقابلہ میں دوسرے قانون سے استفادہ کرے، یعنی یہ محدود دائرہ انسانی اختیار کی حدود کو معین کرتا ھے-

7- الٰھی اور تشریعی قوانین، انسان کے کمال اور سعادت کی ضامن ھے
انسان جس قدر بھی انتخاب کی قدرت رکھتا ھے تو کیا جس طرح سے چاھے اس طرح انجام دے سکتا ھے، یا اس کے لئے کوئی ایک حد معین ھے؟ اور کیا اس حد میں بھی کچھ خاص قوانین ھیں کہ جن کو انجام دینا ضروری ھو؟ جواب یہ ھے کہ اس حد میں بھی قوانین معین ھیں البتہ یہ قوانین تکوینی قسم سے نہیں ھیں بلکہ یہ قوانین تشریعی اور اعتباری یا قوانین ارزشی ھیں کہ جن کو قدیم علماء کرام عقل عملی کے دائرہ میں بتا تے ھیں، (ان قوانین کے مقابلے میں کہ جن کا دائرہ عقل نظری ھے) یعنی ھر وہ چیز کہ جو انسان کے اختیار میں ھے اور عقل عملی اس میں فیصلہ دیتی ھے- بے شک تشریعی قوانین پر عمل کرنے سے انسان اپنے آخری مقصد اور کمال نہائی تک پھونچ جاتا ھے ، اور ان کی مخالفت کرنا انسان کو انسانیت کے گرادیتا ھے بلکہ جانور سے بھی بدتر بنادیتا ھے، قرآن مجید اس چیز کی طرف اشارہ کرتا ھے:
(لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنْسَانَ فِیْ أَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ -ثُمَّ رَدَدْنَاہ أَسْفَلَ سَافِلِیْنَ- إِلاَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَھمْ أَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنَ-) (1)
”ھم نے انسان کو بھت اچھے کینڈے کا پیدا کیا ھے پھر ھم نے اسے پست سے پست حالت کی طرف پھیر دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے (اچھے) کام کرتے رھے ان کے لئے تو بے انتھا اجر وثواب ھے“
جی ھاںانسان میں اتنی صلاحیت ھے اور وہ خدا داد صلاحیتوں کے ذریعہ خدا سے بھت قریب ھوسکتا ھے ، اور خدا کی نافرمانی کرکے انسانیت سے بھی پست تر بلکہ جانور اور حیوان سے بدتر بن سکتا ھے- لہٰذا قوانین تشریعی اور قوانین اعتباری یعنی خدا کی اطاعت یا خدا کی نافرمانی انسان کے اختیار میں ھے، اگر ان قوانین کو قبول کیاتو گویا انسان نے خدا کی اطاعت کی، اورانسان بلند درجات پر پھونچ جائے گا،اور اس کو چین وسکون اور روحی ومعنوی سلامتی مل جائے گی اور اگر اس نے خدا کے نافرمانی کی تو انسانیت سے گرجائے گا، آج کل کے بھداشت اور صفائی کے قوانین کے طرح، کہ اگر ھم نے ان کی رعایت کی تو ھم صحت وسلامتی کی نعمت سے مالا مال رھیں گے اور اگر ھم نے ان قوانین کی رعایت نہ کی تو بیماریوں میں مبتلا ھوجائیں گے-
انسان کے مختار ھونے کے پیش نظر اگر انسان ڈاکٹری قوانین کی رعایت کرتا ھے یا نہیں کرتا ، اگر اپنی صحت وسلامتی کی فکر ھے اور چاھتا ھے کہ صحیح وسالم رھے تو اس کو ڈاکٹری دستورات کی پابندی کرنی ھوگی، او راگر اس کو صحت وسلامتی نہیں چاھئے تو پھر ان قوانین پر عمل کرنا کوئی ضروری نہیں ھے، لہٰذا حقیقت یہ ھے کہ انسان کی صحت وسلامتی کے لئے ڈاکٹری قوانین کی رعایت کرنا ھوگی اور بغیر اس کے صحت وسلامتی ممکن نہیں ھے، البتہ یہ باتیں کوئی زبردستی والی نہیں ھےں؛ کیونکہ ان قوانین کی رعایت کرنا یا نہ کرنا سب کچھ انسان کے اختیار میں ھے، اور اپنے اختیار سے ان قوانین کی رعایت کرکے صحیح وسالم رھتا ھے اور ان کی رعایت نہ کرکے بیمار پڑجاتا ھے اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ھے-
اب تک جو کچھ جسم اور بدن کے بارے میں کھا گیا یہ سب کچھ انسان کی روح کے بارے میں بھی ھے، اور جس طرح

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انسان کا بدن بیمار ہوتا ھے اسی طرح انسان کی روح بھی بیمار ہوجاتی ھے، روح کی صحت وسلامتی بھی روح سے متعلق قوانین کی رعایت پر موقوف ھے کہ اگر انسان ان قوانین پر عمل کرتا ھے تو معنوی کمال اور سکون وسلامتی اس کو نصیب ہوتی ھے اور اس کے علاوہ انسان کی روح بیمار ہوجاتی ھے،خداوندعالم اس بارے میں ارشاد فرماتا ھے:
(فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَرَضٌ فَزَادَھمُ اللّٰہ مَرَضاً...) ( 2)
”ان کے دلوں میں مرض تھا ھی ، اب خدا نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا“
وہ انسان جو کسی نشیب میں ہو او روھاں سے تیز دوڑنا چاھے اور اپنے کو کنٹرول نہ کرسکے اور گرپڑے اور اپنی جان کھوبیٹھے، لیکن اگر وہ خود کو صحیح وسالم چاھتا ھے تو اس کو احتیاط کے ساتھ دوڑنا ہوگا، اور اپنے کو اس طرح کنٹرول کرے کہ اگر کسی بلندی سے نیچے کی طرف آبھی رھا ھے اور کوئی خطرناک جگہ آگئی ھے تو وھاں پر رک جائے اور سنبھال کر قدم اٹھائے۔ معنوی مسائل میں بھی خاص روابط وضبوابط ھیں اور خداکے احکام پر پابندی کرنے سے روح کی سلامتی اور اخروی سعادت ابدی مل جاتی ھے ، اور یہ بات ظاھر ھے کہ ان قوانین پر عمل نہ کرنے سے اس سعادت پر نھیں پھونچ سکتا۔ البتہ انسان آزاد اور مختار ھے اور یہ کھہ سکتا ھے کہ میں سعادت اور کامیابی نھیں چاھتااور میں جھنم میں جانا چاھتا ہوں ؛تو کسی انسان بھی اس سے کوئی مطلب واسطہ نھیں رکھتا، اور تکوینی انتخاب کا راستہ اس کے لئے ھموار ھے۔ لیکن اگر خدا کا قرب اور اخروی سعادت چاھتا ھے تو پھر اس کو خدا کے حکم کی پیروی کرنی ہوگی، اور اپنی مرضی نھیں چلے گی، کیونکہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے یا ہوائے نفس کی پیروی گمراھی اور حق وحقیقت سے منحرف ہونے کا سبب ھے:
(أَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰھہ وَأَضَلَّہ اللّٰہ عَلیٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہ وَقَلْبِہ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہ غِشَاوَةً فَمَنْ یَھدِیْہ مِنْ بَعْدِ اللّٰہ أَفَلاَ تَذَکَّرُوْنَ۔ (3)(
”بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواھش کو معبود بنارکھا ھو اور (اس کی حالت) سمجہ بوجہ کر خدا نے اسے گمراھی میں چھوڑ دیا ھو اور اس کے کان اور دل پر علامت مقرر کردی ھے( کہ یہ ایمان نہ لائے گا)اوراس کی آنکہ پر پردہ ڈال دیا ھے ، پھر خدا کے بعد اس کی ھدایت کون کرسکتا ھے تو کیا تم لوگ (اتنا بھی) غور نھیں کرتے“
جو کوئی شخص اگر اپنے نفس اور دل کا تابع ہوگیا ھے تو گونگا اور بھرا ہوجاتا ھے اور حقیقت وواقعیت کو نھیں سمجہ سکتا، اگرچہ بھت زیادہ علم بھی رکھتا ہو، اس کی آنکھوں پر پردہ پڑجاتا ھے جس کی وجہ سے حقیقتیں چھپ جاتی ھیں۔ اس سلسلہ میں ”بلعم باعورا“ (4)کا واقعہ ھمارے لئے باعث عبرت ھے کہ اتنے علم کے باوجود کہ اپنے زمانہ کے بڑے دانشمندوں میں شمار ہوتا تھا لیکن کس طرح سے پستی کی طرف گرا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ھے:
(وَاتْلُ عَلَیْھمْ نَبَأَ الَّذِیْ ءَ اتَیْنَاہ ءَ ایَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھا فَأَتْبَعَہ الشَّیْطَانُ فَکَانَ مِنَ الْغَاوِیْنَ ...فَمَثَلُہ کَمَثَلِ الْکَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَیْہ یَلْھثْ أَوْ تَتْرُکُہ یَلْھثْ۔)(5)
”)اے رسول) تم ان لوگوں کو ا س شخص کا حال پڑہ کر سنادو جسے ھم نے اپنی آیتیں عطا کی تھیں پھر وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان نے اس کا پیچھا پکڑا اور آخر کار وہ گمراہ ہو گیا اور اگر ھم چاھتے تو ھم اسے انھیں آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کردیتے مگر وہ تو خود ھی پستی کی طرف جھک پڑا اور اپنی نفسانی خواھش کا تابعدار بن بیٹھا، تو اس کی مثل اس کتے کی مثل ھے کہ اگر اس کو دھتکارا دو تو بھی زبان نکالے رھے اور اس کو چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رھے“
جی ھاں خدا کی عطا کردہ آزادی سے انسان اتنا بھی گرسکتا ھے ، لیکن اگر انسان سعادت وکامیابی چاھتا ھے تو پھر اس کو مربوط قوانین کی رعایت کرنی ہوگی، اوریہ قوانین ایک طرح کے نھیں ھےں بلکہ مختلف قسمیں ھیں ۔ لٰھذا ضرورت ھے کہ اسلامی احکامات کے چاھنے والے حضرات کو معلوم ہوجائے کہ ھماری زندگی میں کس طرح کے قوانین کی ضروت ھے۔

8-حقوقی قوانین اور اخلاقی قوانین میں فرق
قانون کے نام سے جو چیز ھمارے درمیان مشھور ھے وہ ”حقوقی قانون“ ھے ان قوانین سے مراد ایک طرح کے دستور ھیں جو معتبر مرکز یا اداروں کی طرف سے بنتے ھیں اور وہ ایک طاقت ھے جس کا نام قوہ مجریہ (حکومت) ھے جو ان قوانین کے نفاذ کی ضامن ہوتی ھے اور ضرورت کے وقت پولیس یا فوج کے ذریعہ قوانین کا نفاذ کراتی ھے، اور جرائم کی روک تھام کرتی ھے، حقوقی قوانین عام معنی میں سزاؤں کے قوانین کو بھی شامل ھیں جوکہ علم حقوق میں بیان کئے جاتے ھیں،ایسے موقع پر اگر کوئی یہ کھے کہ حکومت کی ذمہ داری صرف یہ ھے کہ عوام کو بتائے ان سے کھے کہ چوری نہ کریں، کسی کی عزت پر حملہ نہ کریں، تو قطعی طور پر کوئی بھی حکومت اس بات کو تسلیم نھیں کرے گی، اس بات کا مطلب (کہ چونکہ انسان آزاد ھے لھٰذا اگر وہ قوانین حقوقی کی خلاف ورزی کرے تو کوئی اسے سزا نہ دے) یہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھے کہ حقوقی قوانین کا ھونا یا نہ ھونا برابر ھے، جبکہ قوانین ھونے کا فلسفہ یہ ھے کہ اس کا نفاذ کا کوئی ذمہ دار بھی ھو اور قوانین حقوقی اور قوانین اخلاقی کے درمیان بنیادی فرق یھی ھے -
اگرچہ دوسرے فرق بھی پائے جاتے ھیں مثلاً اخلاقی قوانین میں یہ ذکر ھوتا ھے کہ امانت کا خیال رکھیں اور اس میں کبھی خیانت نہ کریں، یہ ایک اخلاقی حکم ھے ، اب اگر کوئی امانت میں خیانت کرے تو اخلاقی خلاف ورزی کی وجہ سے سزا یا قید میں نھیں ڈالا جائے گا بلکہ دھوکہ دھڑی کرنے پر قانون سزا کے مطابق اسے خاص سزا دی جائے گی، لھٰذا کوئی ایسا محکمہ ھونا چاھئے کہ جو قانون شکنی کرنے والوں کے ساتھ مقابلہ کرسکے اور طاقت کے ذریعہ ان پر قانون کو لاگو کرسکے، اس لئے قوانین کا لازمہ یہ ھے کہ طاقت کا استعمال کیا جائے کہ جس کے بغیر قوانین حقوقی بے معنی اور بے کار ھیں، لیکن قوانین اخلاقی ایسے نھیں ھیں، اور نہ ھی کسی محکمہ کی ضرورت ھے، مگر یہ کہ حقوقی پھلو رکھتے ھوں، بے شک دین میں ایسے احکام پائے جاتے ھیں جو انسان اور خدا کے درمیان رابطہ کو برقرار کرتے ھیں جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ یہ احکام فقط ادیان (الھٰی) میں موجود ھیں-
یھاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ کیا دین مینقوانین حقوقی بھی پائے جانے چاھئے یادین صرف خدا اور بندے کے درمیان رابطہ کو قائم کرنے کے لئے ھے، یہ ایسا شبہ اور سوال ھے جو آج کل وسیع پیمانہ پر یونیورسٹیوں اور ان کی نشریات میں ذکر ھوتا رھتا ھے اور تمام حضرات چاھے وہ یونیورسٹیوں میں رھنے والے ھوں کہ جن سے بلاواسطہ تعلق ھوتا ھے یا ان کے والدین اور رشتہ داروں سے متعلق ھو، ان اعتراضات اور سوالوں کی طرف توجہ کرنا چاھئے ، چاھے یہ باتیں آخر کار طالب علموں اور دانشوروں کے ذریعہ تمام افراد تک پھونچتی ھوناور ھمارے عمومی تھذیب وثقافت پر اثر انداز ھوتی ھےں، ایک دن یھی جوان طالب علم اپنے ماں باپ کی جگہ لیتے ھیں اور ایک موثر اورنمایاں شخصیت بن کر معاشرہ کے بنیادی افراد میں قرار پاتے ھیں، اب اگر اس وسیع طبقہ کی تھذیب وکلچر بدل جائے تو ایک نسل کے بعد معاشرے کا کلچر پورے طور سے بدل جائے گا، لھٰذا ھمیں ھمیشہ اس بات کی طرف توجہ کرنا ھوگی کہ کون سی تھذیب اس وقت ھمارے معاشرے پر اثر انداز ھے اور رواج پارھی ھے-

9-اسلامی اور خودمختاری کے نظریات میں فرق
دور حاضر میں جو مسائل ذکر ھوتے ھیں ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ھے کہ قانون کو کم سے کم ھونا چاھئے ، یہ ایک خودمختاری نظریہ ھے جو دور حاضر کی دنیا میں پایا جاتا ھے ،اس سلسلہ میں بھت سی بحثیں ھوئی ھیں اور بے شمار کتابیں لکھی گئی ھیں، اسی نظریہ کی بناپر کچھ افراد اس بات کے قائل ھیں کہ حکومت اور قانون ساز حضرات کو انسان کی زندگی اور اس کے امور میں وسیع پیمانے پر دخالت نھینکرنا چاھئے، کیونکہ جس قدر حکومت کی دخالت کم ھوگی معاشرہ اتناھی زیادہ ترقی کرے گا، البتہ اس نظریہ کے کچھ لوازمات بھی ھیں، جو معاشرے کے دوسرے حالات میں بھی سرایت کرتی ھیں-
مذکورہ نظریہ کا تعلق سماجی آگھی سے ھے اور جامعہ شناسی کے بارے میں پائے جانے والے دو نظریوں میں سے ایک نظریہ پر موقوف ھے:
پھلے نظریہ میں: معاشرہ کو اصل قراردیا گیا ھے، اس بناپر قوانین کو جامع او رھمہ گیر ھونا چاھئے، جو انسانی زندگی کے تمام حالات پر مشتمل ھو، اور شخصی آزادی کم سے کم ھونا چاھئے-
دوسرے نظریہ میں: شخصی زندگی کو اصل قرار دیا گیا ھے اس بناپر انسان کو مکمل آزاد ھوناچاھئے اور سماجی قوانین بھت کم ھونے چاھئیں تاکہ انسان کو کم پابند بناسکے-
آج کل جو بات مغربی معاشرے میں پائی جاتی ھے یھی انفرادی اور شخصی زندگی بسر کرنے کا نظریہ ھے کہ جس سے خود مختاری اور آزاد خیالی کا نظریہ پیدا ھوتا ھے، جونظریہ اس بات کا قائل ھے کہ قوانین کو کم سے کم ھونا چاھئے اور عوام الناس کو زیادہ سے زیادہ آزادی ھونی چاھئے تاکہ عوام الناس جس چیز پر چاھے عمل کرے-
اسلام کے نظریہ کو پیش کرنے سے پھلے اس نکتہ کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ھوں کہ قانون سے دل چسپی کا موضوع (کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ )علوم انسانی کے چند شعبوں سے مربوط ھے جیسے جامعہ شناسی فلسفہ(یعنی معاشرہ اصل ھے یا شخص اصل ھے) اور فلسفہ اخلاق، اس بات کو سمجھنے کے لئے قدر وقیمت کا معیار کیا ھے؟ کیا اخلاق، قانون پر حاکم ھے یا اخلاق کو، قانون معین کرتا ھے، اسی طرح فلسفہ حقوق اور پھر فلسفہ سیاست میں بھی یھی بحثیں جاری ھیں،اسی نقطہ نظرسے انسان کی زندگی کے تمام پھلو اس کے عاقبت اور انجام سے مربوط ھیں یعنی ھر طرح کی سعی وکوشش اس زندگی میں ھماری ابدی خوش بختی یا بدبختی پر اثر انداز ھوگی-
اسلامی تفکر سے مراد یہ ھے کہ" الدنیا مزرعة الآخرة" یعنی جو کچھ انسان دنیامیں بوئے گا یا جو رفتار وکردار اپنائے گا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

،آخرت میں اس کا نتیجہ ویسا ھی ظاھر ھوگا، اس کی سعادت کا سبب بنے گا یا اس کی شقاوت وبدبختی کا باعث بنے گا، اگر ھم اس نظریہ کو اصل قرار دیں توپھر کیا انسان کی زندگی میں کوئی چیز باقی رھے گی جو قانون کی محتاج نہ ھو؟ یھاں پر قانون کا محتاج ھونا یعنی قانون ھماری راھنمائی کرے کہ انسان کس راستہ کو انتخاب کرے اور کس راہ و روش کو اپنائے تاکہ اپنے مقصودتک پھونچ جائے یعنی اگر معاشرہ امن وسلامتی چاھتا ھے ، تو انسان کسی کی عزت اور مال ودولت پر دست دازی نہ کرے ورنہ اس کی عزت اور مال پر بھی حملہ ھوگا، اور بقول شاعر :

ببری مال مسلمان وچون مالت ببرند
داد وفریاد برآری کہ مسلمان نیست

''تم مسلمان کے مال کو اٹھالے جاؤکیونکہ وہ تمھارے مال کو اٹھالے گئے اور پھر آہ وفریاد کرو کہ وہ مسلمان نھیں ھو''
انسان کی طبیعت منفعت طلب ھے اور انسان صرف اپنے فائدہ کے بارے میں سوچتا ھے، اور اس راستہ میں کسی بھی طرح کی سعی وکوشش سے دریغ نھیں کرتا لیکن جس وقت اس کے بارے میں منافع کو خطرہ لاحق ھوتا ھے تو قانون کا سھارا لیتا ھے، لھٰذا مزاحمتوں اور اختلافات کی برطرف کرنے کے لئے اور معاشرے میں امن وتعاون قائم کرنے کے لئے قانون کا ھونا ضروری ھے، جو دوسروں پر ظلم ونا انصافی کرنے سے روکے، اور ھر شخص کے حقوق کو بیان کرے اور عدل وانصاف کے حدود معین ھوں تاکہ عوام الناس کو یہ پتہ چل سکے کہ کون سا فعل ظلم اور برُا ھے اور کونسا کام عدل وانصاف کے مطابق ھے - ورنہ ھر شخص دوسرے کے حقوق پر تجاوز کرتا ھے اور دوسرے بھی اس کے حقوق کو پامال کرتے ھیں کہ جس کے نتیجہ میں ناامنی پیدا ھوتی ھے، اور نہ ھی آرام وسکون ملتا ھے اور نہ ھی سعادت اخروی حاصل ھوتی ھے اور نہ ھی کوئی شخص اپنی فطری خواھشوں کو حاصل کرسکتا ھے-
اسی بنا پر اسلامی نظریہ کے تحت ھماری ساری حرکات وسکنات، چاھے وہ انفرادی وشخصی زندگی سے مربوط ھو خواہ سماجی ومعاشرتی زندگی کے بارے میں ھو، سب کے لئے احکام وقوانین موجود ھیں ، حد ھے کہ بین الاقوامی روابط کے لئے بھی قوانین پائے جاتے ھیں، اور اسلام انسانی زندگی کے تمام پھلوؤں کے لئے قانون رکھتا ھے انھیں میں سے حقوقی اور سماجی قوانین بھی ھیں ، حدھے کہ اسلام میں انسانوں کے ذھنی خطورات کے لئے بھی قانون موجود ھے اور اسلام کا کھنا یہ ھے کہ تمھیں یہ حق نھیں ھے کہ جو چاھواپنے دل میں سوچو،اور ھر طرح کا خیال کو اپنے دماغ میں لاؤ، اور دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرو اس لئے کہ :
''إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ'' (6)
بعض گمان گناہ ھیں
جس طرح صفائی اور نظافت کا خیال نہ کرنے سے بیماریاں پیدا ھوجاتی ھےں،اور انسان اور معاشرہ کی سلامتی خطرہ میں پڑجاتی ھے،اسی طرح قوانینِ اسلام کا لحاظ نہ کرنے سے سماج ومعاشرہ کو نقصان پھونچتا ھے-
اور جو بات کھی گئی ھے کہ انسان زندگی کہ انسانی زندگی کا کوئی پھلو اسلامی قوانین کے دائرے سے خالی نھیں ھے، یھاں تک کہ انسان کو اپنے دل، خیال اور فکر پر بھی کنٹرول رکھنا ضروری ھے، اور اس کا یہ مطلب ھرگز نھیں ھے کہ انسان کی آزادی کو چھین لیا جائے بلکہ آزادی سے صحیح فائدہ اٹھانے کا سلیقہ اسے بتایا گیا ھے ا ور اس کے راستہ کا چراغ ھے، تاکہ وہ آزادی سے صحیح طریقے سے فائدہ اٹھاسکے، البتہ یہ قوانین اس اعتبار سے کہ انسان کی سماجی زندگی سے مربوط نھیں ھیں اور صرف اخروی سزا رکھتے ھیں؟ جو شخص اپنے مومن بھائی کے بارے میں سوءِ ظن رکھتا ھے اسے دنیا میں سزا نھیں ملتی بلکہ آخرت میں سزائیں ملتی ھیں .
اگر سماجی قوانین واحکام کی مخالفت ھو اور معاشرتی مصلحتوں کو پائمال کیا جائے تو دنیا کی سزائیں رکھی گئی ھیں اور در اصل دنیاوی سزائیں تمام حقوقی قوانین کا لازمہ ھیں، اور اسلام حقوقی قوانین پر منحصر نھیں ھے، اورجو شعبہ سماجی نظام کے نظم وضبط کے لئے قانون بنانا چاھئے وہ مجبور ھے کہ خلاف ورزیوں اور قانون شکنیوں کے بارے میں بھی سزا کو معین کرے-
خلاصۂ کلام یہ کہ سماجی زندگی بغیر ایسے قوانین کے جو انسانی آزادی کو محدود کردیں،قائم نھیں رہ سکتی ھے اور جس قدر سماجی روابط زیادہ وسیع ھوں گے اتنا ھی زیادہ سماجی قوانین کی ضرورت اور اس کے نفاذ کی ذمہ داری بڑھتی چلی جائے گی-

حوالے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(1)سورہ والتین آیت 4-۶
(2)سورہ بقرہ) آیت ۱۰
(3)سورۂ جاثیہ آیت23
(4) بلعم باعور کا واقعہ علامہ فرمان علی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنے ترجمہ میں درج ذیل آیت کے ضمن میں بیان کیا ہے،(مترجم)
(5)سورہ اعراف آیت 175، 17۶
(6) سورہ حجرات آیت 12

اسلام اور سیاست جلد(۱)

گیارھواں جلسہ

**قانون کے اعتبار کا معیار**

1- بڑے سیاسی مسائل کی عمیق تحقیق کی ضرورت
ہم اپنے گذشتہ جلسوں میں اسلام کے سیاسی نظریہ کو بیان کرچکے ہیناور اس بات کی طرف بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ اس بارے میں دو طریقوں سے بحث کی جاتی ہے:

1-بحث کا پہلا طریقہ جَدَلی ہے جس میں اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ مخاطب مسلمان ہے ، اسلام اور شیعت کا عقیدہ رکھتا ہے یا کسی اور مسلک سے وابستہ ہے، اس میں تو صرف طرفین کے توافق وتفاھم کی خاطر ابتدائی اصول اور مبانی کو اصول موضوعہ قرار دیکر بحث کی جاتی ہے اور انہیں مقدمات پر اعتماد کرتے ہوئے بحث کو جاری رکھا جاتا ہے-

2- بحث کا دوسرا طریقہ برُھانی ہے، جس میں بحث کو منظم، عمیق اور عقلی دلیلوں کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور گفتگو کے تمام اطراف وجوانب یہاں تک کہ اصول موضوعہ کی بھی تحقیق وجستجو کی جاتی ہے اور یقینی وظاھری چیزوں پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے مدعا کے لئے عقلی اور غیر قابل اعتراض دلیلوں کو قائم کیا جاتا ہے-
اگرچہ برھانی بحث خستہ کنندہ ہوتی ہے اورعلمی محفلوں اور اعلیٰ تعلیم گاھوں کے لئے مناسب ہوتی ہیں اور ان کے سننے والے بھی خاص افراد ہونے چاھئے،لیکن اس بات کو بھی مدّنظر رکھنا چاھئے کہ ھمارے معاشرہ میں اپنی ثقافت کو بلندکرنے اور معلومات حاصل کرنے کے لئے قدم اٹھالئے گئے ہیں اور آج کل ھمارے بہت سے جوانوں کی معلومات خاص طور سے دینی اور سیاسی مسائل پر گذشتہ اندیشمندوں سے کہیں زیادہ ہے اسی وجہ سے برھانی ومدلل اور عمیق مباحث کی ضرورت ہے تاکہ ھمارے معاشرہ کی فکری اور ثقافتی معیار میں خاص طور سے جو مراکز اصل نظام اور اسلامی اصیل عقائد سے متعلق ہیں ان میں ترقی ہو، ان میں مقابلہ کرنے اور اعتراضا ت کے جوابات دینے کی طاقت پیدا ہو، تاکہ دوسروں سے متاثر نہ ہوں،اسی لئے ھم اصول موضوعہ سے مربوط مطالب کو علمی اور فلسفی پیچیدہ اصطلاحوں کے بغیر سادہ طریقہ سے بیان کریں گے ، اور ان عقلی عقیدوں کو ذھن میں راسخ اور مستحکم کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ اعتراضات کے سیلاب سے بہت کم متاثر ہوں-
حکومت اور سیاسی نظام کا ایک بنیادی کام یہ ہے کہ اس کی بیک سائڈ مضبوط ہو اور وہ معاشرہ میں حقوقی قوانین جاری کرنے کی ضامن ہو، اوریہی سے اخلاقی قوانین کا حقوقی اور سیاسی قوانین سے فرق واضح ہوجاتا ہے ، چونکہ اخلاقی قوانین اس لحاظ سے کہ اخلاقی ہےں ان کو الگ سے نافذ کرنے کی ضمانت کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور ہر انسان اپنے عقائد اور اپنی معنوی حیثیت کی و جہ ان کا پابند ہوتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے ، لیکن حقوقی قوانین کے لئے الگ سے ضامن کا ہونا ضروری ہے حقوقی قوانین کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کو معاشرہ یا کسی ادارہ کے ذریعہ عوام الناس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے لئے جاری کیا جاتا ھے یہاں تک کہ اگر گوئی ان کا معتقد بھی نہ ہو تو بھی اُس پر ان قوانین کی پابندی کرنا ضروری ہوتا ھے اور اگر کوئی ان قوانین کو ماننے سے سرپیچی کرے تو حکومت کا وظیفہ ھے کہ اس کے ساتھ طاقت وزبردستی سے پیش آئے اور اگر ضرورت پڑے تو ان قوانین کے نفاذ کیلئے اسلحہ کا بھی استعمال کرسکتی ھے۔
انھیں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انقلاب کے بعد خاص طور سے اندرونی حالات اور بے رحمانہ قتل وغارت کے بعد نظام کے ذمہ دار افراد نے قانون مندی پر زور دیایہاں تک کہ انقلاب کے ابتدائی سالوں میں سے ایک سال کا نام ''سال قانون'' رکھا گیااور اب تک تمام حکومتوں نے اس اعلان کی پابندی کی ھے، اور اسی وجہ سے موجودہ حکومت کا ایک اصلی او راھم مقصد قانون کے نعرہ کو ملکی پیمانے پر جاری کرنا اور خلاف ورزی سے لوگوں کو منع کرنا ھے، لہٰذا سب سے پہلے قانون اور اس کے معتبر ہونے کے بارے میں بحث کرنا ضروری ھے تاکہ اس بارے میں جو سوالات واعتراضات درپیش ہوں ان کا قانع کنندہ جواب دیا جاسکے۔

2۔قانون کے معتبر ہونے کا معیار اور اس کی وسعت
بہت سے لوگوں کے سامنے یہ اعتراضات وسوالات پیش آتے ھیں کہ مثلاًقانون کس حد تک معتبر ھے اور اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ اور افراد کو کس حد تک قانون کے سامنے سرِتسلیم خم کرنا چاھئے؟ او رکون سا قانون اتنا معتبر ھے کہ افراد کو سوفی صد اس کا تابع اور مطیع ہونا ضروری ھے؟ بحث کو آگے بڑھانے اور ان سوالوں کے بارے میں کچھ بیان کرنے سے پہلے اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ھے کہ ھم مسلمانوں کے نظریہ کے اعتبار سے اسلامی نظام کے تابع ھےں اور حضرت امام خمینی(رہ) او رمقام معظم رھبری حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مدظلہ العالی کے اقوال ھمارے لئے حجت ھیں ۔
لہٰذا اس بات کا کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ کہ ھم اسلامی حکومت کے قوانین چاھے وہ پارلیمنٹ نے بنائے ہوں یا حکومت کے کسی دوسرے ادارہ نے بنائے ھیں یہاں تک کہ قوانین کے وہ بخشنامہ جو مختلف وزارتخانوں سے اداورں کو دئے جاتے ھیں ان سب کا نافذ کرنا ضروری ھے ، اور امام خمینی(رہ) کے فرمان کے مطابق اسلامی حکومت کے تمام قوانین ومقررات لازم الاطاعت ھیں ، لہٰذا ھمارے لئے ان سب پر عمل کرنا ضروری ھے، اور ھم سب کو ذاتی طور پر اسلامی حکومت کے چھوٹے سے چھوٹے قوانین ومقررات کی بھرپور رعایت کرنا چاھئے اگرچہ کسی مقام پر وہ ھمارے فقھی فتوے کے خلاف ھی کیوں نہ ھو۔
اور اس بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ اسلامی حکومت کے احکام و قوانین ومقررات اور ولی امر مسلمین کی اطاعت ھم سب پر واجب ھے، اب اگر ھم قانون کے اعتبار کے معیار وملاک کے بارے میں سوال کرتے ھیں تو کسی کو یہ وھم نہ ھو کہ ھم اسلامی حکومت کے قوانین کے لازم الاطاعت ہونے کے بارے میں شک کررھے ھیں بلکہ اس سے تو ھمارا مقصد فکری بنیادوں کو اس بات کے لئے مستحکم کرنا ھے کہ اسلامی حکومت کی اطاعت کرناضروری ھے۔
اور ھماری کوشش تو اس سوال کی وضاحت کرنا ھے کہ ھم اسلامی حکومت کے قوانین کی اطاعت کیوں کریں؟ اور یہ معین ہونا چاھئے کہ قانون کے معتبر ومعین ہونے کی وجہ کیا ھے؟ جب حکومت کسی دن عمومی چھٹی کا اعلان کردیتی ھے یا قوانین ومقررات کے تحت آنے والے افراد کے لئے کچھ ٹیکس معین کرتی ھے یا معمول کے مطابق کچھ احکام نافذ کرتی ھے یا جداگانہ شرائط جیسے جنگ کی شرطوں میں عمومی طور پر عوام الناس کو طلب کرتی ھے اور خاص قوانین جاری کرتی ھے کہ عوام الناس یہ جان لیں کہ وہ قوانین اور مقررات پر کیوں عمل کریں ، اور صرف یہ کہ کوئی شخص حکم صادر کردے اورعوام الناس اس کی پیروی کرکے اس پر عمل شروع کردے، یہ کافی نہیں ھے۔
دوسری طرف سے ھماری بحث ''سیاسی فلسفہ'' سے مربوط ھے، مسئلہ قانون اور اس کا معتبر ہونا اور اس کی اطاعت کا لازم ہونا یہ تمام سیاسی نظاموں کی بنیادی بحثوں میں سے ھے اور یہ صرف اسلامی نظام سے مخصوص نہیں ھے، ''فلسفۂ سیاست اور فلسفۂ حقوق'' سے تقریباً سبھی لوگ واقفیت رکھتے ھیں، اور محقیقن اور ماھرین حضرات نے معارفِ بشری کے ان دو موضوعات کو بیان کرنے میں بڑی کوششیں اور محنتیں کی ھیں اور مختلف نظریات کو مناسب دلیلوں کے ذریعہ بیان کیا ھے، لیکن پھر بھی آج تک وہ اس نتیجہ پر نہیں پھونچ سکے جو برھانی اورمدلل ھو، اور مکمل طور سے قانع کنندہ ھو تاکہ اس کا دفاع کیا جاسکے، اور قانون کے معتبر ھونے کے باب میں ان محققین نے مندرجہ ذیل تین اھم نظریات قائم کئے ھیں:

الف: نظریۂ عدالت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بعض محققین نے قانون کے معتبر ہونے میں عدالت کومعیار قرار دیاھے، کہ اگر کوئی قانون عدالت اور عوام الناس کے حقوق کی رعایت کی بنیاد پر بنایا جائے گا تو وہ معتبر ہوگا اور عوام الناس پر اس کی اطاعت کرنا واجب ہوگی، لیکن اگر قانون عدل کی بنیاد پر نہ بنایا گیا ہو بلکہ غیر عادلانہ طور پر بنایا گیا ہو تو وہ قانون معتبر نہینھے۔

ب: معاشرے کی ضرورتوں کو پوراکرنا

قانون کے معتبر ہونے میں دوسرا نظریہ یہ ھے کہ وہ قانون معتبر ھے کہ جو معاشرے کی ضروتوں کو پورا کرسکے، کیونکہ معاشرہ کے افراد اجتماعی زندگی سے سروکار رکھتے ھیں جن میں ان کی مخصوص ضرورتیں ھوتی ھیں او ران میں ان کا کوئی فردی اور ذاتی پھلو نھیں ھوتا ھے، اگرچہ تمام لوگوں کو ان ضروتوں کا سامنا کرنا ھوتا ھے لیکن اصل میں وہ لوگ اجتماعی ھیں اور اجتماعی زندگی کی شرطوں کا خیال رکھتے ھیں،مثال کے طور پر عمومی نظافت کی رعایت کرنا معاشرہ کی ایک اھم ضرورت ھے اگرچہ ھر شخص اگر وہ چاھے تو اپنی ذاتی زندگی اور گھر کی چھاردیواری کے اندر رہ کر اس کی رعایت کرسکتا ھے۔

لیکن عمومی نظافت کی رعایت کرنے کی خاطر ھر شخص کو اس کی رعایت کرنے پر آمادہ کرنا ایک مشکل کام ھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ھوتی ھے کہ فرد کے عملی اقدام سے بالا تر کوئی ادارہ یا قانون موجود ھو جو عمومی ضرورتوں کو پورا کرسکے. مثال کے طور پر اگر معاشرہ میں وبا اور طاعون جیسی خطرناک بیماریاں پھیل جائیں تو ان بیماریوں پر کنٹرول کرنے کے لئے فردی اقدامات سودمند ثابت نھیں ھوسکتے بلکہ اس چیز کی ضرورت پیش آئے گی کہ حکومتی پیمانہ پر کسی ادارہ کی طرف سے بیماری پر کنٹرول کرنے اور عمومی نظافت کو ایجاد کرنے کے لئے واکسن (سوئی) وغیرہ لگائے جائیں . تو حکومت کی ذمہ داری یہ ھے کہ وہ قوانین وضع کرکے اگرچہ وہ موسم کے لحاظ ھی سے کیوں نہ ھوں، لوگوں کو اس بات کا پابند بنادے کہ فلاں مدت تک سب کو واکسن لگوالینے چاھئے، (جیسا کہ ھم پھلے بھی بیان کرچکے ھیں کہ قانون سے ھماری مراد عام معنی ھیں جو تمام لازم الاجراء دستور العمل اور آئین نامہ وغیرہ کو بھی شامل ھوتا ھے)

قارئین کرام ! آپ نے ملاحظہ کیا چونکہ عمومی نظافت معاشرہ کی ضرورت ھے اور اس کی رعایت کرنا ایک اجتماعی ضرورت ھے، لھٰذا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کچھ خاص قوانین بنائے گئے ھیں،اور سب پر ان قوانین کی رعایت کرنا ضروری ھوتا ھے اسی طرح اپنے مقام و محل زندگی کے اچھے اور سالم رکھنے کے لئے حکومت کی طرف سے کچھ اذارے معین کئے گئے ھینجو ان ضرورتوں کو پورا کرنے کا اقدام کرتے ھیں اور عوام الناس پر بھی ان اداروں کی طرف سے صادر ھونے والے قوانین اور دستور العمل کی پیروی کرنا لازم ھوتا ھے، نتیجہ کے طور پر حکومت کی طرف سے بھی ادارے معین کئے گئے ھیں جیسے تعلیمی ادارے، نظافت ومعالجہ کے ادارے، وزارتخانے، او ران کے دستور العمل جو معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرتے ھیں اور اسی بناپر ان کو شرعی حیثیت ھے لھٰذا ان کے دستورات کے مطابق ھر فرد پر عمل کرنا واجب ھے۔

ج: عوام الناس کیا چاھتی ھے

بعض محققین قانون کے معتبر ھونے کا معیار وملاک عوام الناس کو خواھش سمجھتے ھیں ان کے نظریہ کے مطابق قانون معاشرہ کی خواھشوں کو پورا کرنے کے لئے ھوتا ھے، لھٰذا جب بھی عوام الناس کوئی چیز حکومت اور قانون بنانے والے ادارہ سے طلب کرے تو حکومت کے پارلیمینٹ میں عوام الناس کے نمائندے عوام الناس کی خواھش کے مطابق قانون بنائیں، اورچونکہ جب قانون لوگوں کی خواھش کو مدنظر رکہ کر بنایا گیا ھے ، تو پھر عوام الناس کا بھی فریضہ یہ ھے کہ اس کی پیروی اور اس کی حفاظت کرے اور اس سلسلہ میں بھر پور کوشش کرے، درحقیقت عوام الناس کی عینی خواھش کا متحقق ھونا پارلیمینٹ کے ممبروں کا منتخب کرنا ھے او ران کو چاھئے کہ کہ وہ عوام الناس کی خواھش کے مطابق قوانین بنائیں، اس بناپر اگر عوام الناس کے منتخب کئے ھوئے نمائندے قانون بنانے کا حق نہ رکھتے ھوں تو عوام الناس کی طرف سے ان کا منتخب کرنا بے فائدہ اور بے سود ھوگا، اور اگر ان کو قانون بنانے کا حق ھو لیکن ان کی جانب سے وہ قانون لازم الاجراء نہ ھو تو قانون گذاری ایک عبث امر ھوگا۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ قانون کے اعتبار کے سلسلہ میں حقوق وسیاست کے کے فلاسفہ کے نظریات کا خلاصہ تھا، اور یہ فطری تقاضا ھے کہ ھم مسلمان ھونے کے ناطے قانون کے معتبر ھونے کا معیار خداوندعالم کی طلب اور مرضی جانتے ھیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ھیں کہ جس چیز کا خداوند عالم نے حکم دیا ھے وھی قانون شمار کیا جائے گااور اسی کو معتبر سمجھا جائے گا، البتہ یہ آخری نظریہ وہ لوگ مانتے ھیں جو خداوندعالم کو قبول کرتے ھیں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(هم مندرجہ بالا نظریوں کی تفصیلی طور پر تحقیق وتنقید اور تجزیہ وتحلیل کرنے سے صرف نظر کرتے ھیں اور صرف اسی تحقیق اور تنقید پر اکتفاء کرتے ھیں جو عام افراد کی فھم ودرک کے مناسب ھے۔)

3۔پہلے نظریہ پر اعتراض

پہلے نظریہ میں بیان کیا جاچکا ھے کہ قانون کے معتبر ھونے میں عدالت کا رعایت کرنا ضروری ھے ، یھاں پر ایک بنیادی سوال یہ پیش آتا ھے جس کو دنیا کے بڑے بڑے محققین نے بھی بیان کیا ھے اور اس سوال کے جواب میں انھوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں ھیں اور وہ سوال یہ ھے کہ عدالت کیا ھے اور عدالت کیسے متحقق ھوتی ھے؟ درحالیکہ عدالت کا مفھوم سب کے لئے واضح ھے پھر بھی سیاسی اور حقوقی نظریہ بیان کرنے والونکے لئے یہ سوال اتنا وسیع ھوگیا اور ان کو اس بھنور میں پھنسا دیا ، لیکن یہ سب اس وجہ سے ھوا کہ انھوننے عدالت کا مطلب مختلف نکالا ھے۔

اگر تمام لوگ معاشرہ کے مال ودولت سے برابر استفادہ کرینتو عدالت قائم ھوگی یا نھیں؟ یعنی اگر ایک سیاسی نظام ان تمام مقدمات ووسائل کو فراھم کردے کہ تمام افراد گھر ، لباس اور سواری وغیرہ کے اعتبار سے بالکل مساوی طور پر استفادہ کریں تو عدالت برقرار ھے ورنہ ظلم ھے؟اس طرح کی چیزیں مکتب ”مارکسیسم“ (سیاست ومعاش کا مسلک) میں وقوع پذیر ھوئیں او رآخر کار” کمیونیزم“ کا نظریہ پیدا ھوا۔

اور اس نظریہ کو بیان کرنے والوں نے یہ اعلان کئے کہ ھم ایسا معاشرہ چاھتے ھیں جس میں کوئی طبقہ بندی نہ ھو، اور اس معاشرہ کا ھر فرد اپنی طاقت وقدرت کے لحاظ سے کام کرے، اور اپنی ضرورت کے مطابق استفادہ کرے، اس کے بعد وہ لوگ اس نتیجہ پر پھونچے کہ ان چیزوں کو عمل کے ذریعہ حاصل نھیں کیا جاسکتا، کیونکہ مندرجہ بالا نظریہ کی طرف ھونے کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا انھیں مشکلات میں سے عدالت کے مقابلہ میں آزادی آگئی تھی، اسی وجہ سے ان لوگوں نے اپنے نظریہ کا پھر سے بغو ر مطالعہ کیا اور کچھ تنزل کرتے ھوئے اپنے اعلانات میں ”سوسیالسٹی“ (عمومی سھولتیں) حکومت کو اپنایا، جب کہ وہ کمیونیزم حکومت کا ایک نمونہ کے طور پر بیان کررھے تھے۔

جس وقت مارکسیسم نے یہ دیکھا کہ لوگوں کی اکثریت پر خاص طور پر مزدوروں اور کسانوں پر ظلم ھورھا ھے تو اس نے اس بے عدالتی اور ظلم سے منع کرتے ھوئے کھا کہ ھم کو وہ امور انجام دنیا چاھئیں کہ حقوق کے اعتبار سے تمام افراد یکساں استفادہ کریں یعنی معاشرہ میں کوئی طبقہ بندی نہ ھو، اور سب کے درمیان بطور کامل مساوات ھو سب ایک دوسرے کے لئے نمونہ عمل ھوں اور سب کے لئے زمین جنت کے مانند ھو، ادھر بعد مسلمانوں نے اس میں ایک لفظ کا اور اضافہ کردیا اور کھا ”توحید کے اعتبار سب لوگ ایک ھوں “تو اب یہ دیکھنا ھے کہ کیا عدالت کا مطلب یھی ھے کہ تمام افراد ایک جیسے اور برابر ھوں؟

اس کے مقابلہ میں بعض محققین کا عقیدہ یہ ھے کہ عدالت کا مطلب یہ ھے کہ ھر فرد اپنی محنت وزحمت کے مطابق معاشرہ سے استفادہ کرے، یعنی اگر کوئی شخص کسی کام کو انجام دیتا ھے تو اس کو اس کی محنت کے مطابق مزدوری ملنا چاھئے،اب اگر کوئی شخص کاھلی اور سستی کرے اور کوئی کام انجام نہ دے تو اس کو دوسروں کی زحمت کے برابر استفادہ نھیں کرنا چاھئے اور اجتماعی منفعتوں کو اس کے حوالے نہ کیا جائے اس بھانہ سے کہ عدالت ایجاد ھوسکے. اور جب عدالت ایجاد ھوجائے گی تو جو افرد کام انجام دیں گے وہ اپنے کام کی مزدوری حاصل کرلیں گے اب اگر کوئی اپنی محنت وکوشش سے زیادہ کام کرے اور اس کو اس کام کا کوئی نتیجہ نہ ملے تو یہ اس کے حق میں ظلم ھوگا۔

4۔ اسلامی قوانین کی برتری

بغیر کسی شک وشبہ کے عدالت کی دونونمندرجہ بالا تفسیریں (کہ جن کو نمونہ کے طور پر بیان کیا گیا) مکمل طور پر ایک دوسرے سے مختلف اور مقام عمل میں ناھم آھنگ ھیں، جن سے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ احکام ، عقائد اسلامی اور مسائل توحید سے سازگاری نھیں رکھتے، نمونہ کے طور پر ھمارے دین اسلام میں بھت سے ایسے احکام ھیں جو خود ھمارے عقیدہ کے مطابق معاشرہ کے لئے بھترین اور سب سے زیادہ مفید ھیں اور مسلماً عدالت کے مطابق ھیں لیکن دنیا کے بھت سے افراد ان کو نھیں مانتے اور نہ ھی ان کو عادلانہ سمجھتے ھیں، مثال کے طورپر بھت سے مقامات پر ارث کے مسئلہ میں مرد وعورت کے درمیان فرق رکھا گیا ھے اگرچہ بعض مقامات میں ان دونوں کی میراث بھی مساوی اور برابر ھے اور اس فرق کی نص صریح قرآن مجید کی یہ آیت ھے: (فَلِذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ.)(1) ”مرد کو عورت کے حصہ کے دوگنا ملے گا“

اس میں کوئی شک شبہ نھیں ھے کہ جو افراد اسلام کے نظریات اور اعتقادی اصول کی معرفت نھیں رکھتے وہ اس طرح کے قانون کو ظالمانہ قانون سمجھتے ھیں، چونکہ ان کے نظریہ کے مطابق خداوند عالم مرد وعورت کے درمیان تبعیض کا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قائل ھے، دوسری طرف یہ کہ گھریلو مشترک زندگی میں اسلام نے مرد کو اس بات کا مکلف قرار دیا ھے کہ وہ مشترک زندگی کے تمام مخارج خواہ وہ عورت کے کھانے پینے کی چیزینھوں یا لباس ھو یا گھر، سب کچھ مرد کو ھی پورا کرنا ھے، اور اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کو یہ حق حاصل ھے کہ وہ اپنی تمام درآمد کو بینک میں جمع کردے اور اس کی میراث اور اس کی درآمد کا خود اسی سے متعلق ھو، اور اس پر اپنی زندگی کے لئے کچھ بھی خرچ کرنا لازم نھیں ھے اور اس کو اپنے گھر کے تمام خدمات جیسے لباس دھونا، کھانا بنانا، یھاں تک کہ بچہ کو دودہ پلانے کی مزدوری لینے کا بھی حق ھے، البتہ جو افراد نزدیک سے اسلام کو نھیں جانتے جب وہ اس طرح کے احکام کو دیکھتے ھیں اگر انصاف سے کام بھی لیں تویھی کھتے ھیں کہ اسلام نے عادلانہ قانون نھیں بنائے ھیں۔

ان تھمتوں کو دور کرنے اور اسلام کے احکامات کی مناسب وضاحت کرنے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اسلام کے قوانین عادلانہ ھیں یا نھیں؟ ھمیں یہ دیکھنا ھوگا کہ ھم عدالت کے کیا معنی کرتے ھیں، کیونکہ اگر عدالت کے معنی مساوات ھے تو تمام قوانین غیر عادلانہ ھیں اس لئے کہ ان میں مساوات کی رعایت نھیں کی گئی ھے، اور اگرعدالت کے کوئی اور معنی ھیں تو یہ دیکھنا ھوگا کہ وہ معنی کیا ھیں؟ البتہ عدالت کی ماھیت اور کیفیت کی معرفت حاصل کرنا اور عدالت کا متحقق کرنا آسان کام نھیں ھے اسی وجہ سے بڑے بڑے فیلسوف حضرات نے عدالت کے بارے میں بڑی بڑی تحقیقات کی ھیں اور ان میں سے بعض نے عدالت اور آزادی کے درمیان رابطہ کی تحقیق کی ھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ھم قانون کے معتبرھونے کا ملاک ومعیار عدالت قرار دیں تو ھماری مشکل رفع نھیں ھوگی اورھمارے ذھن میں سب سے پھلا سوال یہ آتا ھے کہ عدالت سے کون سے معنی مراد ھیں؟ کیونکہ ھر انسان اپنے لحاظ سے عدالت کے معنی اور تفسیر کرتا ھے، اور اسی بنا پر قانون کو عادلانہ اور معتبر سمجھتا ھے اور اس پر عمل کرنا ضروری سمجھتا ھے اس کے مقابلے میں دوسرا انسان عدالت کی اپنی تفسیر کے بناپر اس قانون کو غیر عادلانہ اور غیر معتبر سمجھتا ھے۔

5۔دوسرا نظریہ عملی نھیں ھے

قانون کے معتبر ھونے کا دوسرا معیار یہ تھا کہ اس سے معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکے، البتہ یہ معیار کسی حدتک قابل قبول ھے چونکہ تمام افراد کم وبیش اجتماعی ضروتوں کو سمجھتے ھےں، اور یہ جانتے ھیں کہ معاشرہ کوکن چیزوں کی ضرورت ھے، خاص طور سے جس معاشرہ میں ھم زندگی بسر کرتے ھیں اور ھم سے پھلے جس معاشرہ میں ھمارے آباء اجداد زندگی بسر کرتے تھے یقینا ایسا قانون اور حاکم موجود تھا جو ضرورتوں کو درک کرے اور اس کو یہ معلوم تھا کہ کس طرح معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکتا ھے۔

اس نظریہ پر یہ اعتراض ھوتا ھے کہ معاشرہ کی ضرورتوں کو مختلف طریقوں سے پورا کیا جاسکتا ھے اور یھی امر قانون کو منظم کرنے میں فرق کا سبب بنتا ھے. مثال کے طور پر کسی شھر کو خوبصورت اور اچھا بنانا اور اس کو صاف ستھرا رکھنا ایک عام ضرورت ھے اور اس ضرورت کو ضرور پورا ھونا چاھئے، لیکن اس کا خرچ کھاں سے آئے؟ تو کیا گھر کے ھر فرد پر کچھ خاص رقم رکھی جائے اور اس کو جمع کیا جائے؟

یعنی گھر کے ھر فرد کو اس بات کا پابند بنادیا جائے کہ وہ شھر کی نظافت اور اس کو صاف وستھرا رکھنے کی بابت کچھ رقم ادا کرے. دوسرا نظریہ یہ ھے کہ شھر کے جاری مخارج کو عمومی سرمایہ سے پورا کیا جائے یعنی وھی سرمایہ جو عام طور سے مالی ٹیکس کے ذریعہ جمع کیا جاتا ھے اور اکثر وہ سرمایہ مالدار لوگوں سے وصول کیا جاتا ھے، اور جو غریب لوگ شھر کے پسماندہ علاقوں میں رھتے ھیں اور ان کے مکانات نامناسب ھوتے ھیں تو وہ اس ٹیکس کے ادا کرنے سے معاف ھوتے ھیں۔

تیسرا نظریہ یہ ھے کہ حکومت اس چیز کی پابند ھوتی ھے کہ وہ زمین کے اندر سے نکلنے والی چیزیں جیسے تیل، لوھا، وغیرہ ان کو فروخت کرکے ان کی وصول کی گئی رقم سے معاشرہ کی ضرورتوں کوپورا کرے۔

ان تمام باتوں کے باوجود قانون کے معتبر ھونے کا معیار معاشرہ کی ضرورتوں کوپورا کرنا بیان کیا گیا ھے اور مندرجہ بالا نظریات میں سے ھر ایک نظریہ معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنا ھے تو ان میں سے کس نظریہ کو عملی جامہ پھنایا جائے اور معتبر قانون کے عنوان سے پیش نظر رکھا جائے اور عوام الناس کون سے قانون کو سب سے زیادہ صحیح اور عادلانہ سمجھتے ھیں؟ لھٰذا صرف یہ معیار بھی قانون کو معتبر مشخص کرنے کے لئے کافی نھیں ھے۔

6۔تیسرے نظریہ کی کمی اور اسلامی لحاظ سے ضرورتوں کی وسعت

تیسرے ملاک کے اعتبار سے صرف وھی چیزیں جس کو عوام الناس معتبر سمجھی ھے اور جس کو وہ طلب کرتے ھیں وہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ایک قانون کی صورت میں جاری ہونا چاھئے، یہاں پر ایک سوال یہ پیش آتا ھے کہ کیا معیار یہ ھے کہ تمام لوگ سوفی صد کسی ایک ھی چیز کو طلب کریں؟ اور یقینا ایسا نہیں ھوتا ھے کہ تمام لوگ کسی ایک چیز پر متفق ھوجائیں اور شاید لاکھوں قوانین میں سے سے کوئی ایک قانون بھی ایسا نہ ھو کہ جس کی تمام افراد نے سوفی صد موافقت کی ھو اور ایک قانون چاھے عام طور پر لوگوں کے من پسند ھی کیوں نہ ھو پھر بھی کم سے کم ایک دو فی صد افراد اس کی مخالفت ضرور کرتے ھیں، اس بناپر مخالفت کرنے والوں کے لئے قانون کے معتبر ھونے کا ملاک کیا ھے؟
دوسرا نکتہ یہ ھے کہ جو کچھ عوام الناس چاھتے ھیں، وہ عدالت کی میزان پر پوری نہ ھو تو کیا وہ قانون معتبر نہیں ھے؟ اسی طرح اگر عوام الناس کا مطالبہ دوسرے معیار سے اختلاف رکھتا ھو، یعنی عوام الناس کے مطالبہ معاشرہ کو ضروتوں کوپورا رکنے والی ضرورتوں میں شامل نہ ھوتو کیا وہ پھر اعتبار رکھتاھے؟ اگر کسی قانون میں یہ لازم کیا جارھا ھو کہ عوام الناس سے کچھ رقم وصول کی جائے تو شاید اکثر افرد اس کی مخالفت کریں چونکہ جب نئے ٹیکس مقرر کئے جاتے ھیں تو عوام الناس اس کو زبردستی قبول کرتے ھیں (یعنی بڑی مشکل سے مانتے ھیں). معمولی طور پر کسی بھی جگہ بھی قانون مالیات کو عام طور پر خوشی سے قبول نہیں کیا جاتا، جب کہ یہ طے ھے کہ حکومت معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے یہ رقم وصول کرتی ھے، تو عوام الناس بڑی مشکل سے اس کو قبول کرتی ھے۔
اس صورت میں اگر لوگوں کی خواھش کی مطابق عمل کیا جائے تو معاشرہ کی ضرورتیں پوری نہیں ھوسکتیں، جبکہ ایک نظریہ میں یہ فرض کیا گیا تھا کہ قانون کے معتبر ھونے کا معیار معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنا ھے، اور جب لوگوں کا مطالبہ عام ضرورتوں کو پورا کرنے کے منافی ھو تو کیا اس وقت معاشرہ کی مصلحتوں کو مدّ نظر رکھا جائے یا اکثر لوگوں کی مرضی کے مطابق عمل کیا جائے؟ بغیر کسی شک وشبہ کے قانون بنانے والے اور جو لوگ معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ذمہ دار ھیں، وہ عملی طور پر مشاھدہ کرتے ھیں، کہ اگر ان موقعوں پر اکثر لوگوں کی مرضی کے مطابق عمل کیا جائے تو وہ کسی عمل میں پیشرفت نہیں کرسکتے، (البتہ یہ بحث ڈیموکراسی (جمھوریت) کے اصول کی طرف پلٹ جاتی ھے جس کو ھم آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے)
بھرحال اس طرح کے اعتراضات قانون کے معتبر ھونے کے معیار وملاک پر پیدا ھوتے ھیں، البتہ ھمارے نظریہ کے مطابق سب سے اھم او ربنیادی سوال یہ ھے کہ وہ مصالح اور ضرورتیں جو بیان ھوئی ھیں وہ صرف عادی ضرورتیں بیان ھوئی ھیں اور عام معیار یھی ھے کہ معاشرہ میں انسان کی صرف یھی ضرورتیں متحقق ھونا چاھئیں؟ کیا حکومت کا صرف یھی وظیفہ ھے کہ وہ لوگوں کی صرف مادی اور دنیاوی ضرورتوں کو ھی پورا کرے یا حکومت کے دوسرے فرائض بھی ھوتے ھیں؟ اس سے واضح الفاظ میں عرض کریں کہ ھم تمام مسلمانوں اور وہ تمام افراد جو ادیان الٰھی میں سے کسی ایک دین کو مانتے ھیں ھم سب کا عقیدہ یہ ھے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ھے ایک بدن اور دوسرے روح، اور اکثر یا تمام ادیان کا نظریہ یہ ھے کہ روح بدن سے افضل واشرف ھے اور بدن روح کا خادم ھے. ان سب کا عقیدہ یہ ھے کہ بدن کو نظافت کی ضرورت ھے اور بدن کو بیمار ھونے سے بچانا ضروری ھے اور اگر بدن مریض ھوجائے تو اس کا علاج کرنا چاھئے، اسی طرح انسان کی روح کو بھی نظافت کی ضرورت ھے، اور بیمار ھونے سے اس کی حفاظت کرنا ضروری ھے، اور اگر مریض ھوجائے تو اس کا علاج بھی ضروری ھے، اگر ھم مادی ضرورتوں کا معنوی ضرورتوں سے مقابلہ کریں تو اس نتیجہ پر پھونچیں گے کہ روحی اور معنوی ضرورتیں بہت زیادہ اھمیت کی حامل ھیں، روح کی بیماری بدن کی بیماری سے بہت زیادہ خطرناک اور اھمیت رکھتی ھیں، کیونکہ انسان کی انسانیت کا امتیاز اس کی روح کی وجہ سے ھی ھے اور اگر اس کی روح مریض ھوجائے تو وہ انسانیت سے گر جاتا ھے،تمام حیوانات بھی بدن رکھتے ھیں او راس کو سالم رکھنے کی کوشش کرتے ھیں اور اپنی مادی اور جسمانی لذتوں کو پورا کرنے میں لگے ھوئے ھیں ،جو کچھ انسان سے مخصوص ھے اور جوھر انسانیت کو اُجاگر کرتا ھے وہ ھے انسانی روح، اب اگر انسانیت کے معیار کو کوئی خطرہ لاحق ھو تو انسان کی حقیقی موت سے ھمکنار ھوجاتا ھے جیسا کہ خداوندعالم ارشاد فرماتا ھے:
(أَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاه وَجَعَلْنَالَه نُوْراً يَمْشِي بِه فِيْ النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُه فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْها كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِيْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (2)
”کیا جو شخص پھلے مردہ تھا پھر ھم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں بے تکلف چلتا پھر تا ھے اس شخص کا سا ھوسکتا ھے جس کی یہ حالت ھے کہ (ھر طرف سے) اندھیروں میں (پھنسا ھوا ھے) کہ وھاں سے کسی طرح نکل نہیں سکتا،(جس طرح مومنوں کے لئے ایمان آراستہ کیا گیا ھے) اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال(بد) آراستہ کردئے گئے ھیں“
مندرجہ بالا مطالب کو مدنظر رکھتے ھوئے جو حکومت معاشرہ کی مصلحتوں کو پورا کرنے کے درپے ھے تو کیا اس کو عوام الناس کے روحی اور معنوی امور کی طرف توجہ نہیں دینا چاھئے؟ کیا حکومت کا صرف یھی وظیفہ ھے کہ وہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لوگوں کی صرف مادی ضرورتوں کو پورا کرے ، یا معنوی مصالح کو پورا کرنا بھی حکومت کا ھی فریضہ ھے؟

7۔اسلامی انقلاب اور اس کا معنوی مصلحتوں سے برتر مقام

یہاں پر ایک پیچیدہ مسئلہ جو بیان کیا جاتا ھے وہ یہ ھے کہ اگر کسی مقام پر معنوی اور مادی پیشرفت میں ٹکراؤ پیدا ھوجائے تو دونوں میں سے کس کو مقدم کرنا چاھئے؟ اگر کسی خاص زمان ومکان میں معاشرہ کی مادی پیشرفت، معنوی مصلحتوں کو چھوڑ دینے کا سبب بنے او راگر مادی اور اقتصادی وسعت اور معنوی مصلحتوں کو پورا کرنے میں تزاحم (یعنی ایک دوسرے کے روبرو ھونا) پیدا ھوجائے، تو کیا حکومت مادی وسعت کو محدود کرسکتی ھے تاکہ معنوی مصلحتیں بھی محفوظ رہ جائیں یا یہ کہ معنوی پیشرفت کا حکومت سے کوئی سروکار نہیں ھے اور حکومت کا وظیفہ صرف مادی ضرورتوں کو پورا کرنا ھے اور معنوی مصالح کو پورا کرنا خود عوام الناس کی ذمہ داری ھے؟ یہ مسئلہ بہت اھم ھے اور ھماری اجتماعی زندگی میں عملی نتیجہ رکھتا ھے، اور آج کل بڑے بڑے اخباروں اور خبروں میں شایع کیا جاتا ھے اور اس سے متعلق بڑے بڑے مناظرہ اور بحثیں ھوتی ھیں۔

کچھ افرد کھتے ھیں: حکومت کا وظیفہ یہ ھے کہ وہ سیاست، معاش اور فرھنگ وثقافت میں وسعت دے ، وسعت کا مطلب وھی ھے جو عرف عام میں مشھور ھے اس بنیاد پر ثقافتی وسعت کے وہ مصادیق ھیں جن کو خاص طور سے ھم معنوی مصلحتوں کے لئے بیان کرتے ھیں اس سے مختلف ھے اور اس سے مراد قومی میراث کی حفاظت کرنا اور ورزش اور موسیقی جسے امور میں وسعت کرنا ھے۔

بلا کسی شبہ جو افراد دین اسلام سے تعلق رکھتے ھیناور انقلاب اسلامی کے طرفدار ھیں، مصالح معنوی کی ایک خاص اھمیت کے قائل ھیں اور ھمارا عقیدہ یہ ھے کہ انقلاب برپا کرنے کا اصلی ھدف معنوی مصالح کی حفاظت کرنا تھا. البتہ ھمارا یہ بھی عقیدہ ھے کہ اسلام کے زیر سایہ ھی مصالح مادی بھی پورے ھوں۔

اگرچہ کچھ زمانہ ھی کیوں نہ لگ جائے ان سب باتوں کے باوجود ھماری قوم نے معنوی اور الھٰی پختہ اعتقاد اور معنوی مصالح کی حفاظت کی خاطر عملی طور پر یہ ثابت کردیا کہ ھم معاشی ناکابندی اور مھنگائی اور دوسری مشکلات کے باوجود زندگی بسر کرسکتے ھیں ، ان کے عزیز واقارب اسلام کی خاطر قربان ھوسکتے ھیں، عورتیں بغیر شوھر اور بچے بغیر باپ کے ھوسکتے ھیں جیسا کہ شھیدوں کے وصیت ناموں سے اس بات کا مسلم ثبوت ملتا ھے کہ ان کا ھدف اسلام کی حفاظت اور معنوی مقاصد کو برقرار رکھنا تھا.

جو کچھ بیان کیا جاچکا ھے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ ھمارے لئے مصالح مادی کی ضرورتونکو پورا کرنے کے علاوہ دوسرا معیار وملاک بھی موجود ھے اور وہ مصالح معنوی کی ضرورت کو پورا کرنا ھے اور اگر معاشرہ کی مصلحتوں کو پورا کرنے کو ھم قانون کے معتبر ھونے کا ایک معیار جان لیں تو ھمارے لحاظ سے ”مصالح“ مصالح مادی ومصالح معنوی دونوں کو شامل ھوگا۔البتہ معاشرے کے مصالح کی تحقیق وجستجو اور اس کے مصداق کو معین کرنا ایک عمیق اور سلسلہ وار بحث ھے یہ اس سے بھی کھیں زیادہ وسیع ھے جو فلسفہ سیاست اور حقوق میں بیان کی جاتی ھے اور وہ بحث اس بات پر موقوف ھوتی ھے کہ کیا حقیقت میں انسان مادی امور کے علاوہ مصالح واقعی بھی رکھتا ھے یا یہ کہ انسان کے مصالح وھی مصالح مادی ھی ھیں اور اس کے علاوہ کچھ آداب ورسومات ھینکہ جو کبھی کبھی بدلتے رھتے ھیں اور دوسرے معنوی مصالح اور اھم ضرورتوں کے وجود میں کچھ نہیں ھیں؟ کیا مصالح اور واقعی ضرورتیں وھی مادی امور جو علمی تجربوں سے انجام پاتے ھیں اور مادی طریقوں سے ھی ان کو معین کیا جاتا ھے جیسے نظافت، معاش میں پیشرفت کرنا صنعت اور ٹکنالوجی یا اس کے علاوہ دوسرے مصالح روحی ومعنوی بھی موجود ھیں، جو تجربہ حسی کے قابل نہیں ھیں۔

البتہ ھمارا عقیدہ یہ ھے کہ واقعی ومصالح وھی معنوی وروحی مصالح ھیں جو ”متافیزیک“ (حکمت ماوراء الطبیعة) سے متعلق ھوتے ھیناور اصطلاح میں وہ علمی مسائل کا جز نہیں ھوتے اور علمی طریقے سے قابل اثبات نہیں ھوتے ھیں، لھٰذا نتیجہ کے طور پر اگر ھم یہ بیان کریں کہ معاشرہ میں معنوی مصالح کی ضرورت کو پورا کرنا جاھئے اور ان کو پورا کرنا حکومت کا وظیفہ ھے اور ھم ایک برھانی اور مدلل بحث پیش کرنا چاھیں تو ھم کو اس مسئلہ کو ضرور بیان کرنا چاھئے کہ ھمارے مادی مصالح کے علاوہ کچھ اور بھی مصالح رکھتے ھیں یا نہیں؟۔

حوالہ

1 ۔سورہ نساء ایت176

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2۔سورۂ انعام آیت 122

اسلام اور سیاست جلد(۱)

بارھواں جلسہ

**اقدار کے بارے میں اسلام اور مغربی تمدن میں نظریاتی فرق**

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
ھماری بحث کا موضوع اسلام کے سیاسی نظریہ کو بیان کرنا تھا جس کے چند فرضیہ تھے اور اس نظریہ کو عقلی طور پر ثابت کرنے کے لئے ان مقدموں کو اپنی توجہ کا مرکز بناکر ان کے بارے میں بحث ھونا چاھئے، جیسا کہ ھم نے بیا ن کیا کہ اسلام کے سیاسی نظام میں خدا کا قانون کسی ایسے شخص کے ذریعہ جاری ھونا چاھئے،اور حکومت کا ذمہ دار اس شخص کو ھونا چاھئے جو خدا کے طرف سے منصوب ھو اور خدا کی طرف سے اس کو اجازت دی گئی ھو، مندرجہ بالا نظریہ کے بارے میں مندرجہ ذیل مقدموں کی ضرورت پیش آتی ھے:
پھلا مقدمہ: معاشرہ کے لئے قانون کا ھونا ضروری ھے۔
دوسرا مقدمہ: قانون خدا کی جانب سے نازل ھونا چاھئے۔
تیسرا مقدمہ: ان قوانین کا اجرا کرنا لازم ھے اور ان کی جاری کرنے والی اسلامی حکومت ھے۔
(مندرجہ بالا مقدموں کو مد نظر رکھتے ھوئے مسلمان افراد مندرجہ بالا نظریہ کو قبول کرنے میں کوئی شک وشبہ نھیں کریں گے، لیکن بحث کواضح کرنے کے لئے او ردوسرے افراد پر بھی حق ظاھر ھونے کے لئے ان مقدموں کو عقلی استدلال کے ساتھ بیان کرنا ضروری ھے)
معاشرہ میں قانون کا ھونا ضروری ھے تو جھاں تک ھم کو علم ھے کوئی شخص بھی اور وہ افراد بھی جنھوں نے اس بارے میں بحث کی ھے وہ اس میں شک نھیں کرتے کہ بشر کو اپنی اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے قانون کی ضرورت ھے لیکن معاشرہ میں کس قانو ن کو حاکم ھونا چاھئے اس بارے میں بھت زیادہ اختلاف پائے جاتے ھیناور اس بنیاد پر قانون کے معتبر ھونے کے بارے میں فلاسفۂ حقوق اور حقوق داں حضرا نے بھت زیادہ تحقیق وجستجو کی ھے اور ھم کس بارے میں بھتر قوانین اور دوسروں سے برتر قوانین کو مشخص ومعین کریں اس بارے میں ھم نے گذشتہ جلسہ میں قانون کے معیار وملاک کو بیان کرنے کی خاطر تین اھم نظریوں کی طرف ااشارہ کیا تھا، البتہ اس بارے میں دوسرے نظریات بھی ھینلیکن وہ اس اھمیت کے قابل نھیں ھے کہ ان کے بارے میں بحث کی جائے۔
قانون کے معیار وملاک کے بارے میں پھلا نظریہ عدالت اور قانون کا اصول عدالت کے موافق ھونا ھے اور ھر وہ قانون جس میں جتنا عدل ھوگا اسی کو معاشرہ میں جاری ھونا چاھئے ، دوسرا نظریہ یہ ھے کہ وہ قانون بھتر اور برتر ھے جو معاشرہ کے نظام اور امنیت کو پورا کرسکے، اور آخر کار تیسرا نظریہ یہ ھے کہ وہ قانون بھتر اور برتر ھے جو لوگوں کی زندگی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرسکے، یہ تین نظریہ ان افراد کے مقابل میں ھیں جن کا عقیدہ یہ ھے کہ بُرے قانون کو اچھے قانونسے اور بھتر قانون کو برے قانون سے تشخیص وتعین کرنے کا کوئی بنیادی معیار نھیں ھے، اور صرف معیار وملاک لوگو نکی خواھش ھے: معاشرہ جس چیز کو پسند کرے وہ بھتر ھے اور قانون بھی اسی بنیاد پر بننا چاھئے،یہ ”پوزیٹو“(مثبت) نظریہ ھے جو ھماری نظر میں بالکل واضح طور پر باطل ھے اس لئے کہ ایسا نھیں ھے کہ ھر دن جس شخص کا جو دل چاھے وھی قانون برتر ھوجائے بلکہ ایک عقلی معیار ھونا چاھئے تاکہ اس کے بارے میں کوئی بحث کرکے کسی منطقی نتیجہ پر پھونچا جاسکے۔

2۔دین کی نظر میں بھترین قانون اور دوسروں کے نظریہ کے تحت تاثیر واقع ھونے کا خطرہ
دین اسلام کی نظر میں وہ قانون سب سے اچھا اور سب سے بلند قانون ھے جو انسانوں کی مادی اور معنوی ضرورتوں کو پایۂ تکمیل تک پھونچائے اور ایسا قانون ھو کہ اس قانون کے سایہ میں انسانوں کی مادی او رمعنوی ضرورتوں کو چاھے وہ کتنی ھی وسیع کیوں نہ ھوں سب سے اچھے طریقہ سے فراھم ھوسکتی ھوں اس نظریہ کا دوسرے نظریوں سے فرق یہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھے کہ اس میں معنوی مصالح کو بھت زیادہ تاکید او رانپر بھت زیادہ اعتماد کیا جاتا ھے ۔
لیکن افسوس کہ ”رنسانس“(وہ نظریہ جو یورپ میں پندرھویں صدی کے آخر اور سولھویں صدی کے شروع میں پیدا ھوا او ران کا نظریہ گذشتہ آثار کی تقلید کرنا تھا) کے بعد ”اومانیسٹی“ کو تقویت ملی اور آھستہ آھستہ انسان کے ذھن سے خدا اور معنویت اور آخرت سے اس کی توجہ ھٹ گئی اور علمی سطح سے خارج ھوگیا، اور آخر کار ان سب چیزوں کو بھلا بیٹھا، اگرچہ کھیں کھیں گوشہ وکنارمیں محدود دائرے میں معنوی امور پر بھی اعتماد کیا جاتا تھا،لیکن دنیا کی فلسفی اور حقوقی محفلوں میں اصلی اعتماد اور مسلط رغبت یہ ھے کہ ایسا قانون ھونا چاھئے جو انسانوں کی مادی ضرورتوں کو پورا کرسکے، درحالیکہ معنوی ضرورتوں سے اس کا کوئی سروکار نہ رکھتا ھو، البتہ ھمارے نظریہ کے اعتبار سے یہ بات واضح ھے کہ قانون و معنوی ضرورتوں پر بھی بھر پور توجہ رکھناچاھئے، اس لئے کہ انسان کے وجود کا سب سے اھم اور اصلی جز روحی ، معنوی اور الٰھی اشیاء پر کامل یقین ھے اس بنیاد پر ھم اس بلند وبالا پھلو اور مصالح معنوی کو نظر انداز نھیں کرسکتے۔ اب ھمارا موضوع بحث یہ ھے کہ کیا قانون کو معنوی ضرورتوں پر توجہ دینا ضروری ھے یا نھیں؟
اس بات کی تاکید اور اس بارے میں بحث کرنا دلیل انحرافی کے ذریعہ جو آج کل التقاط فکری کی وجہ سے مختلف سطح کے افراد میں وقوع پذیر ھوئی ھے ھم اس مطلب کی اوز زیادہ وضاحت کے لئے ایک مثال کے ذریعہ کردینا چاھتے ھیں، فرض کیجئے کہ جسم کے سلسلے میں بعض محققین اپنی رائے کا اظھا ر کرتے ھیناور وہ لوگ جو اس علم کے اعلیٰ درجات پر پھونچے ھوئے ھیں جیسے ”انشٹن“ ایسے ھی افراد جسم کے بارے میں اظھار خیال کرسکتے ھیں۔
لیکن اگر انھیں سے نفسیاتی علم کے بارے میں کسی نظریہ کی تائید یا ردّ کے بارے میں خود ان کا نظریہ مانگا جائے تو وہ اپنا نظریہ نھیں دیتے ھیں،کیونکہ ان کو اس علم میں مھارت نھیں ھے اور اگر نظریہ دیں تو بھی اس علم کے ماھرین سے مشورہ اور معلومات حاصل کرکے اپنی زبان کھولتے ھیں، کیونکہ انھوں نے اس علم میں مھارت حاصل نھیں کی ھے، اسی طرح وہ افراد جو کسی علم میں مھارت نھیں رکھتے صاحب نظر افراد کے کسی نظریہ کی تائید کی بناپر کسی نظریہ کی تائید یا تصدیق کرتے ھیں، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ھوتا ھے کہ کوئی شخص مختلف علوم کے ماھرین کے نظریات کا مطالعہ کرکے ان پر گامزن ھوجاتا ھے لیکن ا سکو اتنا وقت میسر نھیں ھوتا کہ ان نظریات کا آپس میں ایک دوسرے سے موازنہ کرسکے کہ یہ نظریات آپس میں ایک دوسرے کے موافق ھیں بھی یا نھیں؟ کیا ان منسجم آراء ونظریات کا مجموعہ انسانیت کو تشکیل دے سکتا ھے یا نھیں؟ وہ ایسا کرنے کے لئے بالکل ھی فکر ھی نھیں کرتا ھے اور نہ ھی اس کوفکر کرنے کاکو ئی انگیزہ ھوتا ھے وہ تو صرف یہ کھتا ھے کہ میرا عقیدہ ھے کہ فلاں علم النفس کا جاننے والا یا معاشرہ کی شناخت رکھنے والا یا حقوق کا جاننے والا بھتر نظریہ رکھتا ھے اور یھی امر فکری التقاط کا سبب ھوتا ھے،لیکن اھل نظر اور محقق حضرات تمام نظریات کو جمع کرکے ان کا ایک دوسرے سے موازنہ کرتے ھیناور یہ دیکھتے ھیں کہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے سازگار ھیں یا نھیں، اگر فلاں علم النفس کے جاننے والے کے کسی نظریہ کو قبول کرنا چاھتے ھیں تو اس کی جامعہ شناسی کے دوسرے نظریہ سے اس لئے مطابقت کرتے ھیں کہ یہ ایک دوسرے سے مناسبت رکھتا ھے یا نھیں؟ اور اسی طرح دوسرے موضوعات کے دوسرے نظریات کو مختلف نظریات سے موازنہ کرتے ھیں ۔
اھل نظر وتحقیق کے قطع نظر کم علم رکھنے والے افراد میں بھی نظریہ منتخب کرنے کا سلیقہ بھت زیادہ پایا جاتا ھے، اور جب بھی ان افراد کو کوئی کتاب مل جاتی ھے تو اس کتاب کا مطالعہ کرتے ھیں او ریہ تحقیق کئے بغیر کہ اس کتاب کا لکھنے والا معتبر ھے یا نھیناس کے نظریات دوسرے نظریات سے مناسبت رکھتے ھیں یا نھیں اس کے تحت تاثیر واقع ھوجاتے ھیں اور نتیجۃً فکری التقاط سے دوچار ھوجاتے ھیں، لھٰذا ھر کتاب کی تحقیق اور اس کا مطالعہ کرنے سے پھلے توجہ رکھنی چاھئے کہ اس کتاب کا لکھنے والا معتبر ھے یا نھیں؟ کیا اس کے نظریات دوسرے موضوعات کے نظریات سے مناسبت رکھتے ھیں یا نھیں؟

3۔دینی نظریات میں دوسروں سے متأثر ھونا
بڑے افسوس کی بات ھے کہ ھمارے اسلامی معاشرہ میں اس صدی کے آدھے دوسرے حصہ میندوسروں کے نظریات کے تحت تاثیر ھونے کا بڑا زور وشور پیدا ھوگیا ھے، بعض افراد اپنی زندگی کے ایک مرحلہ میں اپنے ماں باپ ،ماحول اور علماء سے عقائد اسلام کو حاصل کرتے ھیں او رقبول کرلیتے ھیں . اس کے بعد جب وہ زندگی کے دوسرے مراحل میں داخل ھوتے ھیناور جب اسکولوں ،کالجوں اور یونیورسٹی میں داخل ھوتے ھیں تو اس ماحول میں رھکر دوسروں کے عقائد اور نظریات او رمختلف علوم کے مختلف موضوعات سے آشنا ھوجاتے ھیں او ریہ توجہ کئے بغیر کہ یہ افکار ونظریات دوسرے مختلف علوم کو حاصل کرنے والے افراد کے علوم سے سازگار ھے یا نھیں ؟ ان کو بھی قبول کرلیتے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھیں۔
مثال کے طور پر جس نظریہ کو وہ فلسفہ میں قبول کرتے ھیں ،وہ نظریہ علم الحیات ، فیزیک اور علم حساب کے نظیریہ سے یا کسی دوسرے دینی نظریہ سے مناسب اور سازگاری رکھتا ھے یا نھیں؟ اگر ھم غور وخوض کرکے اس نتیجہ پر پھونچتے ھیں کہ یہ بعض موارد میں ایک دوسرے کے سازگار نھیں ھیناور ایک کامل مجموعہ کو تشکیل نھیں دیتے اس طرح کی شکل تفکر کو تفکر التقاطی (دوسروں کے تحت تاثیر ھونا) کھتے ھیں؟
آج ھمارے دینی معاشرے کے افراد بھت وسیع سطح میں تفکر التقاطی میں مبتلا ھیں، اس لئے کہ ایک طرف تو وہ اسلامی معاشرے سے اپنے وراثتی اور خاندانی عقائد کو حاصل کرتے ھیں او ران کو اپنے ھاتہ سے جانے نھیں دیتے ھیں، اور دوسری طرف سے مختلف علوم انسانی کے مسائل کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ھے وہ ان کو بھی مان لیتے ھیں اور دینی عقائدکے ساتھ ملادیتے ھیں. وہ اس چیز سے غافل رھتے ھیں کہ یہ مختلف نظریات آپس میں ایک دوسرے سے تال میل نھیں کھاتے اور ھم کو یا تو دینی عقائد کو تسلیم کرنا چاھئے یا ان افکار کو جو دین کے مخالف ھیں۔
اس بنا پر اگر ھم جامعہ شناسی، حقوق، سیاست اور ان کے مانند نظریات جو ھمارے دینی عقائد سے ھم آھنگ ھو ان کو تسلیم کرنا چاھیں تو ھم کو جن نظریات کو دوسرے ممالک کی کتابوں کا ترجمہ کرکے اور ان کی تبلیغ کرکے ھم تک پھونچایا گیا ھے اس کو نظر انداز کریں، اور انسانی علوم کے ان جدید نظریات کو جو علمی نقطہ نظر اور اصولی لحاظ سے بھی ھمارے دینی عقائد سے سازگار ھوں ان کو بیان کرنا چاھئے، اور اگر ایسا نھیں کرینگے تو یا تو ھم اپنے دینی عقائد سے دست بردار ھوجائیں یا پھر اپنے دینی عقائد کے مخالف نظریات اور افکار کو چھوڑ دیں، اس لئے کہ دونوں کو ایک ساتھ جمع نھیں کیا جاسکتا، جس طرح یہ تسلیم نھیں کیا جاسکتا کہ اب دن بھی ھے اور رات بھی۔
نتیجہ کے طور پر ھم نے جو اساسی او ربنیادی نکتہ بیان کیا ھے اس پر توجہ کئے بغیر تمام نظریات کی تلاش میں نھیں نکلا جاسکتا اورھر حصہ کو قبول نھیں کیا جاسکتا اور التقاط فکری اور دنیا میں سر نھیں کھپایا جاسکتا ھے اس صورت میں ھمارے اندر شناخت ومعرفت میں ”افراطی پلورالیزم“ کا نظریہ ظاھر ھوجائے گا، اس کا مطلب یہ ھے کہ ھر شخص جو کچھ کھے وہ صحیح ھے اور ھم صرف باطل نھیں کھتے ھیں، اور ھر شخص حقیقت کے کچھ حصہ کو بیان کرتا ھے او رھر مکتب کے اندر کچھ نہ کچھ حق ضرور پایا جاتا ھے، فلسفہ میں اس طرح کا نظریہ (جو آج بھی یورپی فلاسفہ حضرات میں رائج ھے) وہ شک وتردید میں ختم ھوتا ھے یہ نظریہ اس بنیاد پر ھوتا ھے کہ عام طور سے علوم میں مختلف نظریات ھوتے ھیں اور ھر نظریہ میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ھوتی ھے اور ھم کسی چیز پر یقینی اعتقاد نھیں رکہ سکتے، تو ھمارے لئے کسی چیز پر بھی قطعی اور جزمی اعتقاد نہ رکھنا بھتر ھے اور نظریہ کے صواب یا غلط ھونے کے احتمال پر کفایت کرنا چاھئے، اور دین کے باب میں بھی ھم کو پلورالیزم دینی کو قبول کرنا چاھئے، او راسی بنیاد پر خدا کی وحدانیت پر مسلمانوں کا عقیدہ اور جو شخص کوئی دوسرا عقیدہ رکھتا ھے اس کو ابدی عذاب کا مستحق سمجھتے ھوئے ان کو تسلیم کرلیں اور صحیح سمجھیں، اور عیسائیت کہ جو تین خداؤں کا عقیدہ رکھتے ھیں ان کے عقیدہ کو بھی صحیح سمجھیں اور جو دو خداؤں (خدائے خیروخدائے شر) کا عقیدہ رکھتے ھیں اس کو بھی درست سمجھیں، اس لئے کہ ان میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی قطعی اور صحیح نھیں ھے ، ممکن ھے ھر ایک درست ھو یا ایک بھی درست نہ ھو اور ھم یہ بنا بھی نھیں رکھتے کہ ان میں سے کسی ایک سے برخورد کریں، چونکہ وہ تمام خوب اور درست ھوسکتے ھیں۔
تمام مختلف اور متضاد عقائد ونظریات شک گرائی وشکّاکیت (کہ جن پر کوئی شخص مکمل طور پر اعتقاد نھیں رکھتا) او رپلورالیزم کے نظریہ کی بناپر ھیں، اجتماعی تساھل (سھل انگاری) اور تسامح جو اس چیز پر مبنی ھے کہ اجتماعی طور پر نہ تو تعصب ھو نہ کسی نظریہ کی طرفداری کی جائے، اور نہ غصہ سے کام لیا جائے اور اسی بنیاد پر آج کل کے دور میں ان کو رائج کیا جائے کہ کسی کو تعصب نھیں کرنا چاھئے اور ھر شخص جو کچھ کھے اس کے بارے میں یہ سوچنا چاھئے کہ شاید یہ صحیح ھو، توحقیقت میں انسان کے اندر دینی عقائد ، فلسفی اور علمی اعتبار سے بے تفاوت کی حالت ایجاد کرتا ھے۔
آج کل یورپ میں اکثر افراد یھی نظریہ رکھتے ھیں او رھمارے لئے یہ نظریہ ایک تحفہ سے کم نھیں ھے اس لئے کہ ھمارے معاشرہ کو بھی محنت ومشقت وتحقیق کے ذریعہ اپنے اندر یہ حالت پیدا کرلینی چاھئے کہ ان کو دینی، علمی او رفلسفی عقائد سے متعصب نھیں ھونا چاھئے او رھر نظریہ کے بارے میں کھنا چاھئے کہ ممکن ھے یہ نظریہ درست ھو او رممکن ھے دوسرا نظریہ درست ھو، کبھی کبھی یہ بھی کھا جاتا ھے کہ ھم کو اپنے علم کو مطلق نھیں سمجہ لینا چاھئے او رنہ ھی یہ کھنا چاھئے کہ یہ سو فی صد درست ھے اس کے علاوہ اور کچھ صحیح نھیں ھے، ھم کو ایسا یقین نھیں رکھنا چاھئے ، ھمیں تو صرف اپنے اعتقاد پر برقرار رھنا چاھئے او راس کا احترام کرنا چاھئے اور دوسرے بھی اپنا عقیدہ رکھیں، (ھم سے کوئی مطلب نھیں) یہ وھی ثقافت ھے جس کو یورپ کی دنیا نے اپنے لئے منتخب کررکھا ھے اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وہ یہ چاھتے ھیں کہ تمام عالَم میں اسی ثقافت کے زیر سایہ زندگی ھونی چاھئے۔
یعنی ان کا عقیدہ یقینی اور جزمی اعتقاد کا انکار کرنا اور اس چیز کا انکار کرنا کہ دین حق، مذھب حق اور نظریۂ حق ایک ھے اور افراد کے اذھان عالیہ میں اس بات کا ڈالنا کہ ممکن ھے نظریۂ حق متعدد ھوں او رانسان کو ایک چیز پر ھی یقینی اور جزمی اعتقاد نھیں کرلینا چاھئے۔ اور مقام بحث میں تعصب سے کام نھیں لینا چاھئے، دینی غیرت اور مذھب کے اندر تعصب کو ختم کردینا چاھئے، افراد کو ایک دین ایک مذھب اور ایک فکر کی طرف رجحان کو ختم کرنا چاھئے تاکہ سب مل کر ایک اجتماعی زندگی بسر کرسکیں اور مذھبی مسائل میں کوئی اختلاف نہ ھوں، کیونکہ یھی دینی اختلاف قتل وغارت اور جنگ جدال کے باعث ھوئے ھیں اب تو تمام مذاھب، ادیان اور افکار کو صحیح اور حق کھنا چاھئے تاکہ آپس میں صلح وآشتی کا راستہ ھموار ھوجائے۔

4پلورالیزم دینی کا مطلب
اگرچہ ھم خصوص طور پر پلورالیزم کے مسئلہ کو بیان کرنا نھیں چاھتے لیکن مختصر طور پریہ عرض کرتے ھیں کہ مقام عمل میں ایک موقع پر ھم یہ کھتے ھیں کہ مختلف مذاھب کے طرفداروں کے ساتھ او رفلسفہ میں مختلف نظریے رکھنے والوں اور مختلف علوم کے ماننے والوں کے ساتھ مودبانہ طریقے سے ملنا چاھئے او ران کو اس بات کی اجازت دینا چاھئے کہ وہ اپنے نظریات کو بیان کریں اور ان کا دفاع کرسکیں، او رمختلف طریقوں سے بحث وگفتگو اور بحث کریں، آج دنیا میں ھم یہ مشاھدہ کرتے ھیں کہ ایک عیسائی یھودی اور زرتشتی کے ساتھ دوستانہ زندگی بسر کرتا ھے اور ان کے درمیان کشمکش، اختلاف ،برادرکشی اور قتل وغارت باکل بھی نھیں پائی جاتی ۔
اس چیز کو تقریباً اسلام کے علاوہ کسی بھی مذھبی دینی اور سیاسی نظام میں مد نظر نھیں رکھا گیا ھے اور اس حد تک صاحبان ادیان کی خاطر ومدارات نھیں ھوئی ھے، حالانکہ اسلام میں اعتقادات کا مزکز عظیم ”توحید“ (خداکی وحدانیت کا اقرار ) ھے او رتوحید کو رائج او رثابت کرنے کے لئے ”تثلیث“(تین خداؤں کا ماننا) اور شرک سے مقابلہ کرنا ضروری مانا گیا ھے، پھر بھی ھم یہ دیکھتے ھیں کہ اسلام میں عیسائیت او ریھودیت دونوں مذھب کو رسمی مذھب کے عنوان سے پھچنوایا گیا ھے اور ان دونوں مذھبوں کے پیروکار اسلام کی پنا ہ میں ھیں ان کی جان ومال اور ناموس محفوظ ھیں او رکسی شخص کو ان کے حقوق کو پامال کرنے کا ذرا سا بھی حق نھیں ھے۔
تمام الٰھی مذاھب کے پیروکاروں کے ساتھ اس طرح پیش آنا ، اولیاء دین اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے سیرت میں سے ھے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نھج البلاغہ کے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ھیں کہ میں نے سنا ھے کہ عراق کے کسی شھر میں ایک کافر ذمی کی لڑکی کے پیر سے پازیب نکال لی گئی ھے مسلمانوں کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ھے ، کیونکہ اسلامی ملک اور اسلامی ملک کی پناہ میں ایک غیر مسلمان لڑکی پر یہ ستم ھوا، دوسرے مذھبوں کے طرفداروں کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ اسلام کی بلندی اور افتخار کو بیان کرتا ھے جس کے لئے قرآن مجید کی واضح وروشن آیت موجود ھے:
(قُلْ يَا أَهلَ الْكِتَابِ تَعَالَوا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّٰه. )(1)
”(اے رسول) تم (ان سے) کھو کہ اے اھل کتاب تم ایسی (ٹھکانے کی) بات پر تو آؤ جو تمھارے اور ھمارے درمیان یکساں ھے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں...“
اور دوسری آیت ھم کو اَحسن (سب سے اچھا) سلوک کی طرف دعوت دیتی ھے ، ارشاد ھوتا ھے:
(وَلَا تُجَادِلُوا أَهلَ الْكِتَابِ إِلاَّ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ.)(2)
”او ر(اے ایماندارو ) اھل تاب سے مناظرہ نہ کیا کرو مگر عمدہ او رشائستہ الفاظ وعنوان سے ...“
اگر پلورالیزم کا یہ مطلب ھے تو ھم کو یہ کھنا پڑے گا کہ یہ اسلامی افتخارات میں سے ھے ، اگر پلورالیزم کا یھی مطلب ھےتو ھم کو دل سے یہ کھنا چاھئے کہ عیسائیت بھی اسلام کے مانند ھے یھودیت بھی اسلام کے مانند ھے او ریھودی ھونےاور مسلمان ھونے کے درمیان کوئی فرق نھیں ھے اس لئے کہ ھر ایک میں کچھ نہ کچھ حقیقت پائی ھی جاتی ھے، نہ ا سلام مطلقاً طور پر حق ھے اور نہ ھی یھودیت مطلق طور پر حق ھے ، یا یہ کھیں کہ دونوں حق ھے اس راستہ کے مانند حق ھیں کہ جو ایک ھی مقصد پر پھونچاتے ھیں چاھے کسی راستہ سے چلے جاؤ مقصد تک پھونچ جاؤ گے، بے شک اس طرح کے نظریہ کو کوئی بھی مذھب قبول نھیں کرتااور نہ ھی عقل اس بات کو تسلیم کرتی ھے۔
مگر کیا یہ کھا جاسکتا ھے کہ توحید کا عقیدہ رکھنا اور تثلیث کا عقیدہ رکھنا دونوں برابر ھیں؟ یعنی خدا کی وحدانیت کے اعتقاد اور تین خداؤں کا اعتقاد رکھنے کے درمیان کوئی فرق نھیں پایا جاتا؟ کیا اس دین کی اساس اور بنیاد پر جو یہ کھتا ھوا نظر آرھا ھے:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَلَا تَقُولُوا ثَلاثَةٌ إِنْتَهوا خَيْراً لَكُمْ.)(3)
''اور تین (خداؤں) کے قائل نہ بنو (تثلیث سے) باز رھو (اور) اپنی بھلائی (توحید) کا قصد کرو''
یا قرآن ان افراد کے بارے میں جنھوں نے خدا کی طرف ناروا چیزوں کی نسبت دی او ریہ کھا کہ خدا اولاد رکھتا ھے، ارشاد ھوتا ھے:
( تَکَادُ السَّمٰواتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہ وَتَنْشَقُّ الأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالَ ھداً.)(4)
''قریب ھے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شگافتہ ھوجائے او رپھاڑ ٹکڑے ٹکڑے ھوکر گرپڑیں''
جب اسلام اس طرح کے شرک آمیز اعتقادات کا اس طرح قطعی رویہ اختیار کرتا ھے تو ھم کو یہ کھنے کا کیا حق ھے کہ اگر تم چاھوتو مسلمان بن جاؤ اور نہیں چاھتے تو بت پرست بن جاؤ، کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ھے ، اور تم کو ایک ھدف او رمقصد تک پھونچانے والے ھیں، او ردونوں راستے صراط مستقیم شمار کئے جاتے ھیں!! اور میں تو اس چیز کو بھت بعید سمجھتا ھوں کہ کوئی صاحب عقل انسان بغیر کسی غرض اور باطل ھدف کے اس طرح کی باتیں کرے او راس طرح کے عقیدہ کو قبول کرے۔
بھر حال التقاط فکری اس زمانے کی ایک بڑی مشکل ھے اس لئے اس کی طرف توجہ دینا ضروری ھے او رتاکہ ھمارے افکار صحیح وسالم رھیں او راصل نظریہ کو حاصل کرکے اس پر برقرار رھنا چاھئے۔

5۔بندگی خدا کی عظمت اور اس کا مطلق آزادی سے ٹکراؤ
تمام نظریات کا ھماری بحث سے رابطہ یہ ھے کہ جن افراد نے یورپی ثقافت سے الھام کے ذریعہ اصل آزادی کو مطلق طور پر انسان کی سب سے بڑی قیمت اور اھمیت کے عنوان سے قبول کیا ھے اور آزادی کو انسان کے لئے سب سے بڑی ارزش سمجھتے ھیں. برخلاف اس کے کہ خود کو اسلام اور دستورات اسلامی کا پابند سمجھتے ھیں اور خود کے دیندار ھونے کا دعویٰ کرتے ھیں، اس یورپی ارزش کی اس طرح حمایت کرتے ھیں کہ جیسے دیگ سے زیادہ چمچہ گرم ھوگیا ھو، اور بے شک یہ ایک قسم کا التقاط ھے اگر یہ مبنیٰ ھو کہ ھم اس گروہ کے ساتھ منطقی بحث کرنا چاھیں تو ھم کو یہ کھنا چاھئے کہ اسلام کی اساس وبنیاد خداوندعالم کی پرستش اور عبادت ھے ، خدا وند عالم فرماتا ھے:
(وَلَقَدْ بَعَثْنَا کُلِّ اُمَّةٍ رُسُولاً اَنِ اعْبُدُوْا اللّٰہ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ...)(5)
''اور ھم نے تو ھر امت میں ایک (نہ ایک ) رسول اس بات کے لئے ضرور بھیجا کہ لوگو خدا کی عبادت کرو اور بتوں (کی عبادت) سے بچے رھو''
صرف اسلام ھی نہیں بلکہ ھر آسمانی دین کی بنیاد خداوندعالم کی خالصانہ عبادت وبندگی ھے۔
مگر ایک صاحب دین اور ایک مسلمان یا یھودی اورنصرانی اس کے علاوہ دین الھٰی سے اور کیا تصور کرسکتا ھے، ھمارا اعتقاد یہ ھے کہ اسلام تمام ادیان توحیدی کے ساتھ ان احکام کے علاوہ جو زمان اور مکان کے مناسب صادر ھوتے ھیں تمام کلیات اور اصول اعتقادی میں یکساں وبرابر ھے۔
اوراگر اس بارے میں کوئی اختلاف نظر آئے تو یہ اس تحریف کا اثر ھے جو بعض ادیان الھٰی میں کی گئی ھے، نتیجتاً اسلام میں سب سے بڑی اھمیت یہ ھے کہ انسان خالص خدا کا بندہ ھو او رخداوندعالم اس حقیقت کو قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرماتا ھے:
(وَمَا اُمِرُوْا اِلاَّ لِیَعْبُدُوْا اللّٰہ مُخْلِصِیْنَ لَہ الدِّیْنَ...)(6)
''انھیں امر نہیں دیا گیا مگر یہ کہ خداوندعالم کی کامل اخلاص کے ساتھ دین میں پرستش وعبادت کریں''
اور سورہ زمر میں ارشاد ھوتا ھے:
(اَلاَ لِلّٰہ الدِّیْنُ الْخَالِصْ.)(7)
''آگاہ رھو کہ عبادت تو خاص خدا ھی کے لئے ھے۔
اور سورہ لقمان میں فرماتا ھے:
(وَمَنْ یُسْلِمْ وَجْھہ اِلٰی اللّٰہ وَھوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی.)(8)
''اور جو شخص خدا کے آگے اپنا سر(تسلیم) خم کرے او روہ نیکو کار (بھی) ھو تو بے شک اس نے (ایمان کی) مضبوط رسّی پکڑی''
اب جب انسان اپنے کو خدا کا بندہ سمجھتا ھے خدا کی بندگی کو سب سے زیادہ باارزش جانتا ھے اور اس نے اپنے کو مکمل طور سے خداوندعالم کے اختیار میں قرار دیدیا ھے تو وہ مطلق آزاد کا معتقد ھوسکتا ھے اور جس چیز کو اس کا دل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

چاھے اس کو اھمیت دے سکتا ھے؟ کیا یہ دونوں ایک دوسرے سے موافق اور سازگاری رکھتے ھیں؟ اگر میں درحقیقت اسلامِ حق کا عقیدہ مند ھوں اور یہ اقرار کرتا ھوں کہ خدا کا ایک دین ھے اور اس کو قبو ل کرنا چاھئےے اور میں یہ عقیدہ رکھتا ھوں کہ ایک خدا اور اسکی عبادت کروں اور تمام چیزوں کو اسی کے اختیار میں چھوڑدینا چاھئے اور اسی کے ارادہ کے تابع ھیں تو میں کس طرح مطلق طور پر آزاد رھنے کا معتقد رہ سکتا ھوں اور جس طرح چاھوں عمل کروں؟ فکر کرنے کے یہ دو طریقے کس طرح ایک دوسرے سے ھم آھنگ ھوسکتے ھیں، جو لوگ اس طرح کا ادّعا کرتے ھیں یا بے خبری کی بنیاد پر التقاط سے دوچار ھوگئے ھوں، یا دل میں اسلام کا عقیدہ نہیں رکھتے ھیں یا دوسروں کو فریب دینے کی وجہ سے یہ ادعا کرتے ھیں یا اصلاً وہ اس بات کی طرف کوئی توجہ ھی نہیں دیتے ھیں کہ یہ دو نظریہ آپس میں ایک دوسرے سے ناسازگار ھیں؟ اس صورت کے علاوہ میں یہ کیسے ھوسکتا ھے کہ انسان ایک طرف تو یہ کھے کہ میں کاملاً اور میرا تمام وجود خدا کے ارادہ کا تابع ھے او رصرف اپنے لئے مطلق آزادی کا قائل ھو اور یہ کھے کہ جو میرا دل چاھے گا وھی انجام دوں گا۔

یہ طرز تفکریعنی انسان کے مطلق طور پر آزاد ھونے کا اعتقاد یورپ والوں کی فکر کی پیداوار ھے وھاں پر مسیحیت کے معتقد گروہ اپنے دین کا عقیدہ رکھتے ھوئے (شاید اپنے فطری لگاؤ کی بنیاد یا اپنے ماحول اور دینی تربیت کی وجہ سے اپنے دین سے دست بردار نہیں ھوتے) خاص دلیلوں اور استدلالوں کی وجہ سے یا چند اھم اعتراضوں کی وجہ سے انسان کے مطلق آزاد ھونے کا عقیدہ رکھتے ھیں، بے شک کوئی انسان بغیر کسی دلیل کے اس طرح کی بات نہیں کرسکتا، بلکہ ایک نقطہ سے اپنی بات شروع کرتا ھے اور اس طرح گفتگو کرتا ھے کہ جو دوسروں کے لئے جذّاب او رقابل قبول ھوتی ھے۔

مثال کے طورپر وہ کھتے ھیں کہ کیا ایک پرندہ کو پنجرہ میں بند کردینا اور اس پنجرہ کو لوھے کے پنجرہ میں رکہ دینا بھتر ھے یا پرندہ کے اڑنے کے لئے پنجرہ کا دروازہ کھول د ینا بھتر ھے؟کہ وہ جدھر چاھے چلاجائے، ظاھر ھے کہ پرندہ کو آزاد کردینا بھت اچھا ھے اور وہ بھی یھی چاھتاھے، اور اس کے بعد وہ کھتے ھیں کہ جس آزادی کے بارے میں ھم بحث کرتے ھیں اس سے مراد یھی آزادی ھے۔

ھمارے معاشرہ میں مکمل طور پر اسلامی قوانین ھوتے ھیناس کے بعد ”ولایت فقیھ“ سے مربوط قوانین بھی اس میں رکھے جاتے ھیں، اور ان کے اندر پارلیمنٹ کے بنائے ھوئے قوانین بھی رکھے جاتے ھیناور اسی طرح ”مجمع تشخیص نظام “ اپنی جگہ پر مسلم ھے اورآخر میں ”شورای نگھبان“ وضع شدہ قوانین پر اظھار نظر کرتی ھے، اس طرح قوانین بنانا یقینا پنجرہ کو دوسرے پنجرہ کے اندر رکھنے کے مانند ھے! بھترین قانون وہ ھے جو انسانوں کو جس طرح وہ چاھیں اس طرح عمل کرنے کی اجازت دیدے اور جس طرح چاھیں گفتگو کرنے کی اجازت دیدے، یعنی کلی طور پر وہ آزادانہ زندگی بسر کریں؟ ! اور ظاھر سی بات ھے کہ پھلا قانون پنجرہ ھے او ردوسرا قانون آزادی ھے۔

اگر ھم دوسری ثقافتوں کے عقائد وافکار او رآراء کی مشکل سے دوچار ھوجائینتو ایسے موقع پر اس چیز کی تاکید کرتے ھیں کہ ابتدا مینھم کو ان کا ریشہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنا چاھئے اس کے بعد یہ دیکھنا چاھئے کہ وہ نظریات اسلامی نظریات سے سازگاری رکھتے ھیں یا نھیں؟

اگراسلامی نظریات کے موافق ھیں تو قبول کریں اور اگر اسلامی نظریات کے مخالف ھیں تو ان کو چھوڑ کر اپنے دین کے اصول کی تلاش میں نکلنا چاھئے اور انھیں اصول کو اپنے عقائد اور نظریات کی بنیاد قرار دیں۔

6۔یورپ اور علم ودین کے ٹکراؤ کا دور ھونا

علم ودین سے ٹکراؤ کو حل کرنے کے لئے یورپی متدین حضرات نے دین کے دائرہ فرمانروائی میں شک کرتے ھوئے کچھ راہ حل پیش کئے اور اس شبہ کو بیان کیا کہ بنیادی طور پر علم وفلسفہ کی کو دین سے جدا بتایا ھے ، جب ھم یہ کھتے ھیں کہ فلسفی قدروقیمت، اخلاقی قدروقیمت اور یا انسانی قدر وقیمت دین کے ساتھ سازگار ھے یا نھیں یہ اس فرض کی بنا پر کھتے ھیں کہ دونوں ایک نقطہ پر مل جائیں چونکہ جب دو خط ایک دوسرے کی طرف مائل ھے تو ایک نقطہ پر وہ دونوں خط ایک دوسرے سے جدا ھوتے ھیں لیکن اگر دو خط ایک دوسرے کے برابر ھوں مقابل میں ھوں تو کبھی بھی وہ آپس میں ایک دوسرے سے نھیں مل سکتے، اور ان میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراؤ نھیں ھوگا چونکہ ان میں سے ھر ایک خط اپنے ھدف پر ختم ھوتا ھے جو اس کا دوسرے خط کے علاوہ مستقل ھدف ھے۔

وہ علم ودین کے ایک دوسرے سے رابطہ کی اس طرح وضاحت کرتے ھیں کہ دین اور علم، دین اور فلسفہ، دین اور عقل دین اور اخلاقی قدر وقیمت کے مابین صلح برقرار رکھنی چاھئے دوجھت اور دو مستقل حوزوں کو ان کے لئے ترسیم کرنا چاھئے یعنی حوزۂ دین علوم کے دوسرے حوزوں سے جدا ھے او رحوزہ دین کا ارتباط خدا سے ھوتا ھے اور جو کچھ اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ارتباط سے پیدا ہوتا ھے جیسے نیائش، نماز ، دعا او رکچھ شخصی مسائل ان کا دوسروں سے کوئی ربط نہیں ہوتا ، اس سلسلہ میں نہ علم کو کوئی دخالت ھے نہ فلسفہ کو او رنہ کسی دوسرے عامل کو کوئی دخالت ھے یہ تو صرف اور صرف دل سے مربوط ہوتا ھے او راگر کوئی چیز اس حوزہ میں دین کے ساتھ شریک ہوگی تو وہ عرفان ھے چونکہ دین اور عرفان دونوں ایک مقولہ سے ھیں اور دونوں کا ایک ھی کاسہ سے پانی پیتے ھیں، نتیجتاً علم، فلسفہ اور عقل کا دین سے کوئی ربط نہیں ہوتا بلکہ ان تینوں کا فرمانروائی میدان ایک دوسرے سے الگ الگ ھے اور ھر ایک کے اپنے خاص وسائل ہوتے ھیں۔

لیکن حوزۂ اخلاق میں وہ قدروقیمت اور وہ چیزیں جن کوانجام پانا چاھئے یا وہ چیزیں جن کو انجام نہیں پانا چاھئے ،یہ چیزیں خدا سے مربوط ھیں جیسا کہ کیا نماز پڑھی جانی چاھئے یا نہیں؟ یہ دین سے مربوط ھے اور اس سلسلہ میں علم سے کوئی معارضہ نہیں ھے، لیکن اگرکچھ چیزوں کو انجام پانا چاھئے او رکچھ چیزوں کو انجام نہیں پانا چاھئے یہ انسانی کی اجتماعی زندگی سے مربوط ہوتی ھیں جیسا کے چور کے بارے میں بیان کیا جاتا ھے کہ اس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاھئے؟ کیا اس کو مجازات دینا چاھئے یا نہیں؟ کیا خیانت کرنے والے اور گناہ کار شخص کو اس کی سزا دینی چاھئے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں خاص طور سے یہ کہا جاتا ھے کہ: جو شخص کسی جرم اور خیانت کا مرتکب ہوتا ھے وہ بیمار ھے اس کا علاج ہونا ضروری ھے اور نرمی اور محبت کے ساتھ اور مناسب مقام پر اس کا علاج کرنا چاھئے اور اس کی نگرانی کرنا چاھئے تاکہ وہ اس خیانت سے دست بردار ہوجائے۔

ھم دنیا کے کسی ملک میں کسی ایسی جگہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں رکھتے کہ جہاں خیانت کرنے والے او رگناہ کار کے ساتھ بیمار جیسا برتاؤ کیا جاتا ھو اور اس کو سزا نہ دی جاتی ھو لیکن پریکٹیکل کے میدان میں وہ یہ کہتے ھی کہ: خیانت کرنے والوں کو سزا نہیں دینی چاھئے اور اصل میں انسان کو سزا دینا یہ اس کی شایان شان نہیں ھے،اور نہ ھی انسانی کرامت سے سازگار ھے اور کلی طور پر یہ بیان کرتے ھیں کہ اگرچہ انسان سب سے برے ظلم کا مرتکب ھی کیوں نہ ھوجائے اس کو مطلق طور پر سزا نہیں دی جاناچاھئے اس لئے کہ انسان سے اس طرح کا برتاؤ کرنا اسکی شان اور مرتبہ کے خلاف ھے ، اس نظریہ کے مقابل ھم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ھے کہ دین زندگی کے تمام امور میں حق دخالت رکھتا اور اس نے قانون بیان کردیا ھے کہ

(وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیْهمَا ...''(9.

''چور مرد اور چور عورت کے ھاتھ کاٹ دئے جائیں''

اجتماعی مسائل کو دین سے جدا کرنے والے کہتے ھیں کہ دین کو ان چیزوں کے بارے میں دخالت کرنے کا کوئی حق نہیں ، دین تو صرف اور صرف یہ کہتا ھے کہ نماز پڑھو یا یہ کہہ سکتا ھے کہ خداوندعالم سے کس طرح دعا کی جائے لیکن یہ کہ ایک گناہ کار سے کس طرح پیش آیا جائے اس کا دین سے کوئی ربط نہیں ھے اور یہ امر بھی تسلیم شدہ ھے کہ اس بارے میں علم تجربی کا بھی کوئی دخل نہیں ھے اس لئے کہ تجربیات ان صفتوں کا ایسا سلسلہ ھے کہ جو آشکار طور پر عینی چیزوں کے رابطہ کو بیان کرتا ھے، دوسرے الفاظ میں علم موجودہ چیزوں کے بارے میں بیان کرتا ھے لیکن علم'' کن چیزوں کو انجام دیا جائے یا کن چیزوں کو انجام نہ دیا جائے'' بیان کرتا ھے ،احکامِ ارزشی کو بیان کرنا علم کا کام نہیں ھے، لہٰذا اخلاقی اوراجتماعی مسائل چاھے وہ حقوقی قوانین ھوں یا مدنی اور کیفری قوانین یہ تمام صرف اخلاقی مسائل ھیں اور ان میں صرف یہ بیان ہوتا ھے کہ کیا ہونا چاھئے اور کیا نہیں ہونا چاھئے، ان میں نہ دین دخالت رکھتا ھے اور نہ علم (علم سائنس اور علم تجربی)دخالت رکھتا ھے۔

7۔اسلام اور آزادیخواہ مکتب میں عوام الناس کی اھمیت

جب اخلاقی قدر وقیمت ،کن چیزوں کو انجام دینا چاھئے اور کن چیزونکو انجام نہیں دینا چاھئے ان مسائل میں دین کا کوئی دخل نہیں ھے، اور نہ ھی علم کی کوئی دخالت ھے، تو یہاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ ان مسائل میں کس کو حق دخالت ھے؟ آج کل کے دور میں یورپ کی ثقافت میں اس سوال کا یہ جواب دیا جاتا ھے ھے کہ قدروقیمت ،کن چیزوں کوانجام دینا چاھئے او رکن چیزوں کو انجام نہیں دینا چاھئے ،یہ اعتباری امور ھیں یہ خاص اھمیت کے حامل نہیں ھوتے ھیں بلکہ ان کے بارے میں تو یہ دیکھنا چاھئے کہ عوام الناس کیا چاھتی ھے؟ ان کے نقطہ نظر سے کون چیزیں انجام دینا چاھئے او رکن امور کو انجام نہیں دینا چاھئے ، ان کی قدر وقیمت یہ سب اعتباری چیزیں ھیں یعنی ان کی بنا حقائق عینی، خارجی اور نفس الامری پر نہیں ھے، یہ تو صرف عوام الناس کے سلیقہ پر موقوف ھےں، اب ھم کو کیا کرنا چاھئے اور کیا نہیں کرنا چاھئے تو نہ دین کی تلاش کرنا چاھئے ، نہ علم کے پیچھے دوڑنا چاھئے اور نہ ھی فلسفہ کی تلاش کرنا چاھئے بلکہ عوام الناس سے سروکار رکھنا چاھئے اور یہ دیکھنا چاھئے کہ وہ کیا چاھتے ھیں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قانون گذاری کے بارے میں یورپی جمہوریت کی بنیاد اس چیزپر استوار ھے کہ عوام الناس کی خواھش (طلب) کے علاوہ کسی اور واقعیت کا کوئی وجود نھیں ھے کہ انجام دینے والی چیزیں اور نہ انجام دی جانے والی چیزیں اس کی بنیاد پر کشف کیا جائے۔
مادی امور میں انجام دینے والے امور اور انجام نہ دئے جانے والے امور یہ سب امور تجربی کے دائرہ میں شامل ھیں اور علوم تجربیات سے مربوط ھیں جن کو تجربہ گاہ میں ثابت کیا جاتا ھے، لیکن خدا سے ارتباط کے وقت جن امور کو انجام دینا چاھئے اور جن کو انجام نھیں دنیا چاھئے یہ سب دینی دائرہ سے مربوط ھوجاتے ھیں اور جو کچھ دین کھے گا اس کو بجالانا چاھئے اور ان کا علم سے کوئی مطلب نھیں ھے، لیکن جن امور کو انجام دینا چاھئے او رجن امور کو انجام نھیں دینا چاھئے یہ خود انسانوں کی اجتماعی زندگی سے مرتبط ھوتے ھیں نہ ان میں خداوندعالم کو دخالت کرنے کا حق ھے اور نہ ھی علم ان کو معین ومشخص کرسکتا ھے۔
اگر آپ یہ مشاھدہ کرتے ھیں کہ یورپ میں عوام الناس کی رائے اور عمومی آراء پر اعتماد کیا جاتا ھے تو یہ وھاں کی موجودہ خاص ثقافت کی اساس وبنیاد کی وجہ سے ھے، اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ھے کہ دین، انسان کی زندگی کے تمام امورکوشامل ھوتا ھے،اور ھمارے وہ تمام امور جو ھماری زندگی سے مربوط ھیں کہ ھم کو کون سے کام انجام دینے چاھئے اور کون سے کام انجام نہ دینے چاھئے انھیں خدا وندعالم سے حاصل کرنا چاھئے، اور اس بارے میں ھم کو عوام الناس کی رائے کا تابع نھیں ھونا چاھئے، اگر خدوند عالم کسی چیز کو معین فرمادے اور اس کے انجام دینے کا حکم صادر فرمادے لیکن عوام الناس کی طلب دوسری ھو تو اس میں کون معتبر ھوگا؟
تمام معاشروں میں عوام الناس کی طلب اور دین میں بیان ھونے والے احکام کے مابین کم وبیش تضاد پایا جاتا ھے، تحریف ھونے والے تمام ادیان سے ھمارا کوئی مطلب نھیں ھے بلکہ ھماری بحث تو ان ملکوں سے ھے جن میں اکثر افراد مسلمان ھیں، اور وہ کسی دین کے پیروکار ھیں کہ وہ اپنی زندگی کے تمام امور میں خواہ وہ فردی ھوں یا اجتماعی گھریلوں مسائل ھوں یا بیوی کے انتخاب کا مسئلہ یا اولاد کی تربیت کی بات ھو، یا اجتماعی اور بین الاقوامی مسائل ھوں،تو کیا اس صورت میں وہ افراد یہ کھنے کا حق رکھتے ھیں کہ ھم نے اس دین کو تسلیم کرلیا ھے درحالیکہ ان کا ادعا ھے کہ قانون کے معتبر ھونے کا معیار وملاک عوام الناس کی رائے ھے؟ کیا وہ کم سے کم ان دونوں کو اس صورت میں بھی تسلیم کرسکتے ھیں جھاں پر دونوں میں تعارض ھو؟
لیکن افسوس آج ھمارے نشریات میں جو کچھ غرب (یورپ) میں ھورھا ھے وہ رواج پارھا ھے جب ایک دین میں ھم جنس بازی کو سب سے بری چیز بتلارھا ھے تو خدانحواستہ اگر عوام الناس ھم جنس بازی کے جائز ھونے کے حق میں ووٹ دیں تو کیا عوام الناس کی مرضی اور مانگ کو دین پر مقدم کرتے ھوئے تسلیم کیا جاسکتا ھے؟! اور کیا حقیقت میں یہ دونوں ایک ساتھ جمع ھوجائیں گے؟ یورپ کی دنیا نے دین اورعوام الناس کی خواھش کے مطابق متضاد مسائل کو حل کردیا ھے ان کا عقیدہ یہ ھے کہ اس طرح کے مسائل دین کو دخالت کرنے اور عوام الناس کی خواھش کونظرانداز کرنے کا کوئی حق نھیں ھے دین کا تعلق کلیسا سے ھوتا ھے جھاں پر افراد اپنے گناھوں کا اعتراف کرتے ھیں اور کچھ دعا وغیرہ کرنے سے افراد کے گناہ معاف ھوجاتے ھیں جس کے بعد کلیسا ان کو بھشت کے لئے روانہ کردیتا ھے، لیکن اجتماعی مسائل سے دین کا کوئی تعلق نھیں ھے، اجتماعی مسائل کو تو صرف عوام الناس کی رائے ھی مشخص ومعین کرسکتی ھے، کناڈا میں نئے مذھبی فرقے کی بنیاد ڈالنے والے کشیش (عیسائیوں روحانی پیشوا) سے ایک ٹی وی پروگرام میں سوال کیا گیا کہ ھم جنس بازی کے بارے میں آپ کے مذھب کا کیا نظریہ ھے؟ اس نے جواب دیا: میں فوراً تو اپنا قطعی نظریہ نھیں دے سکتا لیکن اتنا کھہ سکتا ھوں کہ انجیل کا سرے سے مطالعہ کرنا چاھئے!!

8-اسلام اور یورپ میں جمہوریت اور قانون گذاری کا مرجع
قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یورپین لوگوں نے دین اور اجتماعی مسائل کو جدا کرکے اپنا من پسند راہ حل تلاش کرکے دین اورعوام الناس کے مابین تعارض کا حل ڈھونڈنکالا، کیا ھم بھی اسلام کے ماننے والے اس طرح کے راہ حل کی تلاش میں ھیں؟ یہ وھی اندیشہ (فکر)ھے جو ”سیکولاریزم“ کے نام سے مشھور ھے یعنی دین کو مسائل اور زندگی کے امور سے جدا کرنا چاھے وہ اجتماعی ،حقوقی سیاسی، اور گھریلو ھی مسائل کیوں نہ ھوں، کچھ افراد اس بارے میں ”ایرانی ثقافت کی خدمت“ کی وجہ سے دسیوں تقریروں اور متعدد مضامین میں یہ بیان کیا کرتے ھیں کہ دینی کا دائرہ ، سیاست ، اجتماعی ،حقوقی اور اقتصادی مسائل سے جدا ھے اور اس بارے میں رات دن محنت کیا کرتے ھیں، تو کیا ھم بھی ایسا ھی عقیدہ رکہ سکتے ھیں؟ اگر ھمارا ایسا عقیدہ نھیں ھے تو ھم کو توجہ رکھنا ھوگی کہ ھم ان کے دھوکہ میں نہ آئیں اور یہ جان لیں کہ جو کچھ وہ بیان کرتے ھیں وہ ھمارے عقیدہ کے ھم آھنگ نھیں ھے اور اس بات کی طرف بھی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

توجہ رکھنا ہوگی کہ خواستِ خدا اور عوام الناس کی طلب کے مابین معارضہ ایجاد ہوجائے تو جو کچھ دین خدا نے معین کیا ھے ا سکو اپنائیں اور حقیقت میں خدا کی مرضی کو مقدم کریں۔
البتہ حقیرتکالیف کو مشخص ومعین کرنے کا قصد نہیں رکھتے کہ افراد ھمارے بیان سے آزادی کے خلاف کوئی مطلب نکالیں لیکن ان کو منتخب کرنے غوروفکر او ردقت سے کام لے کر آگاہ اور آزاد طور پر کسی چیز کو منتخب کرنا چاھئے ان کو متوجہ رھنا چاھئے کہ آج کل جو ”قانون گذاری میں جمھوریت“ کے عنوان سے بیان کیا جاتا ھے یعنی عوام الناس کی طلب کو خدا کی مرضی اور طلب پر مقدم رکھنا یعنی دین اور خواست خدا کا ایک طرف رکہ دینا، اگر عوام الناس کسی چیز کو منتخب کرنا چاھتے ھیں تو ان کو متوجہ رھنا چاھئے کہ وہ ان کے چنگل میں نہ پھنس جائیں کہ اسلام کو تو مجموعہ مقررات وقوانین برحاکم جامعہ کے عنوان سے قبول کرلیں اور قانون گذاری میں جمھوریت کو قبول کرلیں، درحقیقت یہ دونوں ایک دوسرے سے سازگار نہیں ھیں۔
جو افراد عوام الناس کو دھوکہ دینے، معاشرہ میں التقاط رائج کرنے اور بحث کو مخلوط کرنے میں لگے ھوئے ھیں وہ میری تقریروں اور مثالوں سے بھت زیادہ پریشان حال ھوجاتے ھیں چونکہ ان کی نیت اور ان کے سازش کا راز فاش ھوتا ھے اس لئے وہ پریشان ھوتے ھیں البتہ کچھ افراد کو سیاسی اغراض ومقاصد کی وجہ سے میری باتیں اچھی نہیں لگتیں، لیکن یہ باتیں چاھے کسی کو اچھی لگیں یا بری، ھم اپنی زندگی کے آخری لمحے تک دین اسلام کے احکام کوبیان کرنے میں کوئی دریغ نہیں کریں گے، او ردین اسلام کی حمایت میں اپنی تمام کوششیں صرف کردیں گے، اور تمام ناگوار واقعات کو اپنے لئے برداشت کرنے کے لئے آمادہ ھیں نہ کسی دھمکی سے ڈرتے ھیں، اور اور نہ کسی کے دھوکہ میں آتے ھیں۔
ھم یھاں پر احکام کو قطع وجزم دینے کا ارا دہ نہیں رکھتے لیکن یہ یاد دھانی کرادینا چاھتے ھیں کہ عوام الناس ھوشیار رھیں اور واقعیات کو حاصل کرنے کی خاطر اپنی عقل سلیم کو کام میں لائیں یورپ والوں کی باتوں اور ان کے مفاھیم سے دھوکہ میں آنے سے ھوشیار رھیں، کھیں ایسا نہ ھو کہ اپنے دین سے ھاتہ دھوبیٹھیں، ضروری ھے کہ نظریات وآراء کے جومبانی بیان کئے جاتے ھیں ان کی معرفت حاصل کریں۔
مثال کے طور پر جب یہ کھا جاتا ھے کہ قانون کو تسلیم کرنے کا معیار عوام الناس کی خواھش اور ان کی مانگ ھے اور ”قانون گذاری میں جمھوریت“ کو بیان کیا جاتا ھے تو ان کو یہ سوچنا چاھئے کہ کیا انسان کو صرف یھی بدن عطا کیا گیا ھے، اور ایک مادی زندگی دی گئی ھے اور اس کو حیوان کا مجسمہ بناکر بھیجا گیا ھے؟ اگر ایسا ھی ھے تواس صورت میں تو عوام الناس کو قانون گذاری کا حق ھے جیسا کہ اسی نظریہ کو یورپین لوگوں نے تسلیم کررکھا ھے، یا جیسا کہ اسلامی نظریات میں بیان کیا گیا ھے کہ انسان مادی بند کے علاوہ وہ بلند وبالا مقام اور روحانی اور معنوی اھمیت کا بھی حامل ھے تواس بنیاد پر قانون گذاری میں مادی مصلحتوں، نظم اور اجتماعی امنیت کی رعایت کے علاوہ معنوی مصلحتوں کی بھی رعایت کرنا ضروری ھے، اس صورت میں انسان خدا کے ارادہ کا تابع ھوگا اور قانون کا معیار وملاک خداوند عالم کی مرضی ھوگی۔
اس بات کی طرف ھم پھلے بھی اشارہ کرچکے ھیں کہ کیا واقعاً انسان مادی اور حکمت ماوراء الطبیعة سے بالا ایک معنوی پھلو بھی رکھتا ھے یا نھیں؟ کیا انسان مادی بدن اور حیوانی خصلتوں کے علاوہ کوئی اور پھلو بھی رکھتا ھے ،تاکہ وہ اسی اساس وبنیاد پر خداوند عالم سے ارتباط برقرار رکہ سکے؟ کیا واقعاً مرنے کے بعد انسان کے لئے کوئی اور دوسری زندگی بھی ھے؟ کیا واقعاً اس مادی زندگی اور مرنے کے بعد والی زندگی کے مابین کوئی رابطہ ھے؟ مسلمانوں اورمتدین افراد کے لئے ان سوالات کے جوابات واضح ھیں۔
لیکن ھم کو یہ غور وفکر کرنا چاھئے کہ ھمارے سیاسی اور اجتماعی رجحان کو ھمارے اعتقاد کے ھم آھنگ ھونا چاھئے اورھماری فکر واندیشہ اور عمل میں التقاط ظاھر نھیں ھونا چاھئے، اگر واقعاً ھمارا یہ عقیدہ ھے کہ خدا ھے، قیامت ھے، اور حساب وکتاب درکار ھے توھم کو یہ واضح کرنا ھوگا اور اس قطعی نتیجہ پر پھونچنا ھوگا کہ ایک حقیقت مینغیر خدائی قانون (کو عوام الناس کی طلب کے معیار قانون ھے) پر عمل کرنا ھماری ابدی آرامگاہ میں منفی اثر رکھتا ھے یا نھیں؟ یہ سوال وجواب قطعی ویقینی طور پر ھونے چاھئےں چونکہ شک وتردید سے مشکل حل نھیں ھوتی اور نہ ھی اس بارے میں شک کرنا عقلمندی کا کام ھے۔
یورپ میں یہ مسئلہ حل ھوچکا ھے وہ بھی بڑے عجیب وغریب انداز میں یا توعالم غیر مادی اور معنوی کا انکار یا افکار واندیشہ کو شک واحتمال وتردید میں قرار دینا اور ذھنوں میں یہ ڈالنا کہ کن امور کو انجام دینا چاھئے او رکن کاموں سے اجتناب کرنا چاھئے، ان امور کی ارزش و اھمیت عینی اور خارجی حقائق پر مبنی نھیں ھے جو ان کو متعلق یقین قرار دیا جائے یہ تو صرف اعتباری اور قراردادی چیزیں ھیں جن کی بناعوام الناس کی خواھش ھے بقیہ ان کا دین سے کوئی رابطہ نھیں ھے، اور اسی وجہ سے ھمارے وہ روشن فکر افراد جن پر یورپ والوں کا سایہ پڑگیا وہ ان مطالب کو اپنی کتابوں میں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لکھتے ھیں اور ھمارے عزیز نوجوانوں کے حوالے کردیتے ھیں جس کی وہ مذھب شک گرائی اختیار کرلیتے ھیں اور اس پر فخر بھی کرتے ھیں!! لیکن دین کے نقطہ نظر سے یہ مسئلہ اس طرح نہیں ھے بلکہ ھم کو شک وتحیر اور تردید سے باھر نکلنا چاھئے اور آگاھی اور یقین کے ذریعہ صرف ایک ھی راستہ کو منتخب کرنا چاھئے جیسا کہ قرآن کریم کے ابتدا ھی میں یقین کی تاکید کرتا ھونا نظر آرھا ھے اور فرماتا ھے:

(وَبِالآخِرَةِ ھمْ یُوْقِنُونَ.) (10)

''متقین وہ لوگ ھیں جو عالم آخرت پر یقین رکھتے ھیں'' قرآن کریم ''یشکّون'' نہیں فرمارھا ھے ،اب اگر کوئی قرآن کریم سے استفادہ کرنا چاھتا ھے تو ا سکو عالم آخرت پر یقین رکھنا ھوگا اور قرآن کریم دوسری جگہ پر فرماتا ھے:

(وَفِی الأَرْضِ آیَاتٌ لِلْمُوْقِنِیْنَ.)( 11)

''اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (قدرت خدا کی) بھت سی نشانیاں ھیں''

دوسری طرف یورپی ثقافت سے متاثر افراد کھتے ھیں کہ انسان کسی مسئلہ میں بھی منطقی طور پر یقین پیدا نہیں کرسکتا، اور خاص طور سے جو مسائل ماوراء مادہ سے مربوط ھوتے ھیں ان میں تو انسان کو یقین ھوھی نہیں سکتا، قرآن کریم انسان کے لئے جس انحتاط اور پستی کی حالت کو بیان کرتا ھے وہ شک وتردید کی حالت ھے قرآن مجید فرماتا ھے :

(فَھمْ فِی رَیْبِھم یَتَرَدَّدُوْنَ .)(12.)

''تو وہ اپنے شک میں ڈانو اڈول ھورھے ھیں (کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں''

اور اسی طرح قرآن کریم ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ھے:

(اَءُ نْزِلَ عَلَیْہ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا بَلْ ھمْ فِی شَکٍّ مِنْ ذِکْرِیْ...)(13)

''کیا ھم سب لوگوں میں بس (محمد ھی قابل تھا کہ) اسی پر قرآن نازل ھوا ، نہیں بات یہ ھے کہ ان کو (سرے سے)میرے کلام ھی میں شک ھے کہ میرا ھے یا نہیں ...''

قرآن کریم ھم کو خاص طور سے اصول دین یعنی خدا ، عدل، نبوت ، امامت اور قیامت کے بارے میں اھل یقین میں سے ھونا چاھتا ھے، اب ھم کو ان دو راستوں میں سے ایک راستہ کو منتخب کرنا چاھئے یا اس راستہ کو اختیار کرنا چاھئے جس میں انسان بنیادی طور پر ھی یقین تک نہیں پھونچتا، اور ھمیشہ شک وتردید کی حالت میں دوچار رھتا ھے، یا اس مذھب کو منتخب کرنا چاھئے جو ھم کو انتخابِ آگاھانہ اور یقین کی دعوت دیتا ھے اور فرماتا ھے جب تک اھل یقین نہ ھوؤ گے کتاب خدا سے استفادہ نہیں کرسکوگے۔

ان دونوں ثقافتوں میں یہ فرق ھے کہ ان میں سے ایک انسان کے لئے سب سے بری شک وتردید اور حیرت کی حالت کو جانتا ھے اور انسان کو شک وتردید میں اس شخص کے مانند گرفتار کردیتا ھے جو خوفناک اور بھیانک جنگل میں پھونچ گیا ھو اور جو شخص بھی اس کو کسی طرف بلانا چاھے وہ اس راستہ کو اسی حیرانی وپریشانی میں منتخب کرلیتا ھے اس کے برعکس یورپی ثقافت میں شک وتردید کو بڑی اھمیت دی جاتی ھے ،ان کا عقیدہ یہ ھے کہ جب تک انسان اھل حیرت وشک نہ ھو اس وقت تک وہ انسان نہیں ھوسکتا ھے، نتیجہ کے طور پر انسان کو ان دونوں میں سے ایک راستہ قبول کرنا ھوگا، اسلام کو یا اس ثقافت کو جس میں حیرت وشک کو بھترین چیز بتایا جاتا ھے، لیکن ان دونوں راستوں کو ایک ساتھ تسلیم نہیں کیا جاسکتا ھے جس طریقہ سے یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا ھے کہ اب دن بھی ھے اور رات بھی، اور اسی طرح توحید ، تثلیث(تین خداؤں کو ماننا) بھی ایک عقیدہ میں نہیں سماسکتے ھیں۔

9۔ جوانوں کے لئے ایک نصیحت

میرے وہ پیارے نوجوان جو علمی اعتقادات پیدا کرنے کی فکر میں ھیں واضح اھل فکر ھونا چاھتے ھیں او راھل تقلید ھونا پسند نہیں کرتے، ان کے لئے میری نصیحت یہ ھے کہ وہ پھلے ان سیاسی مسائل کو حل کریں ان کو یہ معلوم ھونا چاھئے کہ وہ اھل شک ھوں یا اھل یقین، دین کی پیروی کریں یا سیکولریزم رھیں، خدا پرست بنیں یا ھر قسم کی عبودیت سے آزاد یھاں تک کہ خدا کی عبودیت سے بھی آزادی چاھتے ھیں، ان کے لئے ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ کا اپنانا ضروری ھے، ایسا نہیں ھوسکتا کہ کبھی اس راستہ پر چلیں اور کبھی دوسرے راستہ پر چل پڑےں، کبھی ان کی باتوں کو قبول کریں اور کبھی دوسروں کی باتوں کو قبول کریں، اس طرح کا رویہ بھت خطرناک ھے، اور ھماری عاقبت کفر کی حالت اور ابدی عذاب جھنم کا باعث بن جائے۔اگر ھم قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ھیں اور اس کی حقانیت کو قبول کرتے ھیں تو کیوں انسان کی مطلق آزادی کو تسلیم کریں؟! کس طرح ھم دین کے بھی معتقد ھوسکتے ھیں اور لیبرالیزم اور سیکولریزم کے بھی؟ اس طرح کا عقیدہ رکھنا ناممکن ھے، کسی بھی بلند وبالا راستہ کو منتخب کرنے سے پھلے کچھ چیزوں کو فرض کرکے ان کے بارے میں بحث کرنا چاھئے جیسے یہ کہ کیا ھم کو انسان کو ایک موجود مادی سمجھیں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور اس کی سعادت کو صرف حیوانی لذتوں میں تلاش کریں ، آزادی کا مطلب صرف خواھشات نفسانی بیان کریں؟ یا یہ کہ انسان کی انسانیت ماوراء مادہ کے لئے ایک جو ھر ھے،روح الٰھی ھے، اور بدن صرف روح کو کامل کرنے کا وسیلہ ھے اور ھماری حقیقی زندگی ابدی زندگی ھے جیسا کہ خداوندعالم نے فرمایا ھے:(وَاِنَّ الدَّارِ الآخِرَةَ فَهِیَ الْحَیْوَانُ.) (14)
''اور اگر یہ لوگ سمجھیں بوجھیں تو اس میں شک نہیں کہ ابد ی زندگی (کی جگھ) تو بس آخرت کا گھر ھے (باقی لغو)''اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ھے :
(وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلاَّ مَتَاعُ الْغُرُوْرِ.)(15)
''اور دنیا کی(چند روزھ) زندگی دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں ھے.''
اگر جھان آخرت ھماری اصلی اور حقیقی زندگی ھے تو دنیا میں ھم کو اپنی توجہ اور ھمت اس چیز میں صرف کرنی چاھئے جو ھم کو بڑی سعادت تک پھونچائے یہ ان مذاھب کے برعکس ھے جن کا عقیدہ ھے کہ اُخروی سعادت دنیا کے ساتھ جمع نہیں ھوسکتی ھے او راگر کوئی شخص آخرت میں سعادت کا خواھاں ھے تو اس کو دینا میں گوشہ نشینی اختیار کرنا چاھئے اور دنیا سے بھت کم استفادہ کرنا چاھئے، خوشبختانہ بڑی اقبال مندی کی بات ھے کہ دین اسلام دنیا وآخرت کی سعادت کو ایک جگہ جمع ھوناممکن جانتا ھے اور معتقد ھے کہ انسان خاص طور سے زندگی میں سعادت دنیا کو بھی حاصل کرسکتا ھے اور سعادت ابدی آخرت کو بھی حاصل کرسکتا ھے۔


حوالہ
1۔سورہ آل عمران آیت 64
2۔سورہ عنکبوت آیت 46
3۔سورہ نساء آیت 171
4۔سورہ مریم آیت 90
5۔سورۂ نحل آیت 36
6۔سورہ بینہ آیت 5
7۔سورہ زمر آیت 3
8۔سورہ لقمان آیت 22.
9۔سورہ مائدہ آیت 38
10۔سورہ بقرہ آیت 4
11۔سورہ ذاریات آیت 20.
12سورہ توبہ آیت 45
13سورہ ص آیت 8.
14سورہ عنکبوت آیت 64
15سورہ آل عمران آیت 185.




تیرھواں جلسہ

**قانون کے سلسلے میں اسلام اور یورپ کے درمیان بنیادی فرق**

1۔گذشتہ مطالب پرایک نظر
جیسا کہ گذشتہ جلسوں میں بیان کیا جا چکا ھے کہ ھماری بحث کا موضوع اسلام کے سیاسی نظریہ کو بیان کرنا ھے، اور اس نظریہ کو بیان کرنا کچھ وضع شدہ اصول اور کچھ مقدموں پر مبنی ھے کہ جن کی بنیادپر ھماری بحث قائم ھوئی ھے


Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور هم سب سے اهم مقدموں کو مدنظر رکھتے هئے اپنی بحث کو آگے بڑھائیں گے اور وہ تین مقدمہ درج کئے جارهے هیں:

1۔ انسان کی اجتماعی زندگی بغیر قانون کے مکمل نهیں هوسکتی، یعنی انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے قانون کی سخت ضرورت هے۔

2۔قانون کو قانون گذاری کی ضرورت هوتی هے کہ جس کی وجہ سے مناسب قوانین کو وضع کر کے قانون کے اغراض و مقاصد کو مکمل کیا جاسکے۔

3۔قانون کو بنائے جانے کے بعد اس پر عمل درآمد کرانے کے لئے ایک طاقت کا هونا ضروری هے کہ اگر کوئی قانون کی مخالفت کر نا چاهے تو اس کو قانون کا پابند بنانے کےلئے اس طاقت کا استعمال کیا جائے۔

هر ایک معاشرہ کیلئے قانون کا هونا ضروری هے اس موضوع کے بارے میں هم پهلے بیان کر چکے هیں کہ هر زمانہ میں تقریباً تمام انسانوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا هے اور شاید بهت کم هی ایسے اسلامی محقق هوں گے جو معاشرہ کیلئے قانون کے قائل نہ هوئے هوں، البتہ کچھ گنے چنے افراد کا یہ عقیدہ هے کہ اخلاقی قدر وقیمت کا هونا هی معاشرہ کو قوانین حقوقی سے بے نیاز کردیتا هے۔

لیکن یہ ایک نمونہ آئیڈیل اور آرزو هی هے اور هرگز تاریخ میں کوئی ایسا اتفاق پیش نهیں آیا کہ تمام افراد اخلاقیات پر هی گامزن هوگئے هوں اور مستقبل میں بهی کسی ایسے وقت کا امیدوار نهیں رها جاسکتاکہ تمام افراد االخلاقی اصولوں کی اس طرح رعایت کریں کہ پهر ان کو حقوقی قوانین کی ضرورت نہ رهے، لهٰذا هم یہ فرض کرتے هیں کہ وہ تمام محققین جو اسلام کے سیاسی نظریہ کو بیان کرنے کا قصد رکهتے هیں ان سب نے قانون کی اصل ضرورت کو تسلیم کیا هے اور هم اس بارے میں جس مسئلہ پر بحث کرکے ایک دوسرے کی موافقت چاهتے هیں وہ مسئلہ یہ هے کہ جس قانون کو هم معاشرہ میں رائج کرنا چاهتے هیں اس قانون کی کیا خصوصیات هیں؟یعنی هم یہ تسلیم کر چکے هیں کہ اصل قانون کی ضرورت هے لیکن کیا معاشرہ میں بیان هونے والے هر قانون کا هونا کافی هے اور وہ معاشرہ کو فلاح و بهبود تک پهونچاسکتا هے یا ایسا نهیں هے، بلکہ بهتر قانون کو خاص خصوصیات کا متحمل هونا چاهیے؟ هم اس بارے میں مختلف نظریات کو بیان کر چکے هیں:

کچھ افراد کا کهنا هے کہ قانون کو عادلانہ هونا چاهئیے اس صورت میں قانون کی خاصیت اس کا اصول عدالت پر مبنی هونا چاهئیے، کچھ دوسرے افراد کهتے هیں کہ قانون کو مصالح اجتماعی کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا هونا چاهئیے، اور آخر میں تیسرے گروہ کا کهنا هے کہ: قانون صرف معاشرہ کے نظم و امنیت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے هوتا هے، یورپ میں ان تین نظریوں کو سب سے مشهور و معروف نظریے ماناجاتا هے۔

اس کے برخلاف خدا پرستوں کے نظریہ مخصوصاً ا سلام کے ماننے والوں کے نظریے، جو کهتے هیں کہ قانون کو انسانوں کی دنیوی اور اخروی مصالح کا حامل هونا چاهئیے، صرف لوگوں کی خواهش، نظم اور امنیت کا خواهاں نهیں هونا چاهئیے بلکہ قانون کو ایسا هونا چاهئیے جو دنیا اور آخرت میں انسانوں کی مصلحتوں کو مدّ نظر قرار رکهتا هو، قانون ایسا نہ هو کہ جس سے معاشرہ کی تمام مصلحتیں چاهے و ہ مادی اعتبار سے هوں یا معنوی اعتبار سے چاهے دنیوی اعتبار سے هوں یا اخروی اعتبار سے یہ سب خطرہ میں پڑ جائیں، یعنی اگر قانون ان مصلحتوں میں سے کسی ایک مصلحت کے لئے خلل بن رها هو ، تو وہ قانون بے کار هے، اور وہ انسان اور معاشرہ کی ضروتوں کو پورا نهیں کرسکتا، اس بارے میں بهت زیادہ بحث کی جا چکی هےں، لیکن اب بهی کچھ تحصیل کرنے والے گروہ اور صاحب نظر افراد کے اذهان عالیہ میں شبهات باقی رہ گئے هیں لهٰذا اس مسئلہ کوخصوصی توضیح دینا ضروری و لازم هے۔

2: فردی آزادی اور قانون کے درمیان رابطہ

آجکل ریڈیو، ٹیلیویژن، اخباروں اور تقریروں میں اس نکتہ پر بهت زیادہ تاکید کی جارهی هے کہ فردی آزادی اتنی اهم هے کہ جس کو کوئی قانون محدود نهیں کر سکتا، اور ان آزادیوں میں کسی شخص کو رخنہ ڈالنے کا کوئی حق نهیں هوتا یعنی فردی آزادیوں کی حفاظت کرنا یہ قانون سے بالاتر هے اور جو قانون فردی آزادیوں میں مانع هوتو ایسے قانون کا کوئی اعتبار نهیں هے، اب همارے لئے اس نظریہ کی تحقیق و جستجو کرنا لازمی هوگیا هے تاکہ هم اس کی تحقیق و جستجو کے بعد اس سے منطقی اور علمی نتیجہ حاصل کر سکیں درحقیقت یہ طرز فکر یورپی ثقافت کی پیداوار هے جسکو هم بالکل پسند نهیں کرتے، اور اس سے اجتناب کرتے هیں اور همارے حکومتی ذمہ دار حضرات نے معاشرہ میں اس طرح کی ثقافت کے رائج هونے سے خبر دار کیا هے، هم اصلی بحث کو بیان کرنے سے پهلے مقدمہ کے طور پر کچھ موضوعات کو بیان کر رهے هیں تاکہ ان کے ذریعہ اسلام کے نظریات آسانی سے مل جائیں گے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

یورپی ثقافت کی بنیادکچھ عناصر پر ھے اور انسان مداری یا انسان محوری کی طرف جھکاؤ کو اس ثقافت کا سب سے پھلا،اور اصلی وبنیادی عنصر مانا جاتا ھے، یورپ میں ''ھیومانیزم''(Humanism) درمیانی صدیونکے آخری زمانہ کے مشھور و معروف رائیٹر اور ادباء جیسے اٹلی کے ''ڈانٹا'' کے ذریعہ ایجاد ھوئی، درحقیقت یہ نظریہ مسیحیت سے پھلے موجود تھا۔

جیسا کہ ھم جانتے ھیں کہ عیسائیت مشرقی ممالک اور فلسطین میں پھیلی ، قبل اس کے کہ عیسائیت یورپ میں پھونچے ، یورپی معاشرہ بت پرست تھا، اور اس زمانہ کے سب سے اھم امپراطور (روم کے پادشاھوں کے القاب) رومی تھے جس میں شرقی روم (موجودہ ترکی) اور غربی روم (اٹلی) شامل تھے،ان ممالک میں یھودیوں کو چھوڑ کر بقیہ سب کے سب افراد بت پرست تھے ان کے معاشرہ میں مسیحیت کے داخل ھوجانے اور اس کے حاکم ھونے کی وجہ سے مسیحیت میں تحریفات ھونا شروع ھوگئیں اور بت پرستی کی کچھ چیزیں اس میں داخل ھوگئیں، اور یورپی معاشرہ نے اس طرح کی مسیحیت کے سامنے سر تسلیم خم کردیا، ان تحریفات کے نمونے مسئلۂ تثلیث اور اس کے بعد کلیساؤں میں حضرت مریم اور فرشتوں کے مجسموں کو نصب کرنا ھے، لھٰذا یہ کلیسا بھی پھلے بت خانوں کی طرح ھوگئے۔

جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ یورپ میں تحریف شدہ عیسائیت رائج ھوگئی، اور اس نے شرک کی جگہ لے لی، در حقیقت وہ شرک کی بنیاد پر قائم ھونے والی دنیاوی حکومت تھی جس میں معنویت نھیں پائی جاتی تھی جو یورپ پر عیسائی حکومت یا الٰھی حکومت اور آسمان و ملکوت کی طرف دعوت دینے والی حکومت کے نام سے حاکم ھوئی اوران حکومتوں کے نام سے لوگوں پر ظلم وستم کیا۔

یھاں تک کہ لوگ آھستہ آھستہ ان ظلم وستم سے تنگ آگئے اور مسیحیت سے پھلے والی زندگی کی طرف پلٹ گئے ، درحقیقت اومانیزم نظریہ کا خلاصہ یہ ھے کہ خدا کی جگہ انسان اور آسمان کی جگہ زمین اور آخرت کی زندگی کی جگہ دنیاوی زندگی کو ترجیح دی جائے۔

یہ اومانسٹی نظریہ کا ماحصل ھے جو انسان کو خدا کی جگہ قرار دیتا ھے ،اور یہ نظریہ آھستہ آھستہ اس زمانہ کے محنتی محققین جیسے اٹلی کے مشھور ومعروف شاعر و محقق ''ڈانٹا''کے ذریعہ یورپ کے تمام ممالک میں اس کا رواج پیدا ھو گیا، اور اس طرح سے بیان کیا گیا ھے جس کے اندر ھر طرح کی چیز موجود ھو، اس بنا پر اوما نیزم تمام نظریات کی ماں سمجھی جانے لگی کہ جن کی بنیاد پر یورپی ثقافت وجودیائی ھے، اور جب ھم یورپی ثقافت کا تذکرہ کرتے ھیں تو اس سے ھماری مراد نہ تو یورپی جغرافیائی ثقافت ھے اور نہ وہ لوگ مراد ھیں جو مغرب (یورپ) میں زندگی بسر کرتے ھیں چونکہ وھاں پر دوسرے مذھبوں کو ماننے والے افراد بھی رھتے ھیں، کچھ اچھے عقائد والے اور دوسرے مذاھب کے افراد بھی زندگی بسر کرتے ھیں اور ھم جس ثقافت کو یورپی ثقافت کھتے ھیں وہ ایک جامع ثقافت ھے جو انسانوں کو غیر الٰھی راستہ بلکہ کفر کی طرف لے جاتی ھے، لھٰذا بھت سے مشرقی ممالک جیسے جاپان وغیرہ میں بھی ممکن ھے یھی ثقافت موجود ھو،لھٰذا ھم یورپی ثقافت کو جغرافیائی لحاظ سے نھیں مانتے۔

3۔اومانیرم اور لیبرالیزم کا قانون میں داخل ھونا

قارئین کرام ھماری بحث اور گفتگوکا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپی ثقافت کفر و الحاد کی ثقافت ھے جس میں کوشش یہ کی گئی ھے کہ انسان کے تصور سے خدا کو غائب کردیا گیا ھے اور خود انسان کو خدا کی جگہ رکہ دیا گیاھے ،یعنی انسان ھی تمام اقتدار اور قدرت کا محور ھے. اس نظریہ کے تحت انسان ھی تمام ارزش اور اھمیت کو پیدا کرتا ھے، اور انسانوں کی تفکر سے زیادہ ان کی کوئی واقعیت نھیں ھوتی، انسان قانون وضع کرتا ھے اور انسان کے علاوہ کسی اور کو قانون بنانے کا کوئی حق نھیں ھوتا، انسان انسانوں کی سرنوشت کو خود معین و مشخص کرتے ھیں خدا نھیں، یہ تمام تفکراومانیستی کے اصلی عناصر ھینکہ جن کے پیچھے پیچھے دوسرے مذاھب بھی وجود میں آگئے اور وہ طول زمان میں آھستہ آھستہ اسی ریشہ سے اُگے اور اسکے دو بھت اھم مذاھب (جو آجکل یورپی ثقافت میں اسلامی ثقافت کے مقابل بیان کیے گئے ھیں) سیکولریزم اور لیبرالیزم ھیں۔

اور ظاھر ھے کہ اگر انسان کی زندگی سے خدا کاتصور ختم کردیا جائے تو انسانی زندگی کے اھم مسائل کی دین کی کوئی اھمیت باقی نہ رھے گی، اور اس لحاظ سے دین کو اجتماعی ، سیاسی اور حقوقی مسائل سے الگ رکھنا ھوگا، اس نظریہ کی بنیادپر اگر کچھ افراد دین کے نام پر کچھ ارزشیں اور اھمتیں ایجاد کرنا چاھیں تو وہ ان ارزشوں کو صرف معابد اور اپنی فردی زندگی کے لحاظ سے تصور کریں،یعنی در حقیقت دین اقدار کی قرار گاہ خاص طور سے افراد کی فردی زندگی ھے اجتماعی زندگی نھیں ھے یہ وھی تفکر ھے جو دین کو سیاست اور اجتماعی زندگی کے جدّی مسائل سے جدا کرتا ھے جسکو سکولاریزم کھا جاتا ھے، اور آخر کار یورپی ثقافت کا دوسرا ثمرہ لیبرالیزم ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جب تمام اقدار کا محور انسان ہو اور اس کے علاوہ دوسری کوئی اور چیز اسکی سرنوشت پر حاکم نہ ہو، تو یہ کہنا چاہیے کہ ہر وہ کام جسکو انسان کا دل چاھے اسکو انجام دے اور یہ وھی مطلق آزادی یا لیبرالیزم ھے لیکن اگر ہر انسان مطلق طور پر آزاد رھنا چاھتا ھو تو عسر وحرج لازم آئیگااور قانون کا کوئی مقام باقی نہ رھے گا اور ظاھر سی بات ھے کہ اس طرح کی شرطوں کو برداشت نہیں کیا جاسکتا اور واضح طور پر معاشرہ میں قانون کی ضرورت کا احساس ھوگا، کہ ایسا قانون ھونا چاھیے جو عسر وحرج کو روک دے اور جب نظم برقرار ھوجائے اورعسرو ھرج ختم ھوجائے تو پھر قانون کی ضرورت بھی ختم ھوجائے گی، تو پھر ھر فرد کا دل جو چاھے گا وہ آزادانہ طورپر اس کو انجام دے گا۔

4۔یورپی ثقافت کے اصول اور اسلامی ثقافت سے ان کا موازنہ

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اومانیزم نظریہ کا خلاصہ سیکولریزم اور لیبرالیزم پر ھوتا ھے۔

اور انھیں دو عناصر سے اصلی یورپی ثقافت وجود پاتی ھے اورر بار بار یہ جو یاد آوری کی جاتی ھے کہ تم اپنی حفاظت کرتے رھنا کہ کھیں تم پر یورپی ثقافت حملہ کرکے تمھاری ثقافت کا جنازہ نہ نکال دے ان سے ھماری مراد یھی ثقافت ھے جسکا لازمہ لیبرالیزم اور سیکولریزم ھے، یہ ثقافت یورپ میں رائج ھوئی اور اس نے صنعت اور ٹیکنالوجی کی پیشرفت کے ساتھ ساتھ معاشرہ بشری میں مختلف پرکشش چیزوں کو ایجاد کیا اور دوسرے ممالک بھی کم و بیش اس ثقافت سے متاثر ھوئے اس لئے کہ معاشرہ کی معرفت رکھنے والے محققین کا یہ عقیدہ ھے کہ یورپی ٹیکنالوجی کے صادر ھونے کے ساتھ ساتھ یورپی ثقافت بھی صاد رھونے لگی، یہ وہ واقعیت ھے جس پر موجودہ دور مینترقی کرنے والے ممالک کو غور و فکر کرنا لازمی ھے۔

اس مقام پر یہ سوال پیش آتا ھے کہ کیا یورپی ثقافت کو قبول کئے بغیر ٹیکنالوجی کو تسلیم کیا جا سکتا ھے؟ البتہ اسی موضوع کے بارے میں دوسرے مقام پر بحث کی جائیگی لیکن ھم یھاں پر مختصر طور پر یہ بتا دیں کہ اب تک تو یورپی ٹیکنالوجی کے صادر ھونے کے ساتھ ساتھ یورپی ثقافت بھی تمام ممالک میں صادر کی گئی ھے، اور تمام انسان کم و بیش اس ثقافت سے متاثر ھوئے ھیں یھاں تک کہ ھمارے اسلامی معاشرہ اور اسلامی ممالک بھی اس ثقافت سے استفادہ کئے بغیر نہ رہ سکے (البتہ یہ سب اس لئے ھوا کہ اسلامی اقدار کی حفاظت کرنے میں لاپرواھی سے کام لیا گیا، یہ نہیں کہ ان دونوں ثقافتوں کو جدا کرنا ممکن نہ تھا)۔

افسوس کہ آج یہ مشاھد ہ کرتے ھیں کہ بھترین فکر رکھنے والے افراد کے مختلف طبقوں میں التقاط و اختلاط(مختلف نظریوں کا آپس میں مل جانا) پیدا ھوگیا ھے کہ اسلامی ثقافت کے التقاطی تفکر کو یورپی الحادی ثقافت سے ملا دیا ھے،البتہ مختلف سطح (طبقہ) کے اعتبار سے یہ اختلاط فرق کرتا ھے :

بعض موارد میں یورپی ثقافت کا بول بالا ھے جبکہ ان موارد میں اسلام کا اتنا بول بالا نھیں ھے اور دوسرے موارد میں اسلام نے جلوہ دکھلایا ھے لیکن افسوس کا مقام ھے کہ یورپی ثقافت نے غبار آلود اور اور تاریک فضا ایجاد کردی ھے اور اسلام ناب محمدی کی صاف وشفاف فضا دنیا کے کسی کونے میں بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دیتی ھے، ھمارے اعتقاد کے مطابق جو سب سے اھم فضا اسلامی ثقافت کو صاف وشفاف کر سکتی ھے اور اس سے دوسری ثقافتوں کے غبار کو صاف کیا جاسکتاھے وہ جمھوری اسلامیٔ ایران کی فضا ھے اور جب اس نظام میں اس طرح کی طاقت و قدرت موجود ھے اور عوام الناس اسلام اور اسلامی ثقافت کیلئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ھیں اس بنا پر انقلاب اسلامی یورپی ثقافت کے لئے سب سے بڑے خطرہ کے عنوان سے بن کر ابھرا ھے۔

جیسا کہ کچھ دن پھلے واشنگٹن کے نزدیک ایک یورپی سیاست کی تحقیق کرنے والے ادارہ کے ایک رئیس نے کھا تھا کہ جمھوری اسلامی ایران دنیا کے لئے سب بڑا خطرہ ھے، ظاھر ھے کہ جس چیز سے وہ ڈرتے ھیں اور اپنے لئے ایک اھم خطرہ سمجھتے ھیں وہ اقتصادی خطرہ نھیں ھے اس لئے کہ ان کا اقتصاد ھم سے کھیں بھت زیادہ اچھا ھے، اسی طرح ان کو نظامی خطرہ بھی نھیں ھے اس لئے کہ ان کے پاس ایسے خطرناک اسلحے موجود ھیں کہ دوسرے ممالک میں ان جیسے نمونے نھیں ملتے ،ان کے پاس ایسی فوج موجود ھے کہ دنیا کے تمام ممالک میں نہ کمیت کے اعتبار سے اور نہ کیفیت کے اعتبار سے ایسی فوج موجود نھیں ھے، بلکہ وہ تو جمھوری اسلامی ایران کی فکری، عقیدتی اور ثقافتی توانائی سے خوف کھائے ھوئے ھیں اور صاف لفظوں میں کھتے ھیں :

جمھوری اسلامی ایران ایسا خطرہ ھے جو زمین کے اعتبار سے نامحدود اور منحصر بہ فرد ھے ، یھی چیز ان کے یورپی معاشرہ کے لئے سب سے بڑے خطرہ کا باعث ھوئی ھے، اسی وجہ سے وہ اس نظام کو ضعیف کرنے کی مسلسل جستجو میں لگے ھوئے ھیں اور صاف لفظوں میں کھتے ھیں کہ نظام ولایت فقیہ ایسا نظام ھے اور جب تک محور نظام ولایت کو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سرنگوں نہ کر دیا جائے اس میں نفوذ نہیں کیا جاسکتا۔

5۔علماء اور اسلامی تالیفات کی ذمہ داریاں

جو چیز اسلامی ثقافت کے جوہر کو مجسم کرتی ہے انسان محوری کے مقابل میں خدا محوری ہے اس اساس و بنیاد پر یہاں پر ایک سوال پیش آتا ہے کیا اقدار و ارزش و اہمیت کا ملاک و معیار خدا کوقرار دیا جائے یا انسانی خواھشات کو؟ کیا واقعی حاکمیت خدا سے مخصوص ہے یا انسانوں سے؟ کیا ہماری اصلی فکر اندیشہ، حقوق اور زندگی کے تمام دوسرے لوازمات خدا سے مربوط ہیں یا انسانی خواھشات سے ؟

اگرچہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ان مطالب کا بیان کرنا ہمارے لئے ناگوار واقعات کا سبب ہیں لیکن عصر حاضر میں علماء کا سب سے بڑی ذمہ داری موجودہ غبارآلود فضا کو اسلام کے صاف وشفاف مطالب بیان کر کے دھو ڈالنا ہے، تاکہ لوگ کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ کر کے مختلف نظریوں کی تحقیق و جستجو کریں اسلام اور منابع اسلامی کے نظریہ دوسروں کے نظریوں سے جدا کریں تاکہ اسکے ذریعہ اسلام اور کفر وشرک کی حد واضح ہو اجائے اور کفر و الحاد و التقاط کا نظریہ رکھنے والوں کو اسلامی محققین سے الگ کیاجاسکے، علماء کی بنیادی اور اصلی ذمہ داری یہی ہے اور قرآن بھی خاص طور سے اس بارے میں فرماتا ہے کہ: اگرعلماء اور اھل علم بدعتوں کو پھیلائیں اور حقائق کو واضح نہ کریں تو ان پر خدا، فرشتے اور تمام مخلوق لعنت کرتی ہے ، ارشاد ہوتا ہے:

(اُوْلٰئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰاعِنُونَ ...)(1)

''یہی لوگ ہیں جن پر خدا (بھی) لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔''

ہمارا اصلی فریضہ یہ ہے کہ ہم فضا کی وضاحت کریں تاکہ مفاہیم اور اسلام و کفر کے مابین کی حدود معین و واضح ہو جائیں اور یہ بھی معین و مشخص ہوجائے کہ کن افکار میں اختلاط و التقاط پایا جاتا ہے؟ چونکہ انہیں التقاط و اختلاط کی وجہ سے حق و باطل کے مابین عاشورا جیسا واقعہ رونما ہوا اور واقعہ عاشورا سے پہلے مسلمانوں اور حضرت امیرالمومنین علیہم السلام کی نسل پاک سے ایک شخص نے قیام کیا اور بہت سے اسلامی حقائق کی وضاحت فرمائی، لوگوں نے بھی اسلامی حقائق کو درک کیا اور سمجھداری سے کام لیا اور امام کی آواز پر لبیک کہا اور ایران میں ایک عظیم اسلامی انقلاب برپا ہوگیا۔

یہ بدیہی ہے کہ جب تک دین اسلام کے لئے اپنی تمام چیزوں کو قربان کرنے والے غیرتمند جوان موجود رہیں گے اس وقت تک دین اسلام پر ذرہ برابر بھی آنچ نہیں آنے دیں گے، اور الحمد اللہ ہمارے برادران سیاسی اور اجتماعی کافی معلومات رکھتے ہیں، اور اپنے فرائض سے بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ان پر کیسے عمل کرنا چاھئے، ہم ان کے عملی فریضہ کو معین و مشخص کرنا نہیں چاھتے ہیں بلکہ ہمارا کام تو صرف فکری اور عقیدتی مسائل کو بیان کرنا ہے، ہم تو صرف اسلام کے عملی اور نظری اصولوں کو بتانا چاھتے ہینکہ وہ کیا ہیں؟

ہم تو یہ بتلانا چاھتے ہیں کہ اسلامی ثقافت کیا ہے اور یورپی اور کفر و الحادی ثقافت کیا ہے، ہم تو لوگوں کو یہ بتانا چاھتے ہیں کہ کفر والحاد ثقافت کے اصلی عناصر اومانیزم وسیکولریزم اور لیبرلیزم ہیں اور ان کے مقابل میں اسلامی نظریہ کے اصلی عناصر خدا محوری، اصالت دین و ولایت فقیہ اور خدا کی اطاعت کے دائر ہ میں محدود رہ کر انسان کا فعالیت کرنا ہیں، یہ دونوں ثقافتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں ہیں: پہلی ثقافت انسان کی مطلق آزادی یہانتک کہ خدا کی اطاعت سے بھی آزاد رہنے کی دعوت دیتی ہے اور دوسری ثقافت ہم کو صرف اور صرف خداوندعالم کی اطاعت کی دعوت دیتی ہے پہلی ثقافت انسان کے تفکر اور اسکی زندگی سے خدا کو حذف کرنے اور انسان کو خود ہمت باندھنے کی دعوت دیتی ہے، اور دوسری ثقافت پرچم توحید کو بلند کرنے اور انسانی زندگی میں یکتا پرستی کی فکر کو محفوظ کرنے کی کوشش کرتی ہے اور یہی ہمارا نظریہ اور انقلاب کا محور ہے۔

6۔قانون کی حقیقت اور اسلام اور لیبرالیزم میں اس کی اہمیت

جس طرح ہم نے پہلی تقریروں میں بیان کیا ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے قانون ایسا ہونا چاھیے جو انسان کو اسکے مصالح او رمعنوی مقصود تک پھونچائے اور صرف نظم و ضبط اور اجتماعی امنیت کو پورا کرنا ہی قانون کا خاص کام نہیں ہے لیبرالی نقطہ نظر سے انسان کا صرف اور صرف دنیا سے لذت حاصل کرنا ہے، جبکہ قانون کا کام صرف اسباب لذت فراھم کرنا نہیں ہے جو چیز انسانوں کی زندگی میں ان کو لذت حاصل کرنے اور ان کا اپنی قدرت سے استفادہ کرنے میں مخل ہوتی ہے وہ دوسروں کیلئے مزاحمت ایجاد کرنا ہے، اگرقدرت اور لذتوں سے اس طرح استفادہ کیا جائے کہ اس سے دوسروں کی آزادی میں کوئی مزاحمت نہ ہو تو قانون اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتاتو اس کا مطلب یہ ہوا کہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قانون کا کام صرف دوسروں کی آزادی کی حفاظت کرنا اور ان کی خواھشات نفسانی کو مکمل کرنا ھے، قانون کا یہ ھدف یورپ کی اومانیرم اور لیبرلیزم کے نظریہ کا نتیجہ ھے،اور اس بنیاد پر قانون کا دائرہ بہت محدود ھوجائے گا۔
اور لوگوں کی زندگی سے حکومت کو بہت کم سروکار رکھنا ھوگا چونکہ اصل یہ ھے کہ لوگ آزاد رھیں اور جس کام کو ان کا دل چاھے اس کو انجام دیں اور اس اساس و بنیاد پر تو اس جملہ کا یہ مطلب ھوگا کہ قانون سے بالاتر آزادی کی حفاظت کرنا ھے، لیکن اسلام کی نظر میں قانون اس کو کھا جاتا ھے جو انسانونکو صحیح زندگی بسر کرنے کے صحیح راستہ کی ھدایت کرے اور معاشرہ کی مادی اور معنوی مصالح کی طرف ھدایت کرے، اسلامی حاکم بھی وھی شخص ھو سکتا ھے جو ان مصالح کو معاشرہ میں جامۂ عمل پھنائے اور ان مصالح میں رخنہ ڈالنے والوں کو روکے، لھٰذا اسلامی حاکم اور ڈیموکریٹک اور لیبرل حاکم کے درمیان بہت زیادہ فرق پایا جاتا ھے اس لئے کہ اس کو اجازت دیں تاکہ وہ موقع آئے اور لوگ اپنی خواھشات اور ھوئی و ھوس کے مطابق عمل کریں اور وہ صرف بے نظمی اور ھرج ومرج سے روکیں اور ان کو اسکے علاوہ کسی مانع کے ایجاد کرنے کا کوئی حق نھیں ھے، جو لوگ یہ کھتے ھیں کہ آزادی قانون سے بھی بلند وبالا ھے وہ خاص طور سے اھل علم و تحصیل اور محققین ھیں اور وہ جو لوگ اپنے کو صاحب نظر سمجھتے ھیں ان کو زیادہ دقت اور مطالب کی دقیق تحقیق وبررسی کرنا چاھیے۔
اصولی طور پر ماھیت قانون کا مطلب یہ ھے کہ کسی شخص کیلئے کوئی حق اور دوسروں کیلئے کسی تکلیف کو معین کرنا، قانون آزادی کو روکنے والا ابزار ھے، اگر یہ بنا قرار دیدی جائے کہ شخص جو اس کا دل چاھے وہ کام انجام دے تو پھر قانون کی کوئی ضرورت ھی نھیں ھوگی، قانون اس مقام پر بنایا جاتا ھے جھاں پر افراد اپنی بعض خواھشوں سے صرف نظر کریں ورنہ قانون کا کوئی فائدہ نہ ھوگا، اگر یہ بنا قرار دیدی جائے کہ ھر شخص جو کچھ چاھے وہ انجام دے تو پھر ھم کو قانون کی کیا ضرورت ھے؟ نتیجہ کے طور پر ماھیت قانون کا مطلب یہ ھے کہ کسی شخص کے لئے حق اور دوسروں کیلئے کچھ وظایف معین کئے جائیں، اگر ھمارے پاس کوئی ایسا قانون ھو جو کسی حق کو تمام انسانوں کیلئے ثابت کرے تو پھر بھی وہ کسی وظیفہ فریضہ کا متضمن ھوگا، مثال کے طور پر اگر ایک بین الاقوامی یہ قانون ھو اور وہ قانون یہ حکم صادر کرے کہ ھر انسان آزاد ھے اور اس کو یہ حق ھے کہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں اپنے رھنے کے لئے جگہ کا انتخاب ھے تو اس قانون کا مفاد تمام انسانوں کیلئے حق کا اثبات کرنا ھے۔
لیکن وظیفہ معین کئے بغیر دوسروں کیلئے حق ثابت کرنا نھیں ھے ورنہ ایسے قانون کا مطلب یہ ھوگا کہ ھر شخص کسی بھی جگہ رھنے کا حق رکھتا ھے اور دوسروں کو اس حق کا احترام کرنا چاھیے اور اسکی مزاحمت نھیں کرنا چاھیے، نتیجہ کے طور پر قانون یا تو تصریحی طور پر اور یا اشارہ کے طور پر کن امور کو انجام دینا چاھیے اور کن امور کو انجام نھیں دینا چاھیے کا متضمن ھے، یھاں تک کہ اگر ھر فرد کیلئے بھی حق کو ثابت کرتا ھے تو اس کا مفاد یہ ھے کہ دوسرے اس حق کی رعایت کریں اور اس کا احترام کریں۔
جو قانون یہ کھتا ھے کہ ھم کو ایسا کرنا چاھیے یعنی اسکے علاوہ عمل نھیں کرنا چاھیے اور اس سے مراد یہ ھے کہ آزادی محدودھے یعنی کن افعال کو انجام دینا چاھیے اور کن افعال کو انجام نھیں دینا چاھئے کی معرفت ھے ،نتیجتاً جو قانون آزادی کے محدود ھونے کو ناپسند کرتا ھو وہ قانون تناقض رکھتا ھے، اور قانون یعنی وہ چیز جو آزادی کو محدود کردے تو اس بنا پر قانون سے اوپر کوئی آزادی نھیں ھے مگر کچھ مقامات پر کچھ خاص آزادیاں ھیں اور ھم یہ کھتے ھیں کہ ان آزادیوں کی رعایت ھونا چاھیے، تو یہ بھی کچھ دوسرے قوانین کے اوپر ایک قانون ھو جائیگا۔ لیکن اگر کوئی قانون آزادی کیلئے کسی طرح کی محدودیت کا قائل نہ ھو تو وہ بھی لغو اور تناقض کا متضمن ھوگا۔
اور کوئی بھی عاقل اس طرح کی باتیں نھیں کر سکتا ، اس لئے کہ اصل میں قانون کی شان ھی آزادی کو محدود کرنا ھے لیکن اگر اس شعار سے کہ قانون کو آزادی کے محدود کرنے کا کوئی حق نھیں ھے بلکہ مطلق آزادی ھونا چاھیے یہ مراد ھو تو یہ تناقض ھے اور اگر ان کی مراد شرعی آزادیاں ھیں تو ھم ان سے یہ عرض کرتے ھیں کہ شرعی آزادی کونسی ھے؟ اور کون شخص یہ معین کرے گا کہ مشروع آزادیاں کونسی ھیں اور نامشروع آزادیاں کونسی ھیں؟

7۔مشروع آزادی کا نسبی ھونا

ھر نظام اپنی خاص ثقافت کی بنیاد پر کچھ امور کو جائز اور معقول سمجھتا ھے اگرچہ دوسرے افراد ان کو کتنے ھی نامشروع کیوں نہ سمجھتے ھوں، تو پھرمطلق آزادی کا کیا مطلب؟ یعنی کوئی بھی قانون مطلق آزادی کی ضمانت نھیں لے سکتا، جب کسی قانون میں یہ لکھا جائے کہ قانون کو مشروع آزادیوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ھے، تو ایک ایسی میزان ھو جویہ بتائے کہ مشروع آزادیاں کونسی ھیں؟ یعنی مشروع، معقول اور مفید آزادیوں کوکس معیار کے ذریعہ معین کیا جائے؟ اس مقام پر یہ کھا جاتا ھے کہ مشروع آزادیوں کومعین کرنے کا ذمہ دار قانون ھوتا ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بھرحال ھم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف پلٹتے ھیں کہ اگر کوئی شخص یہ کھے کہ معاشرہ میں ھر طرح کی آزادی جائز ھے تو اس کا مطلب تو یہ ھوا کہ معاشرہ کیلئے کسی قانون کا ھونا لازمی نھیں ھے،!! لیکن کوئی عاقل انسان اس طرح کی باتیں نھیں کرتا مگر وہ انسان جو اپنی باتوں کی طرف متوجہ ھی نہ ھو اور پس جو شخص بھی آزادی کا دم بھرتا ھے یقینا اس کی مراد محدود آزادی ھے، اب یھاں پر یہ سوال ذھن میں آتا ھے کہ آزادی کی حدود کو کون شخص اور کس معیار سے معین کرے گا؟ اگر افراد اپنی دلخواہ مرضی کے مطابق آزادی کی حدوں کو معین کریں گے تو بھی ھرج ومرج لازم آتا ھے، اس لئے کہ اس صورت میں ھر انسان اپنے منافع کو پورا کرنے کی کوشش کریگا۔
لھٰذا آزادی کی حدوں کو معین کرنے والا کوئی شخص ھونا چاھئے، اب قانون کو کس قانونگذار کے ذریعہ مشخص ومعین ھونا چاھیے، بدیھی ھے اگر قانون گذار کا ارادہ لوگوں کی خواھشات کے مطابق ھو اور قانون کا معیار و ملاک لوگوں کی خواھشات ھوں تو عملی طور پر ھوسباز افراد غالب ھوں گے یعنی وھی چیز جو اومانیرم اور لیبرالیزم نظریہ کا بنیادی پھلو ھے، اس نظریہ میں قانون کا کردار عسر وحرج کو روکنا ھے اور لوگوں کی مرضی کے مطابق ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا ھے، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے یہ موضوع قابل قبول نھیں ھے ، کیونکہ بنیادی اشکال رکھتا ھے۔

8۔اسلام کا لیبرالیزم سے ٹکراؤ
یہ طے ھے کہ ھم اسلام کو تسلیم کر لینے کے بعد لیبرالیزم کو قبول نھیں کر سکتے ھیں اگر ھم یہ تسلیم کر لینکہ قانون یعنی جو انسانوں کے مصالح کو پورا کرے تو پھر ھم یہ نھیں کھہ سکتے کہ ھر انسان جو اس کا دل چاھے وہ فعل انجام دے چونکہ یہ دونوں آپس میں سازگار نھیں ھیں، یا محور خدا ھو یا انسان، دوسرے لفظوں میں! یا ھم اللہ کو مانیں یا اومانیزم کو مانیں، اب یہ نھیں ھو سکتا کہ انسان کو بھی ملاک قرار دیں اور خدا کو بھی ، اس طرح کی دو اصل کو قبول کرنا تعارض اور تضا د کے ساتھ ساتھ ایک قسم کا شرک بھی ھے، اور اگر خدا کو نہ مانے تو یہ کفر و الحاد ھے، اس لئے کہ اسلام اور کفر و الحاد آپس میں ایک دوسرے کے متناقض ھیں، اور یہ آپس میں ایک بنیادی جنگ رکھتے ھیں اور اسی دلیل کی وجہ سے امریکا کے بڑے بڑے سیاست دانوں کا یہ عقیدہ ھے کہ جب تک ایران میں اسلامی نظام حاکم رھےگا، ھم ایران سے سازش نھیں کرسکتے چونکہ یہ دونوں متناقض نظریے ھیں اور ان کے نظام بھی ایک دوسرے کے سازگار نھیں ھےں۔
اصل مسئلہ یہ ھے کہ مختلف نظریات مینبہتر قانون کی کیا کیاخصوصیتیں ھیں؟کیا قانون کو معاشرہ میں صرف نظم برقرار کرنا چاھیے فردی خواھشات اور آزادیوں کو اگر وہ ایک دوسرے کی مزاحمت نہ کریں تو ان کو پورا کرنا چاھیے،یا قانون کو انسان کے واقعی مصالح کو پورا کرنا چاھیے چاھے اکثر افراد اس کو چاھتے ھوں یا نہ چاھتے ھوں، البتہ اگر لوگوں نے اسکو تسلیم کرلیاتو اسکو عملی جامہ پھنا دیا جائیگا اور اگر تسلیم نہ کیا تو اسی طرح عالم انشأ میں باقی رھیگا۔
پس اصل افراد ھیں لیکن یہ دیکھنا چاھیے کہ مشروعیت قانون کیا ھے؟ کیا مطلوب قانون صرف وہ قانون ھے جو لوگوں کے دل خواہ ھو اور ان کی خواھشوں کو پورا کرتا ھو یا قانون مطلوب وہ قانون ھے جو لوگوں کی مصلحت کو پورا کرتا ھو؟ یہ دونظریے آپس میں ایک دوسرے سے صلح نھیں کر سکتے ھیں اور ان کو ایک دوسرے سے ملادینا ایک تاریک فضا کو ایجاد کرنا ھے تاکہ جو افراد غلط طریقہ سے استفادہ کرنے کے چکر میں ھیں وہ گندے پانی سے مچھلی کا شکار کرلیں، ھماری ذمہ داری یہ ھے کہ فضا کوصاف و شفاف کریں تاکہ یہ معلوم ھو سکے کہ اسلام کیا ھے اور کفر کیاھے او ر پھر انسان جس کو چاھے انتخاب کرے،جیسا کہ ارشاد خداوندی ھے :
(فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ.) (2)

شاعر کھتا ھے:
متاع کفر و دین بی مشتری نیست
گروھی این گروھی آن پسندند

”دین او رکفر ایسی دو چیزیں ھیں کہ جس خریدار بھت ھیں ، کچھ لوگ اسلام کے اور کچھ لوگ کفر کے خریدار بن گئے“
ھر حال میں لوگوں کو یہ جاننا چاھیے کہ کونسا متاع (مال) متاع دین ھے اور کونسا متاع متاعِ کفر ھے، تاکہ دونوں میں سے ایک کو منتخب کرلے، ھمار وظیفہ دینی مفاھیم کو صاف وشفاف کرنا ھے اور اس سے ھر طرح کے غبار کو دور کرنا ھے تاکہ لوگ آگاہ طور پر انتخاب کریں، اور کچھ لوگوں نے ایسی فضا بنائی ھے اور چاھتے ھیں کہ دین کی جگہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ڈیموکریسی اور آزادی کو حاکم کردیں،، لیکن ھمیں ھر حال میں ان لوگوں سے ھوشیار ھونا چاھئے اور توجہ رکھنا چاھئے کہ کیا کھیں او رکیا کریں۔

9۔اسلام اور ڈیموکراسی میں قانون گذاری

ھم اس سے پھلے اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ھیں کہ اسلام اور ڈیموکراسی کے درمیان کبھی صلح نھیں ھوسکتی ھے، ڈیموکراسی یعنی مردم سالاری یا لوگوں کی حکومت، دوسرے الفاظ میں لوگوں کی رائے اور نظریہ کو معتبر سمجھنا، اب اس اعتبار کو محدود ھونا چاھیے یا لا محدود؟ کیا جب ھم یہ کھتے ھیں کہ اصالت و میزان لوگوں کی رائے کے ساتھ ھے یعنی چاھے وہ کتنا ھی خدا کی مرضی کے خلاف کیوں نہ ھو یا لوگوں کی رائے اس حد تک معتبر ھے کہ حکم خدا اور ارادۂ خدا کے متضاد نہ ھو؟ یورپ میں اس چیز کا یہ مطلب لیا جاتا ھے کہ اصلی ملاک لوگوں کا نظریہ ھے اور آسمان و زمین میں کسی دوسری طاقت کو لوگوں کی سرنوشت اور قانون گذاری میں لوگوں کے مابین دخالت کرنے کا کوئی حق نھیں قانون وھی ھے جسکو لوگ چاھتے ھیں۔

یھاں پر ایک یہ سوال پیش آتا ھے کہ قانون کے معتبر ھونے کا ملاک و معیار تمام افراد کا ایک نظریہ پر متفق ھونا ھے یا اکثر افراد کا متفق ھوجانا ھی کافی ھے؟ عملی میدان میں تو تمام افراد متفق نھیں ھو سکتے ھیں، اور اگر اکثر افراد کا متفق ھونا کافی ھے تو تمام افراد کا وظیفہ کیا ھوگا اور اکثر افراد کی رائے ان کیلئے کتنی معتبر ھوگی؟ درحقیقت آجکل کی ڈیموکراسی، ڈیموکراسی اور نخبہ گرائی (منتخب کی ھوئی چیز ) سے بنتی ھے۔

یعنی لوگ قانون بنانے کے لئے نمائندوں کو انتخاب کرتے ھیں، اب اگر اکثر افراد کی نظر چنیدہ افراد کے نظریہ سے مختلف ھو، تو دونوں میں سے کس کا نظریہ معتبر ھوگا؟ البتہ عام طور سے چنیدہ افراد لوگوں کی خواھش کے مطابق قانون بناتے ھیں اس لئے اگر وہ ایسا نہ کریں تو اگلے الیکشن میں کوئی ان کو ووٹ نھیں دے گا اور وہ منتخب نھیں ھو سکیں گے۔ اس لئے لوگوں کی خواھش کو پورا کرتے ھیں اور انھیں کی مرضی کے مطابق قانون بناتے ھیں، لیکن بعض موقعوں پر لوگوں کے نظریہ اور اکثر چنیدہ افراد کے نظریہ میں اختلاف پایا جاتا ھے۔

کچھ لوگوں کا ھدف یہ ھے کہ ایران میں حکومت علماء، ولایت فقیہ اور حکومت اسلامی کے مقام پر ڈیموکریٹک حکومت قائم ھونی چاھیے، ڈیموکریٹک کا مطلب یہ ھے کہ لوگوں کی خواھش کے علاوہ کوئی دوسری چیز قانون کو معین کرنے میں دخالت نھیں رکھتی ھے کیا مسلمان اس کو تسلیم کر سکتے ھیں یا نھیں؟

اسلام ڈیموکراسی کے ساتھ سازگار ھونے کا دعوی کرنے والے افرادکے بارے میں یہ سوال پیش آتا ھے کہ لوگوں کی رائے اگر وہ خدا کے قطعی حکم کے بر خلاف ھو تو کیا وہ پھر بھی معتبر ھے یا نھیں؟ اگر معتبر نہ ھو تو ڈیموکراسی ایجاد نھیں ھوئی ھے اور اگر ملاک اعتبار لوگوں کی رائے ھے اور خدا کے قطعی حکم کے خلاف ھو تو اس صورت میں ڈیموکراسی اسلام کے ساتھ سازگار نہ ھوگی، کیا اسلام خدا ورسول کی اطاعت کے علاوہ کوئی اور چیز ھے؟

کیا اس کے علاوہ بھی کوئی دوسرا اسلام ھے؟ آجکل یہ کھا جاتا ھے کہ اسلام میں متعدد قرائت ھیں لیکن جس قرائت کی بناپر انقلاب برپا ھوا وہ یہ ھے کہ احکام خدا اور الٰھی اقدار کو معاشرہ میں حاکم ھونا چاھئے، اورجن افراد نے اس انقلاب کو برپا کیا اور اپنے خون کے آخری قطرہ تک اس کی حمایت کی اور آیندہ بھی حمایت کرتے رھیں گے ان کا ھدف اسکے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

اب اگر قانون گذاری کے مسئلہ میں ڈیموکریٹک کا مطلب انسانوں کی رائے کو اصل قرار دینا ھے یھاں تک کہ اگرچہ ان کی رائے حکم خداوندی کے خلاف ھی کیوں نہ ھو تو اسلام کے نقطہ نظر سے ایسی ڈیموکریٹک مردود ھے، لیکن اگر ڈیموکریٹک کا مطلب دوسرا ھو اور لوگ مبانی اور اصول اور اسلامی اقدار کی محافظت کرتے ھوئے اپنے اجتماعی معاشرہ اور قانونی مسائل میں اپنے چنے ھوئے افراد کے ساتھ حق دخالت رکھتے ھوں اور اپنے منتخب کئے ھوئے افراد کے ساتھ زمان و مکان کی خاص شرطوں کا خیال رکھتے ھوئے قوانین بنائیں تو یھی چیز ھمارے اسلامی ملک ایران میں پائی جاتی ھے، اور پارلیمنٹ کے ممبران بھی اس لائحہ کے بارے میں بحث اور مشورہ کر کے اسکو تصویب کر سکتے ھیں، لیکن پارلیمنٹ کے تصویب کئے ھوئے قوانین اس وقت معتبر ھوں گے جب وہ اسلامی احکام کے مخالف نہ ھوں۔

بھرحال یہ جو لوگوں کو زمان و مکان کی خاص شرائط کے ساتھ متغیر مقررات (قوانین) کو معین کرنے کی خاطر افراد کو منتخب کرنا پڑتا ھے، یھی چیز ھمارے ملک میں رائج ھے اور امام خمینی(رہ) نے بھی اسی روش کی تائید فرمائی ھے، اور ھمارے اساسی (بنیادی) قوانین نے بھی اس کی تائید کی ھے اگر قانون گذاری میں ڈیموکریٹک کایھی مطلب ھے تو ایسی ڈیموکریٹک کاکوئی مخالف نھیں ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

10۔اسلامی حکومت میں معتبر قانون

جامع مسئلہ کی یہ اھمیت ھوتی ھے کہ جب لوگوں کے نمائندے اسلامی پارلیمنٹ میں کسی قانون کو تصویب کرتے ھیں تو کیا یہ قانون اس لئے معتبر ھے کہ لوگوں کے نمائندوں نے اس کو ووٹ دے کر منتخب کیاھے اور اصل میں لوگوں کے نمائندوں کو اسی کام کیلئے منتخب کیا ھے یا اس لئے معتبر ھے کہ ولی فقیہ نے اسکی تائید فرمائی ھے؟ ھمارے نقطہ نظر سے انسان کو اپنی زندگی میں سب سے پہلے جس حق کی رعایت کرنا چاھیے وہ حق خدا ھے، اور اگر یہ بنا ھے کہ ھم حقوق کی رعایت کریں تو خداوندعالم کا حق سب سے پہلے مقدم ھے اور انسانوں پر خداوندعالم کا سب سے بلند وبالا حق، حق ربوبیت ھے اور یہ ربوبیت دوشعبہ رکھتی ھے:

1۔ ربوبیت تکوینی ۔

2۔ربوبیت تشریعی

ربوبیت تشریعی کا مطلب یہ ھے کہ خداوندعالم جو دستور دے وہ انسانوں کیلئے واجب الاجرا ھے، اب اگر خداوندعالم کسی چیز کی نھی فرمائے تو اس کو انجام نھیں دینا چاھیے اور خداوندعالم کے قوانین واحکام سے سرپیچی کرنا ربوبیت الٰھی کے حق کو ضائع کرنا ھے اور اس قانون کا انکار کرنا اور اسکو معتبر نہ جاننا ایک قسم کا شرک ھے، اس بنیاد پر اسلامی معاشرہ میں وہ قانون معتبر ھوگا جو خداوندعالم کی رضا کے مطابق ھوگا اگر خدا کسی قانون کی نھی فرمائے تو وہ قانون معتبر نھیں ھوگا، چونکہ حق خدا ضائع ھوا ھے اور جب حق خدا ضائع ھوگیا تو اسی کے زیر اثر انسانوں کا حق بھی ضائع ھو جائے گا، لیکن قانون گذاری کے مسئلہ میں خدا نفع کو اپنے سے مخصوص کرتا ھے؟ مگر خداوندعالم تشریعی احکام اور ھم کو امر و نھی کرنے میں انسان کی مصلحت کے علاوہ اور کیا چاھتا ھے؟ اب اگر کسی مقام پر ھم سے خدا کی مرضی کے خلاف رفتار ھوئی ھے توگویا وہ انسانوں کی مصلحت کے خلاف رفتا ر ھوئی ھے۔

نتیجہ کے طور پر انسانوں کے مصالح کی حفاظت جو قانون کے معتبر ھونے کا اصلی رکن ھے وہ خطرہ میں پڑ جائےگا، تو پھر ایسا قانون معتبر نہ ھوگا، اسی وجہ سے نمائندوں کے ذریعہ کسی قانون کے تصویب ھوجانے کے بعد ایک اور چیز یہ معین کی گئی ھے کہ کچھ قانون اور دین کی معرفت رکھنے والے افراد اس قانون کی شرع سے مطابقت کرتے ھیں اور دیکھتے ھیں کہ یہ قانون خداوندعالم کے حکم کے خلاف ھے یا نھیں؟ اس کو شورائے نگھبان کھا جاتا ھے۔

اگر صرف قانون کے معتبر ھونے میں لوگوں کی رائے کا ھی کافی ھوتی توفقھاء شورائے نگھبان کس لئے؟چنانچہ لوگ اپنے نمائندوں کو رائے (ووٹ) دیتے ھیں اور ان کے نمائندے بھی لوگوں کی درخواست پر ایک قانون تصویب کرکے وضع کردیتے ھیں اور وھی قانون معتبر ھوتا ھے!

لھٰذا جمھوری اسلامی نظام میں شورائے نگھبان کا پھلا اور بالذات مقام یہ ھے کہ پارلیمنٹ کے وضع کئے ھوئے قوانین یعنی جس کو لوگوں نے نمائندوں کے ذریعہ ووٹ دیا ھے اسکی احکام شرع سے مطابقت کریں کہ کھیں وہ قانون حکم خداوندی کے خلاف تو نھیں ھیں؟ یورپی ثقافت سے متاثر افراد اور جو لوگ دشمن کی مدد کرتے ھیں شوارئے نگھبان کو حذف کرنے کا دم بھرتے ھیں اسکی وجہ یھی ھے کہ وہ چاھتے ھیں کہ کوئی ایسا فلٹر نہ ھو جو قوانین اسلام کو غیر اسلامی قوانین سے الگ کرے۔

حقیر صرف آپ حضرات کی اطلاع کے لئے یہ عرض کررھاھے (شاید آپ کو یقین نہ آئے اور انشاء اللہ وہ دن نہ آئے کہ اسکا حقیقی مصداق وجود میں آجائے) کہ یورپی ثقافت اور لیبرال کے سارے افراد اسلام اور ولایت فقیہ کو اساسی قانون سے حذف کرنے کے چکر میں ھیں، خدا دشمنان اسلام اور نظام اسلامی کے دشمنوں کو کبھی ایسا موقع نھیں دے گا۔ انشاء اللہ۔

حوالہ

1۔سورہ بقرہ آیت159

2۔سورہ کھف آیت 29



Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

چودھواں جلسہ

**قانون کے سلسلے میں غرب کی مادی نگاہ**

1.گذشتہ مطالب پر ایک نظر
جیسا کہ ھم نے بیان کیا ھے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے معاشرہ کو قانون کی ضرورت ھوتی ھے وہ بھی ایسا قانون جو انسان کی دنیا و آخرت کی سعادت کا ضامن ھو، اور مجری قانون کو بھی قانون کو اسکے مصادیق پر مطابقت کرنے میں مکمل طور پر آگاہ، دلسوز، متقی، عادل اور طاقت ور ھونا چاھیے ،جیسا کہ مدیریت کا لازمہ بھی یھی ھے۔
حکومت کے سلسلہ میں اسلام کا یہ اصل نظریہ ھے کہ جس کو ھمارا معاشرہ ولایت فقیہ کے نام سے جانتا ھے اس نظریہ کو بیان کرتے وقت ھم نے بیان کیا تھا کہ انسان کا تنھا جنگل یا غار میں زندگی بسر کرنا ممکن ھے، لیکن کبھی کبھی انسان کی مادی او رمعنوی پیشرفت اجتماعی زندگی کے بغیر حاصل نھیں ھوسکتی، تمام علوم، فنون اور ٹیکنولوجی اجتماعی زندگی کا ھی ثمرہ ھے، یھاں تک کہ جو افراد خود سازی اور تھذیب واخلاق اور سیر و سلوک او رعرفان کے راستوں کو طے کئے ھوئے ھیں وہ اجتماعی زندگی کے اثر اور اپنے اخلاق کے اساتذہ اور مربیوں کے ذریعہ اس مقام پر پھونچے ھیں۔
اگر بشر کے مابین یہ ارتباط و رابطہ نہ ھوتا تو وہ کبھی مادی اور معنوی پیشرفت حاصل نھیں کر سکتے تھے، اس بنا پر انسان کیلئے اجتماعی زندگی کی ضرورت پیش آتی ھے اور اس لئے کہ افراد اس نعمت الٰھی سے استفادہ کریں تو اجتماعی زندگی کو گذارنے کے لئے ان سب پر حاکم ھونے والے کچھ قوانین کا ھوناضروری ھے ۔
بدیھی ھے کہ اگر قوانین نہ ھوں تو معاشرہ میں بے نظمی، اختلال اورعسر وحرج لازم آئےگا اور انسانی زندگی حیوانی زندگی میں تبدیل ھوجائےگی، بعض محققین کھتے ھیں کہ انسان ذاتی طور پر ایک دوسرے کیلئے بھیڑیے کی مانند ھیں اور ان کو کسی زبردستی طاقت کے ذریعہ معتدل کرنا چاھیے لیکن اس طرح کا رویہ افراط کرنے والے انسانوں کے ساتھ کیا جاتا ھے، بھر حال انسان کے اندر بھت سے ایسے جاذبات پائے جاتے ھیں کہ اگر ان کو نظم اور قانون کے ذریعہ مھار نہ کیا جائے تو معاشرہ میں فساد پھیل جائےگا۔
اس کے بعد یہ سوال پیش آتا ھے کہ یہ قوانین کس طرح کے قوانین ھونے چاھئیں اور ان میں کیا خصوصیات ھونی چاھئیں تاکہ وہ انسانی معاشرہ کی دنیا اور آخرت کی سعادت کی طرف ھدایت کرسکیں؟ مختصر طور پر یہ بیان کیا جاچکا ھے کہ ایک گروہ کا یہ عقیدہ ھے کہ قانون کو معاشرہ میں صرف نظم اور امنیت برقرار کرنے والا ھونا چاھیے اسکے علاوہ قانون کا اور کوئی فریضہ نھیں ھے، دوسرے گروہ کا عقیدہ ھے کہ قانون کو معاشرہ میں نظم وامنیت کے علاوہ عدالت کو بھی برقرار کرنے والا ھونا چاھیے اس بنا پر قانون کی تعریف کرنے میں مختلف نظریے بیان کئے گئے ھیں جیسا کہ ھم نے مجمل طور پر بیان کیا ھے، اسی بارے میں کچھ افراد کھتے ھیں کہ معاشرہ میںنسانوں کے طبیعی حقوق کے خلاف ھونے والے قوانین کو نافذ نھیں کرنا چاھئے۔
اس مندرجہ بالا نظریہ کی تائید میں اخباروں، رسالوں اور تقریروں میں مختلف طرح کے انگیزہ بیان کئے جاتے ھیں اور کھا جاتا ھے کہ آزادی انسانوں کے طبیعی حقوق کی بیان گر ھے، اور کوئی قانون انسانوں سے اس طبیعی حق کو چھین نھیں سکتا ھے، ھم یہ بیان کر چکے ھیں کہ یہ نظریے مختلف اشخاص کی طرف سے اور مختلف انگیزوں کے ساتھ بیان ھوئے ھیں اور میرا بذات خود ان افراد کے ساتھ کوئی واسطہ بھی نھیں ھے کہ ان مطالب کو بیان کرنے والے کس گروہ سے تعلق رکھتے ھیں اور ان کا کیا انگیزہ ھے اور وہ کیوں ان مطالب کو بیان کرتے ھیں؟ میں صرف اس عنوان سے کہ طالب علم ھوں اور پچاس سال سے میرا علوم دینی سے سروکار ھے میں صرف فلسفۂ حقوق یا فلسفۂ سیاست کے بارہ میں اسلامی نقطہ نظر سے تو بحث کر سکتا ھوں اور اپنا نظریہ پیش کر سکتا ھوں، اور شاید اکثر افراد کو معلوم ھوگا کہ میرا کسی گروہ، کسی حزب، او رکسی تشکیلات سے کوئی رابطہ نھیں ھے، اور حقیرصرف وظیفہ شرعی کے حکم سے مطالب پیش کررھا ھوں۔
اگرکچھ افراد معاشرہ میں فساد برپا کرنا چاھتے ھیں، لوگوں کے سامنے غلط تفسیروں کو پیش کرتے ھیں یا مطالب میں تحریف کیا کرتے ھیں، وہ ان تفسیروں کی ابتدأ یا آخر سے کچھ کلمات کو حذف کر دیتے ھیں اور ایک جملہ ھوتا کسی کا ھے اور اس کو کسی اور سے منسوب کر کے بیان کیا کرتے ھیں اور اس کو ذرہ بین کے سامنے رکھکر اس سے غلط استفادہ کرتے ھیں تو میرا ایسے افراد سے کوئی رابطہ نھیں ھے، معاشرہ میں ایسے افراد ھمیشہ رھے ھیں اور آئندہ بھی ھونگے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اگر آپ کے یاد ہو تو میں نے پہلے بھی مکرر اس مسئلہ کی تاکید کی ہے کہ ہم کبھی کبھی ایسا کلمہ استعمال کرتے ہیں کہ اس کا دقیق اور مشخص و معین مفہوم نہیں ہوتا اور ہر شخص اپنی قوت فہم کے مطابق اس سے مطلب اخذ کرتا ہے اور یہی اشتباہ غلطی کا سبب ہوتا ہے اور اس چیز کا باعث ہوتا ہے کہ سننے والا صحیح طریقہ سے کہنے والے کی بات کو نہیں سمجہ سکا اور بعض موقعوں پر یہ مغالطہ کا سبب ہوتا ہے، کبھی تو اتفاق سے مغالطہ ہوجاتا ہے، اور کبھی کوئی شخص جان بوجہ کر مغالطہ کرتا ہے۔
منجملہ ان کلمات میں سے ایک کلمہ ''حق طبیعی'' ہے جو اس جگہ پر بیان کیا گیا ہے جبکہ اصولی طور پر اس طرح بیان ہونا چاہیے کہ ''حق'' کیا ہے اور اسکے طبیعی ہونے کا کیا مطلب ہے؟

2۔مکتب حقوق طبیعی
جو افراد فلسفہ حقوق سے آشنا ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ فلسفہ حقوق کے مکاتب میں سے ایک ''حقوق طبیعی'' ہے، گذشتہ زمانہ اور جب سے تاریخ فلسفہ مدون ہوئی ہے کچھ لوگوں نے اس موضوع سے متعلق بحث کی ہے۔
یونان کے بعض قدیم فلاسفہ معتقد تھے کہ:انسان حقوق رکھتے ہیں جن کو طبیعت نے ان کو دیئے ہیں انسان کی طبعیت میں حقوق وضع کئے گئے ہیں اور کوئی شخص ان حقوق کو ان سے سلب نہیں کر سکتا، اس لئے کہ انسانی طبیعت نے افراد کیلئے ان حقوق کا ایجاب کرلیا ہے اور اسی بنیاد پر وہ نتیجہ گیری کرتے ہیں اور ظاہراً یہ نتائج ایک دوسرے کے سازگار نہیں ہوتے اور یہیں سے فلسفہ حقوق و اخلاق کے باب میں ایک معروف مغالطہ ایجاد ہوا جسکو ''مغالطہ طبیعت گرایانہ'' کہا جاتا ہے، کیونکہ کچھ افراد کہتے ہیں کہ انسان متعدد طبیعتیں رکھتا ہے مثال کے طور پر سفید گورے انسانوں کی ایک طبیعت ہوتی ہے اور کالے انسانوں کی دوسری طبعیت ہوتی ہے، کالے انسان جسم کے اعتبار سے گورے انسانوں سے زیادہ طاقتور اور فکری اعتبار سے ضعیف (کمزور) ہوتے ہیں، اسی طرح کا نظریہ ارسطو کا بھی نقل ہوا ہے (یہ غلط فہمی نہ ہوجائے کہ حقیر ان نظریات کو تسلیم نہیں کرتا ہوں اور فقط نقل کرتا ہوں) جب کالے انسان بدن کے اعتبار سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں تو ان کو صرف بدنی کام انجام دینا چاہیے؟! اور گورے افراد فکری اعتبار سے زیادہ قوی ہیں تو معاشرہ کے تمام اداری کام ان کے حوالہ کردینے چاہییں، نتیجتاً بعض انسان دوسرے انسانوں کی خدمت کیلئے پیدا ہوئے ہیں اسی وجہ سے غلامی ایک ''طبیعی'' قانون ہے، ہم ابھی اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے کہ کیا کالے انسانوں کی طبیعت اس چیز کا تقاضا کرتی ہے یا نہیں؟ یہ خود ایک مفصل بحث ہے اور اس کے لئے بہت زیادہ وقت درکار ہے۔
بہرحال طول تاریخ میں حقوق طبیعی کے باب میں سب سے زیادہ عاقلانہ، معتدل اور سالم مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز انسانوں کی طبیعت کلی کی مقتضی ہوتی ہے تو وہ متحقق ہوتی، انسان کو اس طرح کی طبیعت کلی کے اقتضاٴ سے محروم نہیں کرنا چاہیے، یہاں تک تو مطلب کچھ قابل تسلیم ہے لیکن اس کے قطعی اثبات کے لئے استدلال کی ضرورت ہے کہ کیوں جو چیز انسان کی طبیعت کے متقاضی ہے اس کو بجالایا جائے اور انسان کو اس سے محروم نہ رکھا جائے؟ یہ بہر حال اس مطلب کے اصل مشترک کے عنوان سے تسلیم کیا گیا ہے۔ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ جو انسان کی طبیعت کی اقتضاٴ کرتی ہے اور طبیعی طور پر وہ تمام انسان تقاضہ کے اعتبار سے مشترک ہےں تو انسان کو اس طرح کی ضروتوں سے محروم نہیں کرنا چاہیے اس مطلب کی تائید میں عقلی استدلال بھی موجود ہیں جن کو ہم فعلی طور پر بیان نہیں کرنا چاہتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان ضروتوں کے مصادیق کیا ہیں؟انسان کی طبیعت کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور تمام انسانوں کو غذا کی ضرورت ہے اس بنا پر کسی انسان کو کھانا کھانے محروم نہیں کرنا چاہیے یعنی نہ اسکی زبان کاٹی جائے یا اسکو کوئی ایسی دوا کھلادی جائے جس کی وجہ سے وہ بات کرنے سے محروم ہو جائے اور یا اسی طرح کے دوسرے امور، لیکن اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ اس طرح کے مطالب بیان کرنے کے خاص اہداف ہوتے ہیں۔

۳۔یورپ میں حقوق بشر کی حدود
آپ حضرات جانتے ہیں کہ اس عصر (دور) کے آخر میں عالمی پیمانہ پر حقوق بشر کے عنوان سے ایک مسئلہ کا اعلان کیا گیا، شروع میں اس اعلان کی چھیالیس ملکوں کے نمائندوں نے تائید کی اس کے بعد آہستہ آہستہ دوسرے ممالک بھی ان سے ملحق ہوگئے اور نتیجتاً وہ اعلان عالمی اعلان کی صورت میں بدل گیا، اس اعلان میں انسانوں کیلئے حقوق بیان کئے گئے، منجملہ یہ حقوق کہ آزادی بیان، مکان منتخب کرنے کی آزادی، شغل اختیار کرنے کی آزادی، مذہب انتخاب کرنے کی آزادی اور ہمسر انتخاب کرنے کی آزادی ہے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

یہ حقوق (جن کیلئے اس اعلان میں استدلال بھی نہیں کی گیا) کہاں سے وجود میں آئے اور کس طرح تمام انسانوں کے حقوق کے عنوان سے بیان کئے گئے اسکا مفصل ایک تاریخچہ ھے، فلسفہ حقوق سے آشنا حقوق دانوں کو (خاص طور سے مسلمان حقوقدان) کی طرف سے اس اعلان میں بہت سی بحثیں بیان کی گئی ھیں، منجملہ یہ بحث کہ !وہ فلسفی مطالب جن کو تم انسانوں کے حقوق کے عنوان سے بیان کرتے ھو اور ان کو مطلق جانتے ھو اور تمھارا یہ عقیدہ ھے کہ ان کو کسی کو محدود کرنے کا حق نہیں وہ کیا ھیں؟ اور ان کیلئے کون سا استدلال پایا جاتا ھے؟
کیا ان کی مشخص و معین کرنے کی کوئی حد ھے یا نہیں؟ اور کیا یہ حقوق مطلق طور پریہ حقوق قانون سے بلند درجہ رکھتے ھیں اور کسی قانون کو ان حقوق کو محدود کرنے کی اجازت نہیں؟ کیا کوئی قانون آزادی بیان کی حدود کو معین کرنے کی اجازت نہیں رکھتا؟ کیا کسی قانون کو انتخاب ھمسر کو محدود کرنے کی اجازت نہیں؟ کیا کوئی قانون ایسا نہیں ھے جو یہ بیان کر سکے کہ تم کو اپنی مملکت کی حدود سے باھر مسکن کو انتخاب کرنے کا حق نہیں ھے؟ کیا کسی قانون کو ان حقوق کی حدود کو مشخص و معین کرنے کی اجازت نہیں ھے؟
جب ھم یہ کہتے ھیں کہ فلاں مطلب طبیعی حق ھے اور انسان کی طبیعت کے متقاضی ھے اور بالفرض اس پر عقلی استدلال بھی موجود ھو تو کیا اس کا مطلب یہ ھے کہ ان حقوق کی کوئی حد نہیں ھے؟اگر حدبندی ھے تو کون اس حدبندی کو کون معین ومشخص کرتا ھے؟ حقیقت یہ ھے کہ خود اعلان کو لکھنے والے اور اکثر اس اعلان کی تفسیر کرنے والے (جہاں تک حقیر کی اطلاع میں ھے) بھی ان سوالوں کا صحیح جواب دینے سے کتراتے نظر آتے ھیں۔
آخر کار یہ کہ آزادی قانون سے بلند و بالا ھے اس سے مراد کیا ھے؟ کیا کچھ ایسی آزادیاں بھی ھیں جن کو محدود کرنے کا کسی قانون کو حق نہیں؟ کیا ھم یہ سوال نہیں کر سکتے کہ ان آزادیوں کی حد کہاں تک ھے؟ کیا آزادی بیان کا یہ مطلب ھے کہ ھر شخص جو کچھ اسکا دل کھے وہ سب کھہ ڈالے؟! ھم تو یہ مشاھدہ کرتے ھیں کہ کوئی ملک ایسی اجازت نہیں دیتا اور آزادی بیان کیلئے حدبندی کا قائل ھوتا ھے، مثال کے طور پر باشخصیت افراد کی توھین کرنا دنیا میں کھیں بھی جائز نہیں ھے۔

۴۔آزادی کی حدبندی میں تعارض کا ظاھر ھونا
اب یہ سوال در پیش ھے کہ آزادیوں کی حدبندی کہاں تک ھے اور کون اس کو معین کرتا ھے؟ اس کا مجمل جواب یہ ھے کہ جب یہ کھا جاتا ھے کہ آزادی قانون سے بلندو بالا ھے اور اس کو محدود نہیں ھونا چاھیے اس سے مراد شرعی آزادیاں ھیں، کچھ افراد کھتے ھیں کہ مشروع اور معقول آزادیاں اور کچھ دوسرے افراد نے دوسری قید کا اضافہ کیا ھے، حقوق بشر کے اعلان میں اس کو ''اخلاقی'' سے تعبیر کیا گیا ھے یعنی اخلاقی موازنہ کے ساتھ حقوق کی رعایت کرنا اور کم وبیش یہ ایک مبھم معنی رکھتاھے اور مشروع قانون سے ان کی مراد یہ نہیں ھے کہ دین اسلام جیسی شریعت نے اس قانون کو جائز قرار دیا ھو، اگرچہ لغت کے اعتبار سے ریشہ مشروع اور شریعت ایک ھے لیکن حقوق و سیاست کے بارے میں مشروع سے مراد وہ قانون ھے جسکو حکومت معتبر جانتی ھو نہ یہ کہ ھر حال میں شریعت نے ھی اس کو اجازت دی ھو، بعض متدین افراد کو یہ مطلب شک و شبہ میں نہ ڈال دے کہ جب ھم یہ کھتے ھیں کہ مشروع حقوق یا مشروع آزادیاں تو ان کو شریعت اسلام نے مشخص و معین کیا ھے، مشروع سے ان کی مراد وہ حقوق ھیں جو معتبر اور قانونی ھیں، اور نامشروع سے مراد دوسروں کے حقوق سے تجاوز کرنا ھے۔
لیکن یہ سوال در پیش ھے کہ کونسے حقوق مشروع اور معقول ھیں اور کونسے نامشروع اور نامعقول ھیں؟ اور کس شخص کو انھیں معین و مشخص کرنا چاھیے؟ ان کے پاس اس جواب کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ھے کہ آزادی سے مربوط جزئیات اور حدود کو قانون معین و مشخص کرتا ھے اور یھیں سے سب سے پھلے تناقض اور تعارض کا آغاز ھوتا ھے کھ: ایک طرف تو وہ یہ کھتے ھیں کہ یہ حقوق اور آزادیاں قانون سے زیادہ اونچا درجہ رکھتی ھےں اور کوئی قانون ان کو محدود نہیں کرسکتا ھے، لیکن جب ھم ان سے کھتے ھیں کہ یہ آزادی مطلق ھے یا محدود؟ تو وہ جواب میں کھتے ھیں کھ: مطلق آزادی نہیں ھے چونکہ وہ صحیح جواب نہیں دے سکتے اس لئے کھتے ھیں کہ ھماری مراد مشروع آزادیاں ھیں۔
جب ھم ان سے کھتے ھیں کہ مشروع سے کیا مراد ھے؟ تو جواب دیتے ھیں کہ جس چیز کو قانون نے تصویب کر دیا ھو، یعنی قانون آزادی کی حدبندی کو مشخص و معین کرتا ھے،اور ابھی تو تم نے تو یہ کھا تھا کہ یہ آزادیاں قانون سے بلند و بالا ھیں۔
ممکن ھے آپ اس کا یہ جواب دیں کہ مشروع اور معقول آزادیوں سے تمام انسان اور عقلائے عالم واقف ھیں، ھم ان سے کھتے ھیں کہ جس مطلب کو تمام انسان اور عقلائے عالم جانتے ھوں تو پھر بحث ھی ختم ھو جاتی ھے، چونکہ ھم اور تمام

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مسلمان انھیں میں شمار کیے جاتے ھیں، اور دنیا میں تقریباً ایک میلیارد اور چند لاکہ مسلمان ھیں اور عقلا ء بھی انھیں میں شامل ھیں، اور سب یہ کہہ سکتے ھیں کہ اسلام میں کس قسم کی آزادیوں کو قبول کیا گیا ھے اور وہ کس قسم کی آزادیوں کو قبول کرتے ھیں اور کس قسم کی آزادیوں کو رد کرتے ھیں، ھماری تمام معلومات اور مطالعات کے مطابق ابھی تک یہ سوال بلا جواب ھے اور فلاسفہ حقوق کے پاس اس کا کوئی قطعی جواب نھیں ھے کہ آزادیوں کو کونسی چیز محدود کرتی ھے؟

5۔حقوق بشر میں آزادی کی اھمیت

حقوق بشر کے اعلان کی شرح کرنیوالوں اور فلاسفہ حقوق نے اپنی فلسفہ کی کتابوں میں آزادی کی حدبندی کے بارے میں مندرجہ ذیل چیزیں لکھی ھیں:

1۔جس چیز کو فردی آزادیوں کو محدود کرنے کے عنوان سے بیان کیا گیا ھے وہ دوسروں کی آزادی ھے، یعنی ھر فرد وھاں تک آزاد ھے جھاں تک وہ دوسروں کا مزاحم نہ ھو اور دوسروں کے حقوق سے تجاوز نہ کرے، فلاسفہ حقوق نے اس موضوع کو بھت زیادہ اھمیت دی ھے اور اس کے بارے میں بھت زیادہ پافشاری کی ھے اور حقیقت میں حقوق بشر کے اعلان میں جو یورپ کے فلاسفہ حقوق کی انجیل کے مانند ھے اس چیز پر بھت زیادہ تاکید کی ھے کہ ھر انسان وھاں تک آزاد ھے جھاں تک وہ دوسروں کا مزاحم نہ ھوتا ھو، لیکن اگر فردی آزادی سے دوسروں کو زحمت ھوتی ھو وہ اس طرح کی آزادی سے محروم ھوگا اور یھیں پر آزادی محدود ھوجاتی ھے۔

یھاں پر بھت سے سوال پیش آتے ھیں: پھلاسوال: تم دوسروں کی مزاحمت کرنے کو کن مقولوں سے تعبیر کرتے ھو؟ کیا یہ مزاحمت صرف امور مادی میں ھے یا امور معنوی کو بھی شامل ھوتی ھے؟ کیا لوگوں کے دینی مقدسات کی مخالفت کرنا ان کی آزادی کی مخالفت کرنا ھے یا نھیں؟ یورپی لیبرال کا نظریہ کھتا ھے کہ آزادیوں کی حدبندی معنوی ادوار کو شامل نھیں ھوتی اور امور معنوی کی مخالفت آزادی کو محدود نھیں کرتی۔

لھٰذا جب یہ کھا جاتا ھے کہ دین اسلام خدا وپیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقدسات اسلام کی اھانت کرنے والے کو مرتد سمجھتا ھے، مثال کے طور پر اسلام، سلمان رشدی کو مقدسات اسلام کی اھانت کرنے کی وجہ سے واجب القتل سمجھتا ھے تو وہ اس چیز کو تسلیم کرنے کیلئے آمادہ نھیں ھیں اور کھتے ھیں کہ بیان آزاد ھے، وہ محقق ھے جو چاھے لکہ سکتا ھے، تم بھی جو چاھو وہ لکھو! تو ھمارا ان سے یہ سوال ھے کہ اس کتاب کے مطالب سے دوسروں کی مقدسات کی اھانت ھوتی ھے؟ تو حقیقت میں وہ یہ نھیں کھہ سکتے کہ توھین آمیز نھیں ھے۔

کیا آزادی بیان اتنا وسیع ھے کہ ایک شخص دنیا کے اس کونہ سے ایک میلیارد سے زیادہ مسلمانوں کی مقدس شخصیت پیغمبر جنکو مسلمان اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ھیں اور اپنے ھزاروں عزیزوں کو آپ پر فدا کرنے کیلئے تیار ھیں ان کی شان میں گستاخی کرے؟ کیا اس کام کو آزادی بیان کھا جاتا ھے؟ اور یہ وھی مطلب ھے جس کو تمام لوگ درک کرتے ھیں؟ کونسی عقل، منطق استدلال اور شریعت اجازت دیتی ھے کہ ایک انسان دوسرے ایک میلیارد مسلمانوں کی مقدس شخصیت کی شان میں گستاخی کرے؟ اگر حقوق بشر کے اعلان میں آزادی بشر سے یھی چیز مراد ھے تو ھم بغیر کسی چون و چرا کے آرام کے ساتھ ایسے اعلان کو تسلیم نھیں کرتے۔

6۔یورپ میں آزادی کی حدبندی پر اعتراضات

جو افراد اس اعلان کو معتبر سمجھتے ھیں اور اس کا انجیل کی حد تک احترام کرتے ھیں ان سے ھمارا بنیادی سوال یہ ھے کہ اعلان کیسے معتبر ھوتا ھے؟ کیا تمھارے پاس کوئی عقلی دلیل ھے؟ اس صورت میں تم کو اس پر عقل سے بھی استدلال کرنا چاھیے، بڑے آرام سے یہ نھیں کھا جاسکتا کہ ”آزادی قانون سے بلند درجہ رکھتی ھے اور اس کو محدود نھیں کیا جا سکتا ھے“ اگر تم یہ کھتے ھو کہ اس کا اعتبار اس وجہ سے ھے کہ ممالک کے نمائندوں نے اس اعلان پر دستخط کر دئیے ھیں تو معلوم ھوتا ھے کہ اس کا اعتبار دستخط کا تابع ھے، اب جن ممالک نے اس اعلان پر دستخط نھیں کئے ھیں یا کسی شرط کے ماتحت دستخط کئے ھیں ان کے بارے میں کیا خیال ھے؟ کیا وہ بھی بغیر کسی چون وچرا کے اس کی اتباع کر سکتے ھیں؟

ھر معاشرہ ثقافت، مقدس چیزیں اور خاص احکام رکھتا ھے اور اسی حقوق بشر کے اعلان کے ایک حصہ میں آیا ھے کہ ھر شخص اپنا مذھب منتخب کرنے میں آزاد ھے اور جب انسان کسی مذھب کا انتخاب کرلیتا ھے تو اس کو اسکے احکام پر عمل کرنا چاھیے کسی مذھب کے منتخب کرنے کا مقصد یہ نھیں ھے کہ صرف زبان پر جاری کر لیا جائے بلکہ انسان کو عمل کرنے میں بھی آزادانہ طور پر اپنے مذھب پر عمل کرناچاھئے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اب ھم نے بھی اسلام کو آزادانہ طور پر منتخب کیا ھے، اسلام کا بھی فرمان ھے کہ جو شخص بھی اولیاً اسلام کی اھانت کرے گا اسکی سزا موت ھے، یورپی ثقافت کھتی ھے کہ اسلام کا یہ حکم حقوق بشر کے خلاف ھے انسانوں کے طبیعی حقوق کے بر خلاف ھے، اس لئے ھر انسان اپنی طبیعت کے اقتضاً کے مطابق جو کچھ چاھے کھنے کا حق رکھتا ھے!
نتیجہ کے طور پر حقوق بشر کے اعلان میں جو یہ دو مطلب آئے ھیں یہ ایک دوسرے کے معارض ھیں۔
ھم اپنی پھلی بحث کی طرف پلٹتے ھیں کہ ھر شخص جو چاھے وہ کھنے کا حق رکھتا ھے اس مطلب پر کونسی دلیل ھے؟ تو تم اپنے ملک میں ھر شخص کو جو کچھ وہ کھنا چاھے اسکی اجازت کیوں نھیں دیتے ھو؟ اگر کوئی شخص تھمت لگاتا ھے تو عدالت میں اسکی کیوں شکایت کرتے ھو، اور جب وہ یہ کھتا ھے کہ ''آزادی بیان'' ھے اور جو میں نے چاھا وہ کھا ھے تو کس دلیل کی بنا پر اس سے یہ کھتے ھو کہ اس طرح کی باتیں مت کرو؟ معلوم ھوتا ھے کہ مطلق آزادی بیان نھیں ھے اور بعض مطالب کو بیان نھیں کرنا چاھیے، اس مطلب کو دنیا کے تمام انسان تسلیم کرتے ھیں کہ مطلق آزادی نھیں ھے ورنہ انسانیت اور معاشرہ باقی نہ رھتا جس میں کوئی قانون حاکم اور حقوق کی رعایت ھوتی۔
نتیجہ کے طور پر کوئی شخص مطلق آزادی کو تسلیم نھیں کرتا، لیکن سوال یہ ھے کہ اسکی حد کھاں تک ھے؟ آزادی بیان کو نمونہ کے طور پر بیان کیا گیا اور ھم نے عرض کیا کہ آزادی کو لامحدود نھیں کھہ سکتے اور ایسا کسی شخص نے بھی نھیں کھا ھے اور عملی طور پر کوئی مملکت اس بات کو تسلیم نھیں کرسکتی کہ ھر انسان کا جو دل چاھے وہ بیان کرے اور لکھے اگرچہ وہ تھمت و افترأ ھی کیوں نہ ھو اور دوسرے لوگوں کی گمراھی کا سبب ھو، قومی امنیت کے برخلاف ھو۔
اگر گفتگو کرنا آزاد ھے تو ھم بھی گفتگو کرتے ھیں، اگر وہ ھم کو اجازت دیں تو ھم بھی ان سے ایک سوال کرتے ھیں، اور حقوق بشر کا اعلان لکھنے والوں کی خدمت میں مودبانہ زانوئے ادب تھہ کریں اور ان کے سامنے اپنا سوال بیان کریں، ھمارا ان سے سوال یہ ھے کہ کس دلیل کی بنیاد پر انسان آزاد ھے کہ وہ جو چاھے کھے؟ اگر آزادی مطلق ھے تو تم خود کیوں تسلیم نھیں کرتے ھو؟ تھمت لگانے اور افترأ باندھنے اور اھانت کرنے کو کیا تم خود بھی تسلیم کرتے ھو کہ آزادی مطلق ھے؟
نتیجتاً تم نے یہ تسلیم کرلیا کہ آزادی محدود ھے، لیکن وہ کھاں تک محدود ھے؟ جھاں تک تمھارا دل چاھے وھاں تک محدود ھے؟جب تم یہ کھتے ھو کہ دوسروں کی آزادی کا مزاحم نھیں ھونا چاھیے تو ھمارا تم سے سوال یہ ھے کہ تم دوسروں کی آزادی کو کس حد تک معتبر سمجھتے ھو؟ کیا آزادی کی حد بندی یہ ھے کہ جھاں تک دوسروں کا جانی مالی اور ان کی حیثیت کا نقصان نہ ھوتا ھو؟ کیاو روح، حیات معنوی، افکار اور ان کی مقدس آرزوں پر صدمات وارد ھوتے ھیں وہ ممنوع ھیں یا نھیں؟ اگر ممنوع ھیں تو ھمارا بھی یھی نظریہ ھے، ھم بھی یھی کھتے ھیں کہ آزادی بیان حدبندی رکھتی ھے، مقدس چیزوں کی اھانت نھیں کرنا چاھیے چوں کہ یہ دوسروں کے حق سے تجاوز کرنا ھے۔

7۔مادی اور معنوی مصالح پر قانون اسلام کی توجہ
اب اس بحث کو برقرار رکھنے میں یہ سوال پیش آتا ھے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے آزادی کی اساس و بنیاد کیا ھے اور اس کی حد بندی کیا ھے؟ قانون کیلئے پھلے بیان کی گئی خصوصیات سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ انسانوں کے معاشرہ میں اجتماعی زندگی کے اھداف و مقاصد اور مادی و معنوی مصالح کی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر قانون کا موجود ھونا ضروری ھے، اگر اجتماعی زندگی نہ ھو تو افراد کے مادی اور معنوی مصالح پورے نھیں ھوسکینگے، اجتماعی زندگی کے ماتحت انسان اس چیز کا منتظر رھتا ھے کہ وہ خدا دادی نعمتیں جیسے علوم، ٹیکنالوجی اور صنعتوں سے بھی اور معارف و کمالات روحی کے بلند پایہ کے استادوں سے بھی کما حقہ استفادہ کرےگا، ان معارف و علوم کا صرف اجتماعی زندگی میں ھی حاصل کرنا میسر ھے۔
نتیجتاً قانون ایسا ھونا چاھیے جو انسانی رشد کی مادی اور معنوی جھتوں میں ضمانت لے قانون کا صرف معاشرہ میں نظم برقرار کرنا ھی کافی نھیں ھے، مثال کے طور پر اگر دو افراد یہ طے کریں کہ وہ دوسروں کو کوئی نقصان پھونچانے اور معاشرہ کے نظم میں خلل ڈالے بغیر ایک دوسرے کو قتل کر ڈالیں گے تو کیا وہ یہ صحیح کام انجام دینگے؟
اگر آپ حضرات کو یاد ھو تو کچھ دن پھلے امریکہ کے ایک شھر میں انسانوں کے ایک گروہ کو جلا دیا گیااور یہ اعلان کردیا گیا کہ یہ وہ افراد تھے جو اپنے رسم و رواج میں خودکشی کو کمال سمجھتے تھے! البتہ ذھن میں یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ ممکن ھے خود امریکا کی حکومت کے ممبران نے جب ان افراد کو اپنے نظام کے مخالف دیکھاھو، تو سب کو نیست و نابود کردیا ھو، فرض کر لیجئے کہ اس گروہ نے اپنے مذھبی عقیدہ کے مطابق اس فعل کو انجام دیا تو کیا ان کا ایسا کرنا صحیح ھے؟ کیا یہ کھا جا سکتا ھے کہ انھوں نے کسی کو کوئی اذیت نھیں دی اور خود ایک دوسرے سے موافقت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کر کے ایک دوسرے کو قتل کردیا تو انھوں نے یہ صحیح کام انجام دیا ھے؟ کیا حکومت کو ایسے قانون کی اجازت دیدینی چاھیے؟ کیا قانون کو ایسی اجازت دیدینی چاھیے یا نھیں؟ اگر نظم اور امنیت کی رعایت کرنا ھی صرف ملاک ھے تو یہ نظم و امنیت تو کچھ افراد کے ایک ساتھ قتل کردینے سے بھی باقی رھتی ھے! اور قانون دوسرا کوئی اور وظیفہ نھیں رکھتا۔

لیبرل نظریہ میں حکومت کا وظیفہ صرف نظم وامن برقرار کرنا ھے اور قانون کا کام ھرج و مرج کو روکنے کے علاوہ اور کچھ نھیں ھے، اس طرز تفکر کا نتیجہ وھی چیز ھے جسکا یورپی ممالک میں مشاھد کیا جاتا ھے جیسے اخلاقی، جنسی، اور اجتماعی فساد وغیرہ یہ تمام مسائل ان کے اس قول کا نتیجہ نھیں کھ: حکومت کو افراد کے حقوق اور ان کی زندگی میں دخالت کرنے کا کوئی حق نھیں ھے اور حکومت کو تو صرف نظم برقرار رکھنا چاھیے، حکومت کو تو صرف مسلح پولیس کی طرح اسکولوں میں رھنا چاھیے تاکہ بچے ایک دوسرے کو یا اپنے استادوں کو قتل نہ کردیں، وھاں پر برقراری ٔ نظم و امنیت اسی حد تک ھے کیا قانون کا وظیفہ صرف یھی ھے؟ یا دوسرے وظایف جیسے انسانوں کے اندر رشدونموکرنابھی قانون کی ذمہ داری ھے؟ اور کیا قانون کو اخلاقی برائیوں سے بھی روکنا چاھیے؟

جو کچھ ھم نے بیان کیا اس کا نتیجہ کھ: قانون کو مصالح معنوی کو بھی مد نظر رکھنا چاھیے، اس بنا پر جو کچھ انسانوں کے معنوی مصالح اور ان کی شخصیت، روح الٰھی، مقام خلیفہ الٰھی اور انسانیت کیلئے مزاحمت ایجاد کرتا ھے اور اسی طرح جو مصالح مادی اور انسانوں کی امنیت اور سلامتی کو ضرر پھونچاتا ھے وہ بھی ممنوع ھونا چاھیے، کیا اجتماع اسلئے نھیں ھوتا کہ انسان اپنی انسانیت کی وجہ سے رشد کرے اور صرف اپنے حیوانی مقاصد ھی نھیں بلکہ انسانی مقاصد کو بھی حاصل کرے؟ تو قانون مصالح مادی اور معنوی دونوں کا متکفل ھونا چاھیے، لھٰذا کسی کی حیثیت، کرامت اور لوگوں کی مذھبی مقدس گاھوں سے معارضہ کرنا یہ انسانوں کی روحی اور معنوی رشد ونموکو روکتا ھے یہ بھی ممنوع ھونا چاھیے، جس طرح سے مواد مخدر کا رائج کرنا یا زھریلی دوا کا انجکشن لگانا منع ھے اس لئے کہ وہ انسان کو بیمار کرتا ھے اور ھستی سے ساقط کردیتا ھے، اور اس کے مصالح مادی کو خطرہ میں ڈال دیتا ھے۔

اب اگر کوئی اس زھر کا عادی ھوجائے اور اسکے حیوانی افعال میں کوئی خلل ایجاد نہ ھو اور وہ ظاھراً صحیح و سالم ھو لیکن اس کا فھم و شعور ختم ھوگیا ھو تو کیا یہ اس کیلئے جائز ھو جائےگا؟اور اگر دوسری طرح کی آفتیں اور زھر اپنا کام کر جائے جو اس کی سلامت معنوی اور ایمان کے ختم ھوجانے کا باعث ھوجائے تو کیا ان امور کا انجام دینا ممنوع نھیںھے؟ کیا یہ انسان کی انسانیت کو ضرر پھونچانا نھیں ھے؟ اگر کچھ افراد معاشرہ میں ایسی شرطیں فراھم کریں جو لوگوں کو دینداری سے دور کریں تو ان کو آزاد ھونا چاھیے؟ قرآن کریم ارشاد فرماتا ھے کھ:

(صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہ وَ کُفْرٌ بِہ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ... ) (1.)

”اور (یہ بھی یاد رھے) کہ خداکی راہ سے روکنا اور خدا سے انکار او رمسجد حرام (کعبہ) سے روکنا(اس سے بڑہ کر گناہ ھے)“

جو چیز خداوندعالم کی راہ، ترقی اور انسانوں کے حقائق دین سے آشنا ھونے کے راستہ کو بند کردے اور دین کو جوانوں کے نزدیک مشتبہ جلوہ دینے کا باعث ھوتا ھے وہ منع ھے چونکہ وہ انسان کی انسانیت کو ضرر پھونچاتا ھے، کیسے جو چیز انسان کی حیوانیت کو لطمہ پھونچاتی ھے تو وہ ممنوع ھوتی ھے لیکن جو چیز انسان کی انسانیت کو ضرر پھونچائے وہ آزاد ھوتی ھے؟ دنیا کھتی ھے: ھاں، لیکن دین کھتا ھے کھ: نھیں، ھمار ا یہ عقیدہ ھے کہ معاشرہ میں اس قانون کا اجراً ھونا چاھیے جو انسانوں کی مصالح معنوی کی رعایت کرے اور مصالح معنوی کی رعایت کرنا مصالح مادی سے زیادہ اھم ھے۔(قارئین کرام اس بات کا خیال رکھیں کہ جو کچھ ھم نے بیان کیا اس کا علمی بحث سے تعلق ھے اور ممکن ھے اس کا عینی مصداق نہ مل سکے لھٰذا اس کا مطلب یہ نہ سمجہ لیں کہ ھم نے اقتصاد کو بالائے طاق رکہ دیا ھے۔)

8 ۔مصالح معنوی اور دینی کا مصالح مادی پر مقدم ھونا

اگر کوئی ایسا موقع آجائے کہ ھماری اقتصادی حالت تو اچھی ھوتی ھو لیکن ھمارے دین پر آنچ آتی ھو یا دینی حالت توسدھرتی ھو لیکن اقتصاد ی حالت پر آنچ آتی ھو تو ھم کو دونوں میں سے کونسی چیز انتخاب کرنی چاھیے؟ ھمارا تو یہ اعتقاد ھے کہ اسلام کی پیشرفت اقتصادی پیشرفت کی بھی ضامن ھے، مگر ایک طولانی عرصے کے بعد، لیکن کبھی یہ امکان ھے کہ اقتصادی منافع کچھ تھوڑی مدت تک کیلئے ختم ھوجائیں اور افراد کیلئے کچھ تنگی کا باعث ھوجائے، اب اگر اس طرح کی وضعیت پیش آجائے تو بیان کئے گئے مقدمات اور استدلال کو مدنظر رکھتے ھوئے مصلحت دینی کو مقدم ھونا چاھیے یا دنیوی کو مقدم کرنا چاھیے؟ جیسا کہ نھج البلاغہ میں امام حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ھے کہ:

”فان عرض بلاء فقدم مالک دون نفسک فان تجاوز البلاء فقدم مالک و نفسک دون دینک .“( 2)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

”اگر تمھاری جان خطرہ میں پڑ جائے تو تم اپنے مال کو اپنی جان پر فدا کردو اگر جان ومال کے درمیان خطرہ ھو تو مال کو قربان کردو لیکن اگر جان اور دین کے درمیان خطرہ ھے یعنی زندگی کفر کی حالت میں ھو اور ایمان کی حالت میں شھادت ھو تو پھر اپنی جان ومال کو دین پر قربان کردینا چاھئے، اس موقع پر اگر انسان قتل ھوجائے تو اس کا کوئی نقصان نھیں ھوگا“

کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:

(قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا إلاَّ إحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ.)(3)

”(اے رسول) تم منافقوں سے کھہ دو کہ تم تو ھمارے لئے (فتح یاشھادت)دو بھلائیوں میں سے ایک کے (خواہ مخواہ) منتظر ھی ھو“

جو شخص دین اسلام کی راہ میں قتل ھوجائے اس کا کیا نقصان ھوتا ھے؟ وہ سیدھا جنت میں جائےگا، لیکن بالفرض اگر کوئی شخص بے دین سو سال تک زندہ رھے تو دن بہ دن اسکے عذاب میں زیادتی ھونے کے علاوہ اس کا اور کیا فائدہ ھوگا؟، پس اسلامی نقطۂ نظر سے مصالح دینی اورمعنوی مصالح مادی سے اھم ھیں،اس بنا پر قانون کو مصالح معنوی کی رعایت کے علاوہ مصالح معنوی کو اولویت بھی دینا چاھیے، ھماری بحث استدلالی ھے اور ھم اپنے استدلال کو کسی دوسرے پر نھیں چھوڑدیتے ھیں جو افرادتسلیم نھیں کرنا چاھتے وہ رد کر سکتے ھیں، ان استدلالوں کی بنیاد پر ھم نے کوئی غیر منطقی مطلب بیان نھیں کیا۔

۹۔اسلام اورلیبرالیزم کے مابین آزادی اور قید میں فرق

ساری دنیا کے تمام عقلاٴ کے مانند ھماری نگاہ میں بھی آزادی محدود ھے، لیکن ان کے اور ھمارے مابین یہ فرق ھے کہ ان کے یھاں آزادی کے مقید ھونے کا یہ مطلب دوسروں کی آزادی سے تجاوز کرنا ھے اور ھمارے یھاں آزادی کے محدود ھونے کا مطلب مصالح اجتماعی کی ھر مصلحت سے تجاوز کرنا ھے، انسان اپنی زندگی میں آزاد ھےں وہ بات کریں، کھائیں، کام کریں، تجارت کریں، اقتصادی حالت درست کریں، بحث کریں، سفر کریں، قرارداد پر دستخط کریں، بہ طور خلاصہ انکو ھر کام کرنے کی اجازت ھے لیکن کس حد تک؟ جھاں تک معاشرہ کے مادی اور معنوی مصالح تباہ وبرباد نہ ھوتے ھوں۔

جھاں آزادی مادی لحاظ سے معاشرہ کے مصالح کو نقصان پھونچانا شروع کردے وہ ممنوع ھے، اور اسی طرح جھاں پر آزادیوں سے استفادہ کرنا معاشرہ کی معنوی مصالح سے معارضہ کرجائے تو ایسی آزادیاں ممنوع ھیں مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں آزادی سے استفادہ کرنا منع ھے یہ ھماری دلیل و منطق ھے، اور اگر کسی کے پاس ھم سے بھتر منطق ھے تو ھم اس کو سننے اور اس سے استفادہ کرنے کیلئے تیار ھیں، فلسفۂ حقوق کے استادوں سے میری گذارش ھے کہ وہ زیادہ دقت سے کام لیں۔

جھاں تک ھم کو اطلاع ھے آج تک حقوق اور سیاست کے فلاسفہ نے اس سوال کا کوئی قطعی اور منطقی جواب نھیں دیا کہ آزادی کی حد بندی کیا ھے؟ اگر ھمارے اساسی قانون یا عادی قوانین یا بزرگان عالم کے کلمات میں یھاں تک کہ اگر امام خمینی(رہ) قدس سرہ کے کلمات میناس سے مشابہ کوئی تعبیر موجود ھو تو اسکی تفسیر کی خاطر اسکے اھل سے رجوع کرنا چاھیے، ھم بھی قانون کے جاری ھونے کے طرفدار ھیں اسلامی ملک میں قوانین کی بہ نسبت ھماری ذمہ داری دوسروں سے کھیں زیادہ ھے۔

لیکن ھمارا دوسروں سے یہ فرق ھے کہ ھم قانون کو اس لئے معتبر سمجھتے ھیں کہ ولی فقیہ نے ان پر دستخط کر دئیے ھیں، اور چونکہ امام خمینی(رہ) قدس سرہ نے فرمایا ھے کہ ”اسلامی حکومت کی اطاعت کرنا واجب ھے“ کچھ افراد کھتے ھیں کہ: چونکہ لوگوں نے اپنے ووٹ بھی دیئے ھیں، اب کونسی منطق قوی ھے؟ کسکا اثر زیادہ ھے؟جب کسی شخص سے کھا جائے چونکہ لوگوں نے ووٹ دئے ھیں، اس لئے اس قانون پر عمل کرنا واجب ھے؟ممکن ھے وہ شخص یہ جواب دے کہ میں نے اس نمائندے کو ووٹ ھی نھیندیا ھے، یا میں اس قانون سے راضی ھی نھیں ھوں!

لیکن امام خمینی(رہ) قدس سرہ نے فرمایادیا ھے کہ : اگر اسلامی حکومت کوئی حکم صادر کرے اور مجلس شورائے اسلامی کسی حکم کو تصویب کر دے تو وظیفۂ شرعی کے عنوان سے اس کی اطاعت کرنا چاھیے؟ اس وقت دیکھیں کیا چیز وقوع پذیر ھوتی ھے، اب ھم قانون کے پابند ھیں یا وہ؟ یھاں تک کہ اگر کسی اساسی (بنیادی) قانون میں بھی کوئی ابھام پایا جاتا ھو تو اسکی تفسیر کی خاطر کسی صلاحیت دار مرجع کی طرف رجوع کرنا چاھیے کسی اور کی طرف نھیں۔

پس نتیجہ یہ نکلاکھ: تمام ملتوں اور تمام عقلا ء کے درمیان آزادی محدود ھے، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرہ کی مصالح مادی اور معنوی اسکی حد ھیں، تمام انسان وھاں تک آزادھیں جھاں تک معاشرہ کے مادی اور معنوی مصالح کو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کوئی نقصان نہ پھونچتا ہو۔

حوالہ
.1سورہ بقرہ 217
.2شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج8 ص250
.3سورہ توبہ 52

اسلام اور سیاست جلد(۱)

پندرھواں جلسہ

**اسلامی حکومت اور ثقافتی حربے**

1۔گذشتہ مطالب پر ایک نظر
جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ہماری بحث اسلام کے سیاسی نظریہ کے بارے میں ہے اور گذشتہ جلسوں میں اس سلسلہ میں بہت سی چیزیں بیان ہوئیںکہ جس میں مہم چیز سیاست کا دین سے جدا نہ ہونا تھا،اور ہم نے عرض کیا کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے وہ قانون معاشرے میں معتبر ہے جو یا خدا کی طرف سے براہ راست قرآن کریم میں بیان ہوا ہو، یا پیغمبراکرم اور ائمہ معصومین علیہم السلام یا اس شخص کی طرف سے بیان ہوا ہو جس کو امام معصوم نے اجازت دی ہو بہر حال قوانین خدا کی مرضی کے مطابق اور اسلامی نظریہ کے مطابق ہو،اس سلسلہ میں گفتگو بہت زیادہ ہے، اور ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ بعض لوگ اس کے مخالف ہیں کہ معاشرہ میں احکام دینی کی حکومت ہو، ان مخالف لوگوں کی تین قسمیں ہیں:
1- جو لوگ دین کو بالکل نہیں مانتے، ظاہر ہے کہ یہ لوگ بالکل بھی پسند نہیں کریں گے کہ کسی ملک میں دینی احکام جاری ہوں، لیکن الحمد للہ ایسے افراد ہمارے معاشرے میں بہت کم ہیں۔
2- جو لوگ دین کو قبول کرتے ہیں لیکن مغربی کلچر کے تحت تاثیر واقع ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے کہ دین کا دائرہ سیاست و معاشرے سے جدا ہے اور دین کو فقط انفرادی اور خدا سے رابطہ میں منحصر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اجتماعی زندگی کے مسائل کا دین سے کوئی ربط نہیں ہے اسی نظریہ کو عمومی طورپر سیکولیزم یا دین کا مسائل زندگی سے جدا کرنا کہا جاتا ہے۔
3۔جو حضرات واقعاً معتقد ہیں کہ اسلام میں اجتماعی اور اسلامی مسائل موجود ہیں، لیکن ناخواستہ طور پر مغربی کلچر سے متاثر ہیں اور کبھی کبھی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

2۔علماء اور ان کی خطرناک ذمہ داری
بہر حال ہم خداوند عالم کے معین کردہ وظیفہ اور ذمہ داری کے تحت موظف ہیں کہ حتی المقدور اسلامی عظمت کو بیان کر یں اورفکری دینی انحرافات سے لوگوں کو روکیں، اور اس چیز کی طرف بھی اشارہ کریں کہ بعض احباب اور خیر خواہ حضرات فکر کرتے ہیں کہ اس سیاسی و اجتماعی زمانے میں ان بحثوں کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے! یہاں تک کہ بعض حضرات کا تصور یہ ہے کہ ان باتوں کو چھیڑنا نقصان دہ ہے،کیونکہ ان سے افکار وعقائد متاثر ہوتے ہیں، ان حضرات کا تصور یہ ہے کہ ہم جس قدر سعی و کوشش کرسکتے ہیں کریں کہ فکری و اعتقادی وحدت ایجاد ہوجائے، لہٰذا ان چیزوں سے پرہیز کریں کہ جن کی وجہ سے اختلاف و افتراق ہوتاہے تو یہ معاشرے کیلئے زیادہ سود مند ہے۔
بعض حضرات خیر خواہی کی وجہ سے کہتے ہیں آپ ان بحثوں کو چھوڑ کر دوسری ضروری اور بہتر بحثوں کو معاشرے میں یہاں کریں اور بلند مقامات کو حاصل کریں اور ایسے کام کریں جو آپ کے لئے بھی سودمند ہوں اور معاشرے کیلئے بھی مفید ہوں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ان حضرات (کہ جن میں بعض خیر خواہ بھی ھیں) کی خدمت میں عرض کریں کہ ھم بھی اس راستہ کو اچھا سمجھتے ھیں کہ جس میں عافیت و بھلائی ھو، اور ان لوگونکے مزاج کو بھی اچھی طرح جانتے ھیں کہ جو واہ واہ کرتے ھیں،لیکن ھماری یہ شرعی ذمہ داری ھے کہ جس کو خداوند عالم نے ھم پرواجب کیا ھے البتہ یہ ذمہ داری سب سے پھلے انبیاء اور ائمہ علیھم السلام کی ھے اور اسکے بعد علمائے کرام کی ذمہ داری ھوتی ھے اور واقعاً یہ راستہ بھت مشکل اور خطرناک ھے اور واہ واہ ، سبحان اللہ سبحان اللہ کی جگہ تھمت ، بھتان، بدگوئی اور کبھی کبھی جلاوطنی، زنداں اور قتل وغیرہ کو قبول کرتے ھیں، بھر حال اس راہ میں بھت سی مشکلات ھیں جیساکہ ھمیں تاریخ میں انبیاء ،ائمہ معصومین علیھم السلام نے ان کو برداشت کیا ھے لھٰذا ھم بھی اس راستہ پر قائم ھیں اگرچہ ھمارے دوست و احباً بھی ھم پر ملامت کریں، کیونکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ھے:

(اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالھُدیٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَاہ لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ اُوْلٰئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہ وَیَلْعَنُھُمُ اللَّاعِنُونَ..).(1)

”بے شک جو لوگ (ھماری) ان روشن دلیلوں اور ھدایتوں کو جنھیں ھم نے نازل کیا ھے اس کے بعد چھپاتے ھینجب کہ ھم کتاب (تورات) میں لوگونکے سامنے صاف صاف بیان کرچکے ھیں تو یھی لوگ ھیں جن پر خدا (بھی) لعنت کرتا ھے (اور) لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ھیں“

جو حضرات اپنے حقائق سے آگاہ ھیں لیکن اپنے ذاتی یا کسی خاص گروہ کے نفع کی خاطر ان حقائق کو مخفی رکھتے ھیں ان پر خدا، ملائکہ اور اولیاً خدا کی لعنت ھوتی ھے جیسا کہ حدیث شریف میں بیان ھوا ھے:

”اِذَا ظَھَرَتِ البِدَعُ فِی اُمَّتِی فَلْیُظْھِرِ العَالِمُ عِلْمَہ وَاِلَّا فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللہ.“(2)

”جس وقت دین میں بدعت ھونے لگیں تو علماء پر واجب ھے کہ اپنے علم کو بیان کرےں، اور لوگوں کو انحرافات سے روکیں، ورنہ اس پر خدا کی لعنت ھوگی“

لھٰذا ھمارے سامنے دو راستے ھیں یا تو ھم اپنے دوستوں کی ملامت اور دشمنوں کی تھمتوں کو برداشت کریں، اور خدا کی رضایت حاصل کریں، یا لوگوں کی داد و تحسین کو پسند کریں اور خدا کی لعنت کے مستحق ھوں، لھٰذا ھم ترجیح دیتے ھیں کہ لوگوں کی تھمتوں اور بدگوئیوں کو برداشت کریں، لیکن ھم خدا کی لعنت کے مستحق نہ بنےں، لھٰذا ھم پر یہ اھم ذمہ داری ھے اور ھمارے لئے نیز دوسرے علماً کیلئے ان مسائل پر بحث و گفتگو کرنا دوسری چیزوں سے زیادہ واجب ھے۔

ٹھیک ھے آج کل سرحدی علاقوں میں ھمارے لئے بھت سی مشکلات ھیں اور ھو سکتا ھے کہ آئندہ ھمارے لئے فوجی مشکلات کا سامنا ھو، ٹھیک ھے افغانستان میں طالبان کے ذریعہ کہ ھمارے سفارتخانہ کے ذمہ دار افراد اور 35 ڈرائیور گرفتار ھوں کہ جس کی وجہ سے ھماری ملت اور حکومت کو دکہ پھونچا، مظاھرے ھوئے اور بین الاقوامی سطح پر اس مسئلہ کو پیش کیا گیا، لیکن ان 40 یا 50 لوگوں کا دشمن کے ذریعہ گرفتار ھونے کا خطرہ ھماری یونیورسٹیوں میں ھزاروں جوان مسلمانوں کا امریکائی عناصر کے ذریعہ ان کے جال میں پھنسا زیادہ خطرناک نھیں ھے۔

یعنی مغربی ثقافتی عناصر کے ذریعہ گرفتار ھونے کا خطرھ، چند ایرانیوں کا دشمن کے ھاتھوں گرفتار ھونے سے کھیں زیادہ خطرناک ھے، اگرچہ وہ لوگ مشکلات میں ھیں لیکن ان کا اجر خداوند عالم کے نزدیک محفوظ ھے، لیکن اگر ھمارے جوان و نوجوان خصوصاً شھداء واسیروں کے کی اولاد یونیورسٹیوں میں دین سے منحرف ھوجائیں تو پھر کیا کیا جا سکتا ھے؟ کیا فکری گرفتاری مزید خطرناک نھیں ھے؟ کیا اس سلسلے میں کسی کی کوئی ذمہ داری نھیں ھے؟

(ممکن ھے کوئی ھم کو مقصر ٹھھرائے اور کھے کہ آپ غلط سوچتے ھیں اگرانسان آزاد ھے تو پھر اس کو اپنی رائے کا اظھار کرنا چاھیے، تو پھر ھمیں بھی حق ھونا چاھیے کہ ھم بھی اپنی رائے کا اظھار کریں چونکہ ھم بھی تقریباً 50 سال سے دینی علوم کی تعلیم و تعلم میں مشغول ھیں اور ھم بھی اپنی رائے کا اظھار کرسکتے ھیں)

ھماری بحث یہ تھی کہ ھماری اس بات( کہ معاشرے میں اسلامی و الھٰی قوانین کو حاکم ھونا چاھیے) کے مقابلے میں بعض لوگوں شبھات و اعتراض کئے تھے اور ھم بھی اس چیز کی طرف اشارہ کیا تھا، بعض لوگوں کا کھنا تھا کہ معاشرے میں اسلامی احکام کا جاری ھونا انسان کے مسلّم حقوق سے ھم آھنگ نھیں ھے، انسان کے مسلّم حقوق میں سے ایک آزادی ھے تو پھر فکر، دین، سیاست اور بیان میں آزادی ھونا چاھیے، طبیعی طور پر ھر انسان یہ حق رکھتا ھے کہ کسی بھی دین کو منتخب کرے، اور اس کو یہ اختیار ھے کہ اپنے دین کو بدل دے، اور اس کو یہ بھی حق ھے کہ اپنے نظریات و عقائد کی ترویج و تبلیغ کرے، اگر آپ یہ کھیں کہ اس ملک میں اسلامی قوانین کا حاکم ھونا ضروری ھے، تو بعض حضرات ایسے بھی ھیں جوان قوانین کو نھیں چاھتے، کیا ان کو حق ھے کہ اپنی رائے کا اظھار کریں اور کھیں کہ ھم ان قوانین کو نھیں چاھتے، ظاھر ھے کہ جو لوگ دیں کے منکر ھیں ان کی طرف سے اس طرح کے سوالات پر کوئی تعجب نھیں ھے لیکن افسوس تو ان لوگوں پر ھوتا ھے کہ جو دیندار ھونے کا دم بھرتے ھیں اور اس طرح کے سوالات پیش کرتے ھیں یھاں تک

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ اپنے ساتھ اسلامی القاب بھی شامل کرتے ہینیا خود کو امام خمینی کا پیرو کہلاتے ہیں!!

3۔ملکی اخباروں میں مغربی غلط آزادی کی تبلیغ
حد تو یہ ہے کہ بعض اخباروں میں (کبھی مزاحاً اور کبھی حقیقتاً کبھی کسی کے قول کو نقل کرتے ہیں کبھی کسی لڑکے یا لڑکی کی طرف سے)لکھتے ہیں کہ کیوں صرف مرد کیلئے چند بیویوں کا رکھنا جائز ہے لیکن عورتوں کیلئے چند شوہروں کا رکھنا جائز نہیں ہے، یا یہ کہ کبھی کبھی مشورہ، پیش کیا جاتاہے کہ چند مرد مل کر کسی ایک عورت سے شادی کر سکتے ہیں! توجہ رہے کہ یہ باتیں کسی کیمونسٹ ملک کے اخباروں کی نہیں ہے بلکہ جمہوری اسلامی ایران کے اخباروں میں ایسی باتیں لکھی جاتی ہیں! یا کسی ایک اسلامی یونیورسٹی میں اس طرح کی تقریر ہوتی ہے اور خود کو کسی اسلامی ادارہ سے منسلک ہونے کے اعتبار سے تقریر ہوتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ آج کل رہبری (ولی فقیہ) کی مخالفت، پیغمبر کی مخالفت میں کوئی حرج ھی نہیں بلکہ اگر چاہیں خدا کے خلاف بھی مظاہر کریں تو کوئی ایسا قانون نہیں کہ ان کو روک سکے! یہ باتیں اگر کسی غیر اسلامی یا کسی کافر و مشرک سے سنی جائیں تو کوئی جائے تعجب نہیں لیکن اگریہی باتیں جمہوری اسلامی ایران، حاکمیت اسلامی اور حاکمیت ولایت فقیہ میں یونیورسٹیوں کے درمیان کی جائیناور کوئی بھی ان کے مقابلہ کیلئے کھڑا نہ ہو تو واقعاً شرم آور ہے، اور اگر کوئی طالب علم اعتراض کرے تو اس کو اھمیت نہیں دی جاتی۔
اس وجہ سے ہم نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا، اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ واقعاً یہ چیزیں بدعت اور خطرناک ہیں اور اسلام کے مخالف ہیں اور اگر کوئی شخص اپنی تقریروں مینایسی باتیں کرناچاھتا ہے تو کم از کم اسلام کے نام سے ایسی باتیں نہ کرے،تاکہ معلوم ہوجائے کہ اسلام کیا ہے اور کفر کیا ہے اور ہر انسان اپنی مرضی کے مطابق اس کا انتخاب کرے، یہ آزادی دین اور آزادی بیان مغربی ثقافت کا ثمرہ ہے یہ ایسا انپورٹ پھل ہے کہ جو ظاھر میں بہت عمدہ اور میٹھا ہے لیکن اندر سے زھریلا ہے، یہ پھل مغربی ثقافت کے درخت کے مناسب ہے لیکن ہمارے اسلامی ثقافت سے اس صورت اور اس وسعت میں بالکل بے تکا ہے۔
مغربی ماحول اور کلچر کی عکاسی کرنے کے لئے ھمیں مجبوراً کھنا پررھا ہے کہ آج کل مغربی ممالک میں مذہب کو صرف ایک پارٹی کے نظریہ کی طرح دیکھا جاتا ہے مثلاً کسی ملک میں چند پارٹیاں ہوناور وھاں کوئی نئی پارٹی وجود میں آئے، یا کوئی کسی دوسری پارٹی میں چلا جائے تو یہ کام ہمارے لئے باعث تعجب نہیں ہے، مذہب کے سلسلے میں بالکل اسی طرح کا ماحول مغربی ممالک خصوصاً امریکہ میں موجود ہے جھاں ھر روز ایک نیا مذہب اور نیا فرقہ پیدا ہوتا ہے یہ مسئلہ واقعاً ہمارے لئے باعث تعجب ہے، تقریباً سو سال پہلے ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام ''باب'' تھا اس نے دعویٰ کیا کہ ''میں ایک نیا اسلام لے کر آیا ہوں، اور میں شیعوں کا امام زمانہ ہوں جس نے ظہور کر لیا ہے'' اس بات پر سب کو تعجب ہوا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ایک نیا مذہب لے کر آئے (البتہ ایران سے باھر خصوصاً امریکہ میں اس باطل و بے بنیاد مطلب کو جدید اسلام کے نام سے ترویج کیا جاتا ہے، اور وھاں کوئی جائے تعجب نہیں ہے) لیکن امریکہ، کناڈا اور یورپی ممالک میں ھر سال چند جدید مذہب اور فرقے پیدا ہوتے ھیں، مثال کے طور پرعیسائیت کہ اصل مذہب ارنوڈوکس، کاٹولیک اور پروٹسٹان ھیں لیکن صرف پروٹسٹاں کے پانچ سو سے زائد فرقے مغربی مالک میں موجود ھیں۔
جس وقت ہم نے سال گذشتہ امریکہ لاتین کا سفر کیا تو ہم نے دیکھا کہ امریکہ میں کئی نئے مذہب وجود میں آچکے ھیں اور ان کے مبلّغ تبلیغ کرنے میں مشغول ھیں، وھاں اس طرح کے مسائل ہوتے رہتے ھیں جب کسی اخبار میں اعلان ہوتا ہے کہ ایک نیا فرقہ پیدا ہوچکا ہے اور اس جدید فرقہ کا کشنیس ( اس مذہب کا عالم) پیدا ہو چکا ہے اور اس کی کلیسا بن چکی ہے تو وھاں کوئی تعجب نہیں ہوتا، اور لوگ بھی بہت آسانی سے اس فرقہ میں شامل ہو جاتے ھیں، اسی کو ''مذہب کی آزادی''کہا جاتا ہے۔

4۔اسلامی پروٹسٹانیزم، اسلام پر ایک حملہ
بعض لوگوں کی توقع اور امید یہ ہے کہ اسلامی جمہوری ایران میں بھی مذہب جیسی آزادی ہونا چاھیے اس بنا پر بہت سے لوگوں نے مشورہ پیش کیا کہ اسلام میں بھی ایک مذہب پروٹسٹانیزم ہونا چاھیے ھماری اصطلاح کے مطابق اس مشورہ کو سب سے پہلے فتح علی آخوند زادہ (آخوند اف) نے پیش کیا، اس کے بعد دوسرے دانشمند نے بھی اپنی اپنی تقریروں میں اس مسئلہ کو بیان کیا، بعض مورخوں، رائیٹروں نے اپنی کتابوں مینلکھا اور مشورہ پیش کیا کہ اسلام میں بھی ایک پروٹسٹانیزم ہونا چاھیے، اور آج کل امریکہ میں اس طرح کی تبلیغات ہوتی رہتی ھیں کہ ایران میں بھی ایک دوسرا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

''مارٹن لوئر'' پیدا ہو جو ایک نیا پروٹسٹاں اور جدید اسلام کو تشکیل دے ، تاکہ آج کی اس ماڈرن زندگی کے مناسب ہواور یہ 1400 سال پرانا اسلام آج کی زندگی کیلئے مناسب نہیں ہے اگر امریکہ ایسا مشورہ پیش کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

کیونکہ ان کا مقصد اسلام کو ختم کرنا ہے خود ان کے کہنے کے مطابق انھوں نے اس سلسلے میں پروگرام بنا رکھے ہیں اور اس کے لئے مخصوص کوٹہ بھی معین کر رکھا ہے اور بارہا اس چیز کا اقرار بھی کیا ہے کہ اس زمانے میں ان کا اصلی دشمن اسلام ہے لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان کی تبلیغات کا اثر آہستہ آہستہ ہمارے ملک میں بھی ہوتا جارہا ہے، اور بعض لوگ ایسے ملتے ہیں جو اخباروں اور ماہانہ رسالوں میں اسلام کے ضروری مسائل پر اعتراض کر ڈالتے ہیں مثال کے طور پر کیوں ارث میں مرد و عورت کا حصہ برابر نہیں ہے یا یہ کہ عورت چند شوہر کیوں نہیں رکہ سکتی وغیرہ وغیرہ اور کبھی کبھی تو اسلام کے ضروری احکام کا مذاق بناتے ہیں۔

آپ حضرات کو یا د ہوگا کہ انقلاب کے شروع میں جب قصاص کے بارے میں بحث ہوئی تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ قصاص کی بحث انسانیت سے دور ہے ،اس وقت امام خمینی بٹنے فرمایا تھا کہ اگر کوئی جانتے ہوئے ایسی باتیں کرتا ہے تو ان کی مسلمان بیویانان پر حرام ہےں ،اور انکا مال مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا ،لیکن ان کی جان قابل احترام نہیں ہے، البتہ ارتدادکے احکام صرف قصاص کے منکرمیں منحصر نہیں ہیں ،لیکن اگر کوئی اسلام کے کسی بھی ضروری حکم کا انکار کرے تو وہ مرتد ہوجاتاھے،لیکن پھربھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ بغیر کسی شرم وحیاء کے اخباروں ، رسالوں یہاں تک کہ کبھی ان اخباروں کے ذریعہ کہ جو بیت المال سے نکلتے ہیں ،ایسی باتونکو کہتے ہین اور اسلام کے ضرور ی احکام کا انکار کرتے ہیں۔

واقعاً کوئی ہونا چاہیے جو ان لوگوں کو یاددھانی کرے کہ امام خمینی کا نظریہ صرف قصاص کے منکروں سے مخصوص نہیں ہے (بلکہ ہر اس شخص کو شامل ہے جو اسلام کے کسی بھی ضروری احکام کا منکر ہو) اور کبھی کبھی تو یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ مسائل جو شیعہ و سنی دونوں فرقوں میں متفق علیہ ہیں اور سنیوں نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، ان پر بھی اعتراض کرتے ہیں یا ان کا مذاق بناتے ہیں!

کیا باصلاحیت مراجع اس طرح کے مسائل کی تحقیق وبررسی کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں؟ یا کم از کم یہ ضروری نہیں کہ کوئی یاددھانی کرائے کہ ایسا خطرہ آئندہ کی نسل کیلئے موجود ہے؟ جن لوگوں نے امام خمینی کے بیان کو نہیں سنا ہے، اور ان کے درس میں شرکت نہیں کی ہے کیا ان کیلئے خطرہ نہیں ہے کہ وہ جمہوری اسلامی ایران کے اخباروں میں لکھے گئے ان مطالب کے تحت تاثیر قرار پائیں اور سوچیں کہ ان نظریات سے ہماری اسلامی حکومت بھی متفق ہے اور یہ اسلامی نظریات ہیں؟ کم از کم کوئی توہو جو اُن کو بتائے کہ ان نظریات کا اسلام سے کوئی ربط نہیں ہے۔

بھر حال یہ نظریہ واقعاً خطرناک ہے کہ دین ایک طرح کا سلیقہ ہے اور انسان جس دین کو چاہے انتخاب کرے، اور اس کو عوض کرنا چاہے تو عوض کرلے،مغربی ممالک میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک جوان اپنے دوست کے ساتھ کسی ایک کلیسا میں جاتا ہے اور اس کا دوست کہتا ہے کہ میں فلاں کلیسا کو بہت دوست رکھتا ہوں جس کے نتیجہ میں وہ اپنے مذہب کو بدل دیتا ہے اس کا دوست بھی تحت تاثیر قرار پاتا ہے اور اپنے دوست کی پیروی کرتے ہوئے وہ بھی اپنا مذہب بدل لیتا ہے کیا مذہب ایک لباس کی طرح ہے،کہ جب چاہا پھن لیا اور جب چاہا بدل لیا یا اس کا ماڈل عوض کر لیا، اسلام کی بنیاد اس چیز پر نہیں ہے کہ انسان کی سعادت و شقاوت دلخواہ اور مختلف طریقوں سے حاصل ہو سکے، تاکہ یہ نتیجہ نکل سکے کہ دین ایک طرح کا سلیقہ ہے کبھی یہ دین کبھی دوسرا دین، کبھی وہ مذہب جس کو بھی چاھو انتخاب کرلو، اور حکومت بھی لوگوں کو اس طرح کی آزادی دے، اسلام دین کو زندگی کا اھم مسئلہ مانتا ہے اور دنیا و آخرت کی سعادت و شقاوت کو صحیح دین کے انتخاب کرنے میں جانتا ہے۔

لھٰذا اس طرح کی گفتگو کرنے میں یہ خطرہ موجود ہے کہ جس کو احساس کرتے ہیں اور کبھی کبھی اپنی آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں افسوس کہ بعض لوگ غفلت کرتے ہیں یا خود کو غافل بنا لیتے ہیں، اب ان بحثوں کوبیان کرنے کی وجہ ہمارا ان انحرافات سے مقابلہ کرنا اور اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر نا ہے۔

5۔حق مسلّم کا مفہوم حقیقی

یہاں پراس مسئلہ کی وضاحت کرنا بہت ضروری ہے کہ طبیعی اور حق مسلم سے کیا مراد ہے؟ اور آزادی کس معنی میں انسان کا حق مسلم ہے؟ جن ضروریات کا انسان کی طبیعت تقاضا کرتی ہے اس کو حق طبیعی کہا جاتا ہے لھٰذا گفتگو کرنا ،اپنی رائے کا اظہار کرنا یہ انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے اور کسی کو بھی اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔

ہم نے عرض کیا کہ کھانا پینا انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے بلکہ انسان کا سب زیادہ طبیعی ترین حق کھانا پینا ہے لیکن

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

صرف اس وجہ سے کہ کھانا پینا انسان کا حق طبیعی ھے تو کیا وہ دوسروں کے مال کو کھاسکتا ھے؟ اور کیا کسی بھی قانون کو یہ معین کرنے کا حق نہیں ھے کہ کونسی چیز کھانا حلال ھے اور کون سی چیز کا کھانا حرام ھے؟ کس کے مال کو کھا سکتا ھے اور کس کے مال کو نہیں کھاسکتا، کیا کوئی عقلمند انسان اس بات کو قبول کر سکتا ھے کہ انسان آزاد ھے اور اپنی مرضی سے جو بھی چاھے کھائے کسی کا بھی مال ھو اس کو تناول کرے؟ اس طرح گفتگو کرنا بھی ھرانسان کا مسلم حق ھے لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ جو بھی منہ میں آجائے وہ بکتا پھرے، جس طرح قانون کو یہ اجازت ھے کہ وہ یہ کھے کہ کیا کھائے اور کیانہ کھائے؟ جس طرح دین کو یہ حق حاصل ھے کہ وہ یہ کھے کہ خنزیر کا گوشت یا الکحل والی چیزوں کو نہ کھائے، جبکہ کھانا پینا انسان کا طبیعی حق ھے، گفتگو کے بارے میں بھی اس طرح ھے گفتگو کی قسم ،زمانہ اور جگہ سب قانون معین کرتا ھے جس کو تقریباً تمام دنیا نے قبول کیا ھے لیکن مغربی حضرات دین کے سلسلے میں کھتے ھیں کہ جو چاھیں کھیں کیونکہ دین ایک ذاتی امر اور ایک سلیقہ ھے انسان کی حقیقی زندگی سے اس کا کوئی ربط نہیں ھے بلکہ انسان کے خدا سے رابطہ کا نام دین ھے، اور خدا سے یہ رابطہ مختلف طریقوں سے ھو سکتا ھے، انسان کوئی بھی طریقہ اپنا سکتا ھے۔

یہ دین بھی صراط مستقیم ھے اور وہ دین بھی صراط مستقیم ھے، بت پرستی بھی صراط مستقیم ھے اور اسلام بھی صراط مستقیم ھے!! لیکن اسلام کا یہ نظریہ نہیں ھے ،کس اسلام کا، اس اسلام کا جس کو حضرت محمد مصطفیٰ 1400 سال پہلے لے کر آئے تھے نہ کہ ''باب'' اور ''مارٹن لوٹر'' جیسے کذاب لوگوں کا اسلام ، پھر ھم تو اس اسلام کی بات کرتے ھیں جس کوحضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لے کر آئے ھیں۔

6۔اسلام کی حقیقی قرائت اور اس کا صحیح مطلب

بعض لوگ کھتے ھیں کہ ھم بھی اس اسلام کو مانتے ھیں، لیکن اس اسلام کی مختلف قرائتیں ھیں آپ ایک قرائت کو بیان کرتے ھیں،تو کچھ لوگ دوسری قرائت بھی بیان کرتے ھیں، یہ نظریہ بھی مغربی ثقافت کا ایک ثمرہ ھے کہ اسلام کیلئے مختلف قرائت کے معنی کرتے ھیں، جیسا کہ ھم نے پہلے بھی عرض کیا کہ کینیڈا میں چند سال پہلے عیسائیت کا ایک فرقہ بنا، اور اس فرقے کے پاپ سے سوال کیا گیا کہ ھم جنس بازی کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ھے؟ تو اس نے جواب دیا تھا کہ اس وقت تومیں اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکتا لیکن میرا یہ مشورہ ھے کہ انجیل کو دوبارہ پڑھا جائے! کیونکہ تورات و انجیل میں اس کا کام کی سخت مذمت کی گئی ھے جس طرح اسلام نے بھی اس کی مذمت کی ھے،جب اس سے سوال ھو اکہ تو اس مقدس کتاب کا احترام کرتے ھیں آپ اس بارے میں اپنی نظر بیان کریں؟ وہ اگرچہ ھم جنس بازی کا حامی تھا لیکن صاف صاف بیان نہیں کر سکتا تھا تو اس نے جواب دیا انجیل کا پھر سے مطالعہ کرنا چاھئے!!

اس طرح یہ لوگ بھی کھتے ھیں کہ اسلام اور قرآن کی دوبارہ قرائت کی جائے،ان کے جواب میں ھم یہ عرض کرتے ھیں کہ ھم لوگ شیعہ و سنی علماً کی 1400 سال پرانی قرائت کو معتبر جانتے ھیں ھم جس اسلام کا دم بھرتے ھیں یہ وھی اسلام ھے کہ جس کی آئمہ معصومین علیھم السلام نے قرائت کی ھے اور ان ھی کی اتباع میں 14 صدی کے علماء نے اسلام کی قرائت کی ھے، یھی قرائت ھمارا معیار وملاک ھے، اور اگر اسی اسلام میں جدید قرائت پیدا ھوجائیں اور ان کی بنا پر اسلامی احکامات بدل دئے جائیں تو ھم اس اسلام کو نہیں مانتے، اور نہ ھی ایسے اسلام کو پسند کرتے ھیں اور ھماری نظر یہ کے مطابق کوئی بھی عقلمند مسلمان ''باب'' اور ''مارٹن لوٹر'' جیسے افراد کا اختراع کئے ھوئے اسلام کو پسند نہیں کرے گا۔

ھم جس اسلام کو مانتے ھیں اور اس کی بھر پور حمایت کرتے ھیں اس کے منابع قرآن، سنت پیغمبر و آئمہ معصومین علیھم السلام ھیں ، جنھینشیعہ اور اھل سنت فقھاء چودہ سو سال سے بیان کرتے آرھے ھیں،خصوصاً وہ احکام کہ جن میں شیعہ سنی میں کوئی اختلاف نہیں ھے، یہ اسلام ھم سے کھتا ھے کہ جس طرح کھانے پینے میں قوانین کی رعایت ضروری ھے اسی طرح گفتگو کرنے میں بھی قوانین کی رعایت ضروری ھے اسلام کوئی لباس تو ھے نہیں کہ جس کو آج پھنا اور دوسرے دن اتار پھینکا، دین کے سلسلے میں تحقیق و جستجو کرناضروری ھے اور دین حق کو قبول کرنا چاھیے۔

اسلام کے دامن میں اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کیلئے اتنی دلیلیں موجود ھیں کہ کوئی یہ نہیں کھہ سکتا کہ میں نہیں سمجہ سکا کہ کون سا دین حق ھے؟ مگر یہ کہ کوئی صحیح طریقہ سے تحقیق و مطالعہ نہ کرے، اگر کوئی ''میکرونیزی جزائر'' کا رھنے والا یہ کھے کہ مجہ پر اسلام کی حقانیت واضح نہیں ھوسکی ھے، تو شاید اس کی یہ بات قبول کر لی جائے لیکن اگر کوئی 1400 سالہ اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے علماء اسلام کی مھم ترین کتابوں کے ھونے کے باوجود بھی یہ کھے کہ میں اسلام کو نہیں پھچان سکا تو کوئی بھی اس کی باتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ھوگا۔

بھرحال جس اسلام کو ھم مانتے ھیں وہ یہ کھتا ھے کہ جس طرح آپ نے کھانے پینے کی چیزوں کی حد بندی کررکھی ھے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسی طرح گفتگو کرنے میں بھی قوانین کی رعایت کرنا ضروری ھے،یعنی کسی کو یہ حق بالکل نہیں ھے کہ جو چاھیں کہہ ڈالیں، بلکہ اسلامی قوانین کے تابع ھونا ضروری ھے، اگر اسلامی قوانین کے برخلاف عمل کیا تو آپ کا یہ کام اسلامی معاشرے کیلئے نقصان دہ ھے، جس طرح آپ حضرات بھی جانتے ھیں کہ گمراہ کنندہ اور کتب ضالّہ کی خرید وفروخت حرام ھے، اسلام اس چیز کی اجازت نہیں دیتا کہ جن لوگوں میں حق و باطل کے شناخت کی صلاحیت نہیں ھے وہ کسی بھی کتاب کو خریدیں اور پڑھنا شروع کردیں، ھر کس و ناکس کی تقریروں کو سنیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں صاف صاف ارشاد ھوتا ھے:

(وَاِذَا رَأَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِی اٰیَاتِنَا فَأَعْرَضَ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِی حَدِیْثٍ غَیْرِہ..).( 3)

”او رجب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ھماری آیتوں میں بے ھودہ بحث کررھے ھیں تو ان (کے پاس) سے ٹل جاؤ یھاں تک کہ وہ لوگ اس کے سوا کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں“

یا مومنین کے بارے میں ارشاد ھوتا ھے جو لوگ دین پر اعتراض کرتے ھیں ان کی صحبت میں نہ بیٹھو:

(وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ أَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیَاتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَ یُسْتَھْزَءُ بِھَا فَلا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِی حَدِیْثٍ غَیْرِہ اِنَّکُمْ اِذاً مِثْلُھُمْ اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنَافِقِیْنَ وَالْکَافِرِیْنَ فِی جَھنَّمَ جَمِیْعاً...)(4)

”(مسلمانو) حالانکہ خدا تم پر اپنی کتاب قرآن میں یہ حکم نازل کرچکا ھے کہ جب تم سن لو کہ خدا کی آیتوں کا انکار کیا جاتا ھے اور اس سے مسخرا پن کیا جاتا ھے تو تم ان (کفار) کے ساتھ مت بیٹھو یھاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں غور کرنے لگینورنہ تم بھی اس وقت ان کے برابر ھوجاؤ گے اس میں تو شک ھی نہیں کہ خدا تمام منافقوں اور کافروں کو (ایک نہ ایک دن) جھنم میں جمع ھی کرے گا“

بس وہ لوگ جو اسلام کا دم بھرتے ھیں لیکن اسلام کے دشمنوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ھیں، اور اسلام کے دشمنوں کی باتوں کو رائج کرتے ھیں یہ وھی منافقین ھیں جن کا ٹھکانہ بھی کافروں کی طرح جھنم ھے، ایک بار پھر تاکید کرتا ھوں کہ اسلام فرماتا ھے:

جاؤ اور حقیقت کو تلاش کرو اس کے بعد دشمنوں سے بحث کرو اور اسلام کے تعلیم شدہ حقائق کے ذریعہ ان کو مغلوب کرو، لیکن جب تک تم میں اتنی صلاحیت نہ ھو کہ اسلامی عقائد سے اچھی طرح دفاع کر سکو، تو پھر تم گمراہ اور انسانی شیاطین کی ھم صحبت نہ ھو، اس کشتی گیر کی طرح کہ جس کو پھلے تمرین اور پریکٹس کرنا ھوتی ھے تب وہ کشتی کے میدان میں اترتا ھے اور کشتی لڑتا ھے اور وہ جوان کہ جس نے ابھی تک تمرین نہیں کی ھے وہ کس پھلوان سے کشتی نہیں لڑسکتا، چونکہ پھلوان اس کو ذرا سی دیر میں زمین پر دے مارے گا، اور اس کی ھڈیاں ٹوٹ جائیں گی، یہ آزادی کی مخالفت نہینھے بلکہ اپنے جوانوں کو ایک نصیحت ھے کہ پھلے اسلامی علوم اور اسلامی معارف کو حاصل کریں، اس کے بعد دشمن سے بحث کریں۔

بھرحال جس اسلام کو ھم پھچانتے ھیں اس کی آزادی محدود ھے، اور اس نظریہ کا مخالف ھے کہ جب گفتگو کرنے کو انسان کی طبیعت تقاضا کرتی ھے لھٰذا گفتگو کرنا آزاد ھو ورنہ تو انسان کی دوسری خواھشات بھی ھیں اور وہ بھی انسان کے طبیعی حق میں شمار ھوتی ھیں مثلاً جنسی خواھشات کھانا پینا ان میں بھی کوئی محدودیت نہیں ھونا چاھیے، جس طرح کھانے پینے میں محدودیت کا قائل ھونا کسی بھی عقلمند انسان کو قابل قبول نہیں ھے گفتگو کرنے میں بھی اس طرح ھے، لھٰذا چونکہ گفتگو انسان کی فطرت کا تقاضا ھے اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا کہ کوئی حد و قانون نہ ھو لھٰذا عقل اور دین ان حدود کو بیان کرنے میں اور اس کی حدیں معاشرے کی مادی اور معنوی مصالح ھیں کہ جن کو دین نے بیان کر دیاھے۔

7۔ شرعی آزادی

شاید آپ حضرات نے اخباروں میں پڑھا ھو کہ بعض لوگوں نے ھماری باتوں پر اعتراضات کرتے ھوئے کھا ھے کہ فلاں صاحب مغالطہ کرتے ھیں ھم آزادی کو مطلق نہیں کھتے ھم تو یہ کھتے ھیں کہ کچھ جائز آزادی ھونا چاھیے۔

ھم یہ سوال کرتے ھیں کہ جائز آزادی سے آپ کی مراد کیا ھے؟ کیا آپ کی مراد وہ چیز ھے کہ جس کو شرع پسند کرتی ھے، لغت میں مشروع کے دو معنی بیان کئے گئے ھیں:

1۔مشروع یعنی جس کو شریعت نے جائز کیا ھے (البتہ آپ کی مرادیہ ھونا مشکل ھے کیونکہ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ھیں وہ شریعت کے زیادہ پابند نہیں ھوتے) بھر حال اگر مشروع کا مطلب یہ ھے کہ جس کو شرع پسند کرتی ھو تو اسی کو تو ھم بھی کھتے ھیں کہ آزادی شرعی قوانین کے تحت ھونا چاھئے۔

2۔ مشروع کے دوسرے معنی از لحاظ قانون جائز ھو اس معنی کے لحاظ سے بھی جیسا کہ ایران کے قانون اساسی میں بیان

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھواھے قانون کو اسلام کے موافق ھونا چاھیے، ھمارے قانون اساسی اس بات کی عکاسی کرتے ھیں کہ تمام قوانین واحکام اسلام کے موافق ھونا چاھیں، اور قانون اساسی میں فقھائے شوارئے نگھبان کا فلسفہ ھی یھی ھے کہ وہ قوانین جو پارلیمنٹ میں بنائے جاچکے ھیں ان کی تحقیق کریں کہ یہ قوانین اسلام کے موافق ھیں یا نھیں؟ کیونکہ پارلیمنٹ کے تمام ممبران (اقلیت کے نمایندوں کے علاوہ کہ ان کے حقوق بھی محفوظ ھیں) مسلمان، مومن اور متقی ھیں، لیکن ممکن ھے کہ یہ ممبران کبھی کبھی غفلت کر بیٹھیں اور اس قانون کو اپنی رائے دیں کہ جو اسلام کے مخالف ھو، یعنی پارلیمنٹ کے بنائے ھوئے قوانین شورای نگھبان میں جانچے جائیں کہ یہ قانون ،قانونِ اساسی اور اسلامی نقطۂ نظر سے موافق ھیں یا نھیں؟ اور شورائے نگھبان پارلیمنٹ کے بنائے قانون کی تائید کرتے ھیں اور شورای نگھبان کے حقوق داناں مشورت قانون اساسی سے موافق ھونے کی تائید کرتے ھیں۔

اگر ھمارا قانون اساسی قانون کے اسلامی ھونے کو ضروری نہ سمجھے تو پھر شورائے نگھبان کا کیا مطلب؟ اور یہ سب تاکید حاکمیت اسلام اور ولایت فقیہ کا قانون اساسی میں ھونے کا کیا مطلب ؟اس وقت کوئی جائے تعجب نھیں کہ کوئی حقوق دان کے عنوان سے کھے چونکہ قانون اساسی کھتا ھے آزادی کی رعایت کی جائے تو پھر کوئی بھی اس آزادی کو محدود نھیں کرسکتا، قانون اساسی کھتا ھے کہ آزادی مشروع ھو یا نا مشروع ؟ اور آپ کھتے ھیں مشروع آزادی؟مشروع آزادی یعنی کیا ؟اگر مشروع شرع سے بنا ھے تو اس کا مطلب یہ ھے کہ وہ آزادی جس کو شرع اجازت دیتی ھو اور اگر مشروع قانون ھو تو پھر بھی قانون اساسی کے مطابق وہ آزادی کہ جن کو شرع اور قانون نے تائید کیا ھو مشروع اور جائز آزادی ھیں۔

8۔دین اور قانون آزادی کو محدود کرتے ھیں۔

آزادی قانون کے مافوق نھیں ھو سکتی،لیکن جو لوگ کھتے ھیں کہ آزادی دین اور قانون سے بالا تر ھے ، تو پھران سے ھمارا یہ سوال ھے کہ اگر ایسا ھے تو پھر دین اور قانون کس لئے ھیں ؟ حقیقت قانون کیا ھے ؟ کیا قانون اس کے علاوہ ھے کہ کھے فلاں پروگرام خاص قوانین کے تحت ھو،فلاں کاانجام دیں اور فلاں کام انجام نہ دیں۔

مجبوراًگذشتہ مطالب کی یاددھانی کرنا ضروری ھے کہ ھر قانون صاف صاف یا اشارہ کے طور پر یہ کھتا ھے کہ انسانی کردار کو محدود ھونا چاھیے اور خاص دائرے میں انجام پائیں، لھٰذا قانون کا کام ھی آزادی کو محدود کرنا ھے، اگر دین اور قانون آزادی کو محدود کرنے کا حق نہ رکھتے ھوں تو پھر دین اور قانون کا ھونا بے کار ھے، چونکہ دین اجتماعی و سیاسی مسائل پر مشتمل ھوتاھے اور انسان کے اجتماعی و سیاسی امور کو محدود کرتا ھے اور دین کا حکم ھوتا ھے کہ یہ امور خاص قوانین کے تحت انجام پائیں اور اگر دین کے معنی اس کے علاوہ ھوں تو پھر دین کی کیا ضرورت ھے؟

اگر دین اس وجہ سے آیا ھو کہ ھر شخص اپنی مرضی کے مطابق کام کرے تو پھر دین کا کیا فائدہ؟ دین کی جایگاہ و مقام کھاں ھے؟ دین کا وجود بالفاظ دیگر قانون انسان کی آزادی کو محدود کرتے ھیں، لھٰذا آزادی کو دین اور قانون سے اوپر کھنا باطل ھے۔

جی ھاں ممکن ھے کہ بعض حضرات دین کی وجہ سے مشروع آزادی سے بھی روکیں اور جس چیز کو خدا نے حلال کیا ھے خرافات و قومی رسم و رواج کی وجہ سے حرام قرار دیں، جیسا کہ افسوس کے ساتھ کھنا پڑتا ھے کہ آج بھی ھمارے ملک کے مختلف مقامات پر بعض قومیں اور عشائری قوموں مینکہ جس نے خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر رکھا ھے ،اور اسی طرح ھمارے معاشرے میں اب بھی خدا کی حلا ل کردہ چیزوں کو برا سمجھا جاتا ھے، اور اگر ایسا نہ ھوتا تو بھت سی جنسی برائیاں ختم ھو جاتیں، حضرت امیرالمومنین علیھم السلام نے فرمایا:

”لولا ما سبق من ابن الخطّاب فی المتعة ما زنا الّا شقی..“.(5)

”اگر عمر متعہ کو حرام نہ کرتا تو کوئی بھی زنا نہ کرتا مگر یہ کہ شقی ھو“ افسوس کہ ابھی بھی اس حلال خدا کو برا سمجھا جاتا ھے جو بھت سی مشکلات کو ختم کرنے والا ھے ھاں اگر کوئی شخص دین کے نام پر خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا چاھے،تو یہ کام بھی برا ھے نہ صرف یہ کہ برا ھے بلکہ حرام اوربدعت ھے، جس طرح اس کے بر عکس خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنا بھی بدعت ھے:

” انّ اللّٰہ یحبّ ان یؤخذ برخصہ کما یحبّ ان یؤخذ بعزائمہ..“(6)

خداوند عالم جس طرح دوست رکھتا ھے کہ لوگ مباح اور حلال کردہ چیزوں سے فیض اٹھائیناسی طرح دوست رکھتا ھے کہ واجبات کو انجام دیں اور محرمات کو ترک کریں۔

تو معلوم یہ ھوا کہ دین یا قوم کے نام پر خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے کا کسی کو کوئی حق نھینھے، اور آزادی کو اس طرح محدود کرنا حرام و بدعت ھے،اور کوئی بھی اس کا موافق نھیں ھے لیکن اگر اس آزادی سے مراد نا مشروع

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

آزادیاں ھیں تو کسی کو یہ توقع نہیں ھونی چاھیے کہ دین نا مشروع آزادی کی بھی مخالفت نہ کرے!
خلاصہ کلام یہ ھوا کہ آزادی دو حال سے خا لی نہیں: یا مشروع ھیں، یا نا مشروع، اگر مشروع ھیں تو دین نے ان کو جائز قرار دیا ھے، اور اس کی کوئی مخالفت نہیں کی ھے،اور پھر یہ کہنا بھی صحیح نہیں ھے کہ دین اور قانون کو یہ حق نہیں ھے کہ معاشرے سے مشروع آزادی کو بھی چھین لے، اور اگر کوئی دین اس کی اجازت دے تو پھر کس طرح کھا جا سکتا ھے کہ جس چیز میں ھم نے اجازت دی ھے اس کو انجام نہ دیں؟ یہ تو خود ایک تناقض ھے لیکن اگر آزادی نا مشروع ھو، اور دین نے اس کو منع کیا ھو تو پھر یہ بھی صحیح نہیں ھے کہ اس کو منع کرنے کا حق نہ رکھتا ھو اور یہ بھی ایک طرح کا تناقض ھے۔

۹۔آزادی کو محدود کرنے کی ضرورت
ھماری مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ھوا کہ ھم آزادی کو شریف چیز، خدائی عطا اور انسان کی معنوی و مادی ترقی کیلئے ایک شرط جانتے ھیں، ھمارا عقیدہ ھے کہ اگر انسان آزادی نہ رکھتا ھو اپنے اعتبار سے دین کا انتخاب اور اس پر عمل نہ کرے، تو پھر اس کے اعتقاد کی کوئی قیمت نہیں ھوگی، انسان کی ترقی اور کمال اسی میں ھے کہ دین کو اپنے علم کے ذریعہ انتخاب کرے، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اشارہ ھوتا ھے:
(لَا اِکْرَاہ فِی الدِّیْنِ...) (7)
''دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ھے''
اجبار کا مطلب ھی یھی ھے، ھمارا عقیدہ یہ ھے کہ آزادی خداوند عالم کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ھے لیکن ھر نعمت سے استفادہ کیلئے بھی حد معین ھے:
(وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللہ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظَّالِمُونَ...) (8)
''اور جو خدا کی مقرر کی ھوئی حدوں سے آگے بڑھتے ھیں وہ ھی لوگ تو ظالم ھیں''
اپنی حدود سے تجاوز کرنا شقاوت اور الٰھی نعمت کے چھن جانے کا سبب ھے،جو چیز انسان کی سعادت وکامیابی کا سبب ھے، اگراس سے تجاوز کیا جائے تو پھر یھی چیز اس کیلئے شقاوت و بدبختی کا سبب بن جاتی ھے، جب انسان کھانے پینے میں حد سے بڑہ جائے تو وہ بیمار ھو جاتا ھے اور کبھی کبھی مرنے کی نوبت بھی آجاتی ھے، جنسی شھوت کا ھونا بھی ایک خداداد نعمت ھے، وہ جب اپنی حد سے بڑہ جاتی ھے تو پھر معاشرے میں برائیاں پھیل جاتی ھیں اور کبھی کبھی معاشرے کی ھلاکت اور خطرناک بیماریوں میں مبتلا ھونے کی باعث ھوتی ھیں. لکھنا، گفتگو کرنا بھی اس طرح ھے،ھمیں اس چیز کا حق نہیں ھے کہ صرف اس وجہ سے کہ انسان کی طبیعت گفتگو کا تقاضا کرتی ھے لہٰذا جو چاھے کھیں، جبکہ ان تمام چیزوں میں حدود کی رعایت کرنا ضروری ھے، ٹھیک ھے کہ اسلامی حکومت کو لوگوں کو مشروع آزادی دینا ضروری ھے لیکن اسلامی حکومت کو بھی نا مشروع آزادی کو روکنے کا حق ھے۔
اخباروں کے بیان کردہ شبھات میں سے ایک شبہ یہ بھی ھے کہ ھم اور آپ (مولف) اس طرح گفتگو کرکے قانون اساسی اورقومی حاکمیت کو ختم کرنا چاھتے ھیں،ان کا کہنا یہ ھے کہ قانون اساسی کے مطابق ھر انسان اپنی زندگی کے مالک ھیں اور اگر ان کو مجبور کیا جائے کہ فقط دین کی رعایت کریں تو پھر انسان اپنی زندگی کا مالک نہیں! واقعاً یہ شبہ بڑا ھی فریب دینے والا ھے۔
ھم ان کے جواب میں یہ عرض کرتے ھیں کہ کیا قانون اساسی میں صرف اس چیز کو بیان کیا گیا ھے؟ کیا اس قانون اساسی میں یہ نہیں ھے کہ حاکمیت و حکومت کا مالک خدا ھے؟ کیا اس قانون مینیہ نہیں ھے کہ معاشرے میں وہ قانون جاری ھوں جو اسلام کے موافق ھوں؟ کیا یہ چیزیں قانون اساسی میں نہیں ھیں کیا صرف قانون اساسی میں یھی ھے کہ لوگ اپنی زندگی پر خود حاکم ر ھیں؟
ممکن ھے کوئی یہ کھے کہ یہ قانون اساسی کی یہ دو باتیں آپس میں ٹکراتی ھیں لہٰذا ان کے لئے تفسیر اور کسی راہ حل کی ضروت ھے، لیکن اگر واقعاً غور کیا جائے تو یہ ان دو باتوں کو سمجھنا آسان ھے جب پھلی اصل میں یہ کھا جاتا ھے کہ حاکمیت اور حکومت کا خدا مالک ھے اور دوسری اصل میں یہ کھا جاتا ھے کہ انسان اپنی زندگی پر خود حاکم ھے تو اس کا مطلب یہ ھے کہ لوگ خدا کی حاکمیت کے زیر سایہ دین زندگی پر حاکم ھیں، لہٰذا اسلامی معاشرے کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ھے کہ وہ اپنا مذھب اور اپنا قانون ھم پر تھونپے،یعنی امریکہ کو اپنا قانون ھم پر نافذ کرنے کا کوئی حق نہیں ھے، ھمارے افراد خود اپنے لئے مفید قانون کو ووٹ دیں، اور ھمارے افراد نے ھی اسلامی قانون کو اپنا ووٹ دیا ھے۔
ایک شخص'' اھواز یونیورسٹی'' میں اپنی تقریر کے دوران کھتا ھے: اگر لوگ خدا کے خلاف مظاھرہ کرنا چاھیں تو قانون

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو ان کو روکنے کا کوی حق نہیں ھے؟! کیا انسانوں کی حکومت کا یھی مطلب ھے؟ کیا قانون اساسی اس چیز کو کھتا ھے؟ اگر کوئی قانون اساسی کو نہ جانتے ھوئے اس طرح کی باتیں کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، تعجب تو ان لوگوں پر ھوتا ھے جو خود کو قانون داں کھلاتے ھیں، لیکن پھر بھی اس طرح کی باتیں کرتے ھیں!
ممکن ھے کوئی یہ کھے ھم نہیں مانتے کہ جو آپ کھتے ھیں وھی قانون اساسی ھے، تو اس کے جواب میں ھم عرض کرتے ھیں کہ اگر قانون میں کسی طرح کی پیچیدگی ھے تو اس کی مفسّر شورائے نگھبان ھے اگر آپ اس قانون اساسی کو قبول کرتے ھیں تو بھی یہ قانون آپ کو تفسیر کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اور پیچیدگی اور تعارض کے حل کو بھی خود ھی معین کرتا ھے اگر آپ اسی قانون اساسی کو مانتے ھیں تو اس کی تفسیر شورائے نگھبان سے پوچھئے، وہ شورائے نگھبان جو اسلام و قانون اساسی کی محافظ ھے، اور یہ شورائے نگھبان احکام اسلامی کی محافظت کیلئے نہیں ھے، اس وقت اگر آپ کی تائید ھوتی ھے تو پھر آپ اسلام پر اعتراض کرنے میں حق بجانب ھیں۔
بھرحال جو کچھ ھم نے بیان کیا اسلام کے دشمنوں کے بعض شبہات تھے جو مکڑی کے جالے سے بھی ضعیف و کمزور ھیں، اور اسلام کے دشمنوں کے پاس ان سست اور کمزور باتوں کے علاوہ اور کیا ھوسکتا ھے۔

حوالے
1۔سورہ انعام آیت68
2۔سورہ نساء آیت140
3۔ابن ابی الحدید، شرح نھج البلاغہ، ج12،ص253
4۔بحار الانوار، ج۶۹،ص360
5۔سورہ بقرہ آیت265.
6۔سورہ بقرہ آیت۲۲۹.



سولھواں جلسہ

**قانون اورآزادی کے لحاظ سے الھٰی اوروالحادی ثقافت میں فرق**

1۔ انتخاب کی اھمیت اور ھدف تک پھونچنے کے لئے قوانین کی آگاھی اور رعایت
اسلام کے سیاسی نظریہ کے بارے میں بحث کے دوران مذکورہ نظریہ سے متعلق اصول موضو عہ اور مقدمات تبینکے سلسلے میں بھت سی چیزیں عرض کی، اور اس سلسلہ میں کئے گئے اعتراضات کا جواب بھی دیا، اس وقت بحث کو آگے بڑھاتے ھوئے مجموعی اعتبار سے اس کا خلاصہ آپ کی خدمت مینعرض کرتے ھیں:
اسلامی نظریہ کے مطابق ھر موجود متحرک ھے یا دوسرے لفظوں میں ایک ایسے مسافر سے تعبیر کیا جاتا ھے ، جو ایک جگہ سے اپنے سفر شروع کرکے اپنی منزل کی طرف آگے بڑہ رھا ھے (او ریھی آخری منزل اس کی سعادت اور اخروی کمال ھے) زندگی کا طول وعرض ایک ایسے راستے کی طرح ھے کہ اصل مقصد تک پھونچنے کے لئے اس راستہ کاطے کرنا ضروری ھے، اس سلسلہ میں آپ حضرات کے سامنے ایک مثال پیش کرتے ھیں،تاکہ یہ بات ھمارے جوانوں کے ذھنوں میں اچھی طرح بیٹہ جائے: فرض کریں ایک ڈرائیور کو تھران سے مشھد جاناچاھتا ھے لیکن اگر اس ڈرائیور کے ھاتہ پیر مفلوج ھوجائیں تواس صورت میں یہ ڈرائیور ڈرائیونگ نہیں کرسکتا،یعنی ڈرائیونگ اس صورت میں کرسکتا ھے جب اس کا بدن اور دوسرے اعضاء صحیح وسالم ھوں، اور ان پر قدرت واختیار رکھتا ھو۔
یعنی جب وہ چاھے گاڑی کودائیں بائیں موڑدے یا ایکسیلیٹر یا بریگ کو دبا سکے، اسی طرح انسان اپنی زندگی کے کمال کو حاصل کرنے وترقی یافتہ بنانے میں بھی آزاد، اختیار،صاحب قدرت ا ورانتخاب کرنے والاھے، ورنہ اس کمال کے راستہ پر گامزن نہیں رہ سکتا، اسی وجہ خدا وندعالم نے انسان کو انتخاب واختیار کی قدرت دی ھے کہ اپنی مرضی سے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس راستہ پر قدم بڑھائے اور منزل مقصود تک پھونچ جائے،او راگر ایسا نہ ہو تو پھر انسان اپنے مقصد تک نہیں پھونچ سکتا، لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کوئی شخص بغیر سوچے سمجھے اور بغیر اختیار کے اس کمال کے راستہ پر چلے اور مقصد تک پھونچنا چاہے، تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، انسان کا آزاد ہونا اور قدرت انتخاب رکھنا ضروری ہے تاکہ اس راستہ کو طے کرسکے۔

انسان جتنا انتخاب میں آزاد ہوتا ہے اتنا ہی اس کا کام ارزشمند ہوتا ہے، لیکن جس طرح ایک صحیح وسالم ڈرائیور ہونے کے باوجود کوئی گارنٹی نہیں ہے وہ منزل مقصود تک پھونچ ہی جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بھول چوک یا جان بوجہ کر غلط راستہ کا انتخاب کربیٹھے،اور کسی جبر واکراہ کے بغیر اپنے ہاتھوں سے اسٹیرنگ گھماکر اوراپنے پیروں کے ذریعہ اکسیلیٹر کو دبادے اور گاڑی کو کسی کھائی میں گرادے، لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ کسی مقصد کے لئے صرف انتخاب واختیار کافی نہیں ہے ، بلکہ علت تامہ کو حاصل کرنے کے لکے یہ شرط بھی ضروری ہے، یعنی ہماری اصطلاح کے لحاظ سے انسان کو سعادت اور کمال تک پھونچنے کے لئے ضروری ہے کہ راھنمائی کی علامتوں اور نشانیوں پر توجہ کرے اور ڈرائیورنگ کے تمام اصولوں کی صحیح رعایت کرے تاکہ اپنی منزل مقصود تک پھونچ سکے۔

اگر کوئی شخص یہاں پر یہ کہے کہ میں جسم وجسمانیت کے اعتبار سے طاقتور بھی ہوں اور صحیح انتخاب کرنے والا بھی ہوں ، لیکن میرا دل یہ چاہتا ہے کہ ڈرائیورنگ کے اصولوں کے خلاف عمل کروں اور کسی کو میرے راستہ میں رکاوٹ پیداکرنے کا حق نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس شخص کو یہ سوچ لینا چاھئے کہ اس کے سفر کا نتیجہ ہلاکت ہے اور اس کا کسی کھائی میں گرنا یقینی ہے،لہٰذا انسان کو صحیح وسالم ہونے کے ساتھ ساتھ راستہ کا علم بھی ضروری ہے اور قوانین کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے. ٹریفک قوانین کی دو قسمیں ہیں:

1- کچھ ایسے قوانین ہیں کہ اگر ان کی رعایت نہ ہو تو خود ڈرائیور کو نقصان پھونچے گا،مثال کے طور پر اگر سڑک سے ہٹ کر چلے تو ممکن ہے کہ کسی کھائی میں گر پڑے، یا پل سے نیچے جاگرے،تو اس صورت میں اس کا نقصان خود اس کو یا اس کی گاڑی کو پھونچے گا،ایسے خطروں سے بچانے کے لئے ہوشیار کرنے والے بورڈ لگائے جاتے ہیں مثلاً خطرناک موڑ کا بورڈ، یابائیں طرف ڈرائیورنگ کریں یا رفتار کم کرینوغیرہ، تاکہ ڈرائیور قوانین کے خلاف ڈرائیورنگ نہ کرے اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے صحیح وسالم اپنی منزل تک پھونچ جائے۔

2- کچھ ایسے قوانین ہوتے ہیں کہ جن کی خلاف ورزی سے صرف ڈرائیور کو ہی کو نقصان نہیں پھونچتا بلکہ دوسروں کو بھی نقصان پھونچ سکتا ہے اور کبھی کبھی ایسے حادثات رونما ہوتے ہےنکہ سیکڑوں لوگوں کی جانیں چلی جاتی ہیں۔

کبھی کبھی یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض ”ھائی وے “یا بڑے بڑے چوراھوں پر خصوصاً دوسرے ممالک میں کہ جہاں تیز رفتار سے گاڑی چلانا جائز ہے، بعض خلاف ورزیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیکڑوں گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکراجاتی ہیں کہ جن میں بہت سے لوگوں کی جان چلی جاتی ہے،آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ جرمنی میں 150 گاڑیاں آپس میں ٹکراگئیں، ظاھر ہے کہ ایسے موقعوں پر صرف احتیاط کی رعایت اور ہوشیار ہونے والی نشانیوں پر ہی اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ ریڈ لائیٹیں(لال بتّی) یا ہوشیاررہنے والے کی بڑے بڑے بورڈ لگائے جاتے ہیں،اور بعض جگھوں پر پولیس کو الکٹرونیک آنکھیں اور مختلف ویڈیوکیمرے لگا نے پڑتے ہیں تاکہ خلاف ورزی کرنے والے ڈرائیوروں کو پکڑکر ان کا چالان کرکے سزا دی جاسکے ، خلاف ورزی کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے گاڑی سڑک سے نیچے اترجاتی ہے اور الٹ پلٹ ہوجاتی ہے اور ڈرائیور ونکے ہاتھ پیر ٹوٹ جاتے ہیں اور کبھی کبھی مربھی جاتے ہیں، اس صورت میں ڈرائیور ونکا چالان نہیں کیا جاتا کیونکہ نقصان خود اسی کا ہوا ہے، لیکن اگرخلاف ورزی کے نتیجہ مینکسی دوسرے کو نقصان پھونچا ہے تو پھر پولیس ان کو پکڑکر ان کے خلاف کاروائی کرتی ہے۔

2- اخلاقی اور حقوقی قوانین میں فرق

انسان کی زندگی میں دوطرح کے خطرے لاحق ہیں :

1-وہ خطرہ جس کا تعلق صرف ہم سے ہوتا ہے، کہ اگر قوانین کی رعایت نہ کریں تو خود ہم کو نقصان پھونچتا ہے، درحقیقت قوانین کی خلاف ورزی کا نقصان ذاتی اور شخصی ہے، اس موقع پر جو احکام وضع کئے جاتے ہیں او ران پر عمل کرنے کی تاکید ہوتی ہے اصطلاح میں ایسی چیزوں کو قواعد اخلاقی یا قوانین اخلاقی کہا جاتا ہے، مثلاًاگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا یا نعوذ باللہ تنہائی میں دوسرے گناھوں کامرتکب ہوتا ہے کہ کوئی بھی اس کے گناھوں کو نہیں دیکہ پاتا تو ایسی صورت میں خود اس شخص نے اپنے اوپر ظلم کیا ، لہٰذا کسی کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے او رکوئی نہیں پوچھے گا کہ کیوں آپ نے تنہائی میں ایسا گناہ کیا ہے، ایسے موقعوں پر کسی کو حق بھی نہیں کہ کوئی اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے کاموں کی تحقیق وجستجو کرے،کیونکہ انسان کے خصوصی کاموں میں تجسس (جاسوسی) کرنا حرام ھے۔
کیونکہ یہ کام خود اس کی ذات سے مربوط ھیں، اگرچہ اس کواخلاقی نصیحت ضرور کی جاتی ھے، او راس کے بارے مینحکم ھوتا ھے کہ کوئی شخص تنھائی میں گناہ یا گناہ کا تصور بھی نہ کرے، لیکن یہ نصیحتیں ان بورڈوں کی طرح ھیں جو سڑکوں پر ھوشیار اور متوجہ رھنے کے لئے لگائے جاتے ھیں ، مثلاً لکھا جاتا ھے کہ آھستہ چلینلیکن اس کی خلاف ورزی کرنے پر رفتار بڑہ جاتی ھے او رموڑوغیرہ میں خود ڈرائیور کو نقصان پھونچتا ھے ایسی صورت میں پولیس اس کا پیچھا نھیں کرتی۔
2۔ وہ خطرہ ھے جس کا تعلق صرف اسی شخصسے متعلق نھیں ھوتا بلکہ اس کا اثر دوسروں تک بھی پھونچتا ھے اس صورت میں ان قوانین کی خلاف ورزی کرنے کو قوانین حقوقی کے نام سے یاد کیا جاتا ھے، یعنی اس خطرے کا اثر اس شخص پر بھی ھوتا ھے اورمعاشرے پر بھی ، نتیجۃً یہ قوانین اجرائی اس بات کی ضمانت رکھتے ھیں کہ اگر ان کی خلاف ورزی کی جائے تو خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف قانونی کاروائی ھوسکے، جس طرح ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر اس کے خلاف کاروائی ھوتی ھے، یہ وہ موقع ھے کہ جب اخلاقی قوانین کے مقابلہ میں حقوقی قوانین کی بات آتی ھے ان ھی حقوقی قوانین کے تحت جزائی وکیفری قانون میں آتے ھیں؛ یعنی یہ دائرہ علم حقوق اور قانون بنانے والے اداروں کے قوانین جن کی اجرائی ضامن حکومت ھوتی ھے ان سے کام پڑتا ھے۔
پس معلوم یہ ھوا کہ اخلاقی اور حقوقی قوانین میں سب سے بڑا فرق یہ ھے کہ اخلاقی قوانین میں کوئی بھی شخص ضامن نھیں کہ ان کو عملی جامہ پھنائے، اگر کسی نے ان قوانین کی مخالفت کی تو اس کو سزا دی جائے او راگر کسی کے خلاف کبھی کوئی کاروائی ھوتی بھی ھے تو اخلاقی خلاف ورزی کی وجہ سے نھیں ھوتی بلکہ حقوقی پھلو کی وجہ سے ھوتی ھے کہ جو قانون سے متعلق ھے اور اگر کوئی مخصوص شکایت کرنے والا ھے تو حقوقی بمعنی خاص ھوگا ورنہ جزائی وکیفری ھوگا۔
بھرحال جس طرح ایک ڈرائیور اپنی اور مسافروں کی جان کو خطرات سے بچانے کی ذمہ داری رکھتا ھے اسی طرح انسان بھی ایک مسافر کی طرح ھے کہ ایک جگہ سے اپنا راستہ شروع کرتا ھے اور اپنے مقصدتک پھونچنے کے لئے بھت سے خطروں سے روبرو ھوتا ھے ، یہ خطرات کبھی تو خود اسی سے مخصوص ھیں ، کہ جن کے احکام خود اس کی ذات سے مربوط ھیں اور ان کے لئے اخلاقیاتی نصیحتیں موجود ھیں،لیکن اگر کسی موقع پر کسی دوسرے کے لئے خطرہ ھے یا کسی بھی طرح سے دوسروں کے عقائد کو خراب اور لوگوں کے جان مال او رناموس پر تجاوز کرتا ھے توپھر اس پر حقوقی قوانین جاری ھونگے کہ جن کی ذمہ دار حکومت ھوتی ھے۔
ھم نے جو ڈرائیور کی مثال پیش کی ، کوئی مغرور ڈرائیور کھے کہ ”میں تو آزاد ھوں، اور قوانین کی مخالفت کرتا ھوں“ تو اگر خود اس کا نقصان ھے تو صرف اس کو نصیحت کی جاتی ھے او رکھا جاتا ھے کہ احتیاط کرو دھیان رکھو ، ورنہ آپ کی جان خطرہ میں ھے، لیکن اگر کسی دوسرے کی جان کا مسئلہ ھو تو پھر اس کو روکا جاتا ھے اور پولیس اس کا پیچھا کرتی ھے اور مختلف طریقوں(راڈار الکٹرونیک آنکھوں یا مختلف ویڈیو کیمرے) سے اس کو تلاش کرتی ھے اور اس کو سزا دیتی ھے، اس موقع پر کوئی نھیں کھتا کہ پولیس کا پیچھا کرنا انسان کی آزادی کے مخالف ھے ، پوری دنیامیں کے عقلمند حضرات اس کو مانتے ھیں کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے لئے خطرہ پیدا کررھا ھے تو اس کے لئے قانون کا ھونا ضروری ھے تاکہ خلاف ورزی کرنے والے کو روکا جاسکے، کیونکہ یہ آزادی مشروع اور قانونی نھیں ،اس آزادی کو عقل تسلیم نھیں کرتی۔
کیونکہ اس سے دوسروں کو خطرہ لاحق ھے ، اس بات کو تمام ھی عقلاء مانتے ھیں ، اور ھم کسی ایسے عقلمند انسان کو نھیں دیکھا کہ جو یہ کھے کہ انسان اپنی زندگی میں اس قدر آزاد ھے کہ جو چاھے کرے یھاں تک اپنی جان کے علاوہ دوسروں کی جان ومال او رعزت کو بھی نقصان پھونچائے، اس بات کو کوئی بھی قبول نھیں کرتا۔
نتیجہ یہ نکلا کہ قوانین کا ھونا ضروری ھے ، او رمعاشرہ کو بھی چاھئے کہ ان قوانین کو قبول کرے ، اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نھیں ھے ،اگر اختلاف ھے تو دین میں، کہ کیا دین میں اخلاقی قوانین کافی ھیں یا حکومتی قوانین کا بھی ھونا ضروری ھے ؟ اور کیا اس سلسلہ میں کسی اجرائی ضامن کی ضرورت ھے ، یا صرف اخلاقی نصیحتوں پر اکتفاء کی جاسکتی ھے؟
جولوگ کھتے ھیں کہ حکومت ضروری نھیں ھے اور انسان خود ھی اخلاقی نصیحتوں کے ذریعہ تربیت پاسکتاھے، اور اسے حکومت وقانون کی کوئی ضرورت نھیں ،! ھم ان کے جواب میں عرض کرتے ھیں کہ یہ کھنا صحیح نھیں ھے اور انسانی تاریخ نے یہ ثابت کردیا ھے کہ کوئی معاشرہ صرف اخلاقی نصیحتوں کے ذریعہ ھدف تک نھیں پھونچ سکتا ، لھٰذا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قانون وحکومت کا ھونا بھت ضروری ھے۔

3۔ الٰھی اور کفر والحادکی ثقافت میں فرق اور قانون کے بارے میں اختلاف نظر
یھاں تک یہ بات واضح ھوچکی ھے کہ اس میں کوئی اختلاف نھیں ھے کہ قوانین کی ضرورت ھے ، اختلاف یھاں سے شروع ھوتا ھے کہ جو قانون آزادی کو محدود کرتا ھے او رکھتا ھے: ''داھنی طرف چلونہ کہ بائیں طرف،یا آھستہ چلو'' تو اس قانون کو انسان کی آزادی کو محدود کرنے کا کھاں تک حق ھے؟
اس چیز کو سب مانتے ھیں کہ اگر دوسروں کی جان ومال خطرے میں ھو ، تو قانون آزادی کو محدود کردیتا ھے مثلاً اجازت نھیں دیتاکہ کسی پر اسلحہ نکال لو یا کسی کو جان سے مارڈالو، ممکن نھیں ھے کہ قانون کسی کو حق دے کہ کسی کو بغیر دلیل کے قتل کرڈالو !
اب جبکہ یہ مان لیا گیا کہ قانون اس آزادی کو محدود کرتا کہ جو دوسروں کے لئے نقصان دہ ھے، تو اس سے یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ کیا قانون گذار فقط انسان کی زمانی آزادی کو محدود کرتا ھے کہ دوسرے لوگوں کی مادی منافع کوضرر پھونچائے یا قانون گذاری کے وقت انسان کے معنوی او رروحی منافع کو بھی نظر میں رکھا جائے؟ اصل اختلاف اسی جگہ ھے۔
ھم فرھنگ وثقافت کو دوحصوں میں بانٹ سکتے ھیں : ایک الٰھی ثقافت کہ جس کا سب سے روشن نمونہ اسلامی ثقافت ھے کہ جس کو ھم مانتے ھیں اور ھمارا یہ اعتقاد ھے کہ الٰھی ثقافت دین اسلام سے مخصوص نھیں ھے بلکہ دوسرے آسمانی ادیان میں بھی یہ الٰھی ثقافت پائی جاتی تھی، اگرچہ ان میں تحریفات اور انحرافات پید اھو گئے، اس ثقافت کے مقابلے میں کفر والحاد یا غیر الٰھی ثقافت رائج ھوئی کہ آج جس کا نمونہ مغربی ممالک ھیں، البتہ توجہ رھے کہ مغرب سے ھماری مراد صرف جغرافیائی علاقہ نھیں ھے بلکہ اس ثقافت کو مغربی ثقافت کا نام اس وجہ سے دیتے ھیں کہ جو امریکہ اور یورپ میں رائج ھے، اور دوسرے ممالک بھی اس ثقافت کی حمایت کرتے ھیں ، او ران کی تمام تر کوشش اس کود نیا کے مختلف ممالک میں پھیلانا ھے، لھٰذا آسان طریقہ سے سمجھانے کے لئے ثقافت کی دو قسم کرتے ھیں:
اول: الٰھی اور اسلامی ثقافت ۔
دوم: غربی (الحادی) ثقافت ۔
ھم یھاں پر ان دونوں ثقافتوں کے اھم فرق کو بیان کرتے ھیں:

4۔ مغربی ثقافت کے تین اھم رکن ھیں
یہ کھا جاسکتا ھے کہ مغربی تمدن وثقافت تشکیل دینے کے لئے تین چیزیں بھت اھم ھیں ، اگرچہ ان کے علاوہ بھت سی دوسری چیزیں بھی ھیں لیکن یہ تین چیزیں اس ثقافت کی جڑ ھیں :
پھلا رکن: ''رومانیزم'' ھے یعنی انسان کی زندگی میں ھر طرح کی خوشی ،چین وسکون ھونا چاھئے او ربس ، لفظ ''اومانیزم'' خدا پرستی اوردین پرستی کے مقالہ میں بولا جاتا ھے، اگرچہ اس سے دوسرے معنی بھی لئے جاتے ھیں کہ جن سے ھماری کوئی بحث نھیں ھے اور اس لفظ کے مشھور معنی یہ ھیں کہ انسان صرف اپنی او راپنی لذتوں اور اپنی خوشی وراحتی کی فکر میں ھو ، اور اگر کوئی خدایا فرشتہ کا وجود ھے بھی تو اس سے کوئی مطلب نھیں ھے. یہ اس نظریہ کے مقابلہ میں نظریہ ایجاد ھوا کہ جو درمیانی صدیوں میں یورپ میں او راس سے پھلے مشرقی زمین میں تھا کہ انسان کی اصل توجہ خدا او رمعنویات پر ھوتی تھیں۔
یہ نظریہ رکھنے والے کھتے ھیں کہ ان تمام چیزوں کو چھوڑدیا جائے ھم اس زمانے سے تھک چکے ھینھمارا کھنا یہ ھے کہ اس زمانے کی کلیساؤں کی بحث کے بدلے اصل انسانیت کی طرف پلٹ جائیں اور انسان وطبیعت کے ماورای خصوصاً خدا کے بارے میں بحث نہ کریں؛ البتہ یہ بھی ضروری نھیں کہ ان کا انکار کریں لیکن ان سے ھمارا کوئی مطلب بھی نھیں ھے اور ھمارا معیار انسان ھونا ھے۔
اس اصل کو الٰھی ثقافت کے مقابلہ میں رکھا گیا ھے، یہ الٰھی ثقافت کھتی ھے کہ ''سب کچھ اللہ" ھے اور ھماری تمام تفکرات خدائی ھونا چاھئے او رھماری تمام توجہ خدا کی طرف جاکر رکیں، او راپنی سعادت وکمال کو خدا کے قرب میں تلاش کریں، کیونکہ تمام ترسعادتوں، زیبائیوں ،اصالتوناورکمالات کا وھی سرچشمہ ھے، پس اللہ محوری ھے ، او راگر ''ایزم'' لگانا ھی چاھتے ھیں تو یہ نظریہ ''اللہ ایزم'' ھے یعنی خدا کی طرف توجہ ھونا چاھئے ،انسان کی طرف نھیں،یہ تھا الٰھی اور مغربی ثقافت کا پھلا فرق، (البتہ ھم یہ تاکیدکرتے ھیں کہ مغرب میں بھی استثناء کے قائل ھیں اورو ھاں بھی بعض لوگ معنوی اور الٰھی نظریہ کے قائل ھیں اور ھماری مراد وھاں کی اکثریت ھے کہ جس کو مغربی تمدن کھا جاتا ھے۔)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دوسرا رکن: غربی تمدن کا دوسرااھم رکن ''سیکولریزم'' ھے ،یعنی اصل انسان ھے اور انسان کو محور قرار دینے کے بعد اگر کوئی انسان کسی دین کی طرف مائل ھونا چاھے تو وہ اس طرح ھے کہ کوئی شاعر یا پینٹر بننا چاھے کہ کسی کو اس سے کوئی مطلب نہیں، جس طرح بعض فرقے مجسمہ سازی اور نقاشی کو پسند کرتے ھیں، بعض لوگ مسلمان یا عیسا ئی ھونا پسند کرتے ھیں ان کے لئے کوئی ممانعت بھی نہیں ھے، کیونکہ انسان کی مرضی کا ادب و احترم ھونا چاھئے۔
کھا جاتا ھے کہ اگر کوئی انسان اپنی زندگی کے ایک طرف کسی دین کا انتخاب کرنا چاھے اس کی مثال اس شخص کی طرح کہ جو شاعری ، ادبیات اور کسی دوسرے کام کو منتخب کرے او راس کاانتخاب مورد احترام ھے؛ لیکن توجہ رھے کہ دین انسان کی زندگی کے اھم مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور دین انسان کی زندگی کا رخ نہیں بدل سکتا،جس طرح شاعری یا کوئی دوسرا کام اگرچہ اھم ھے، اسی طرح دین بھی اھم ھے ، فرض کیجئے کہ کچھ لوگ آرٹ میں مشغول ھیں اور انھوں نے ایک آرٹ گیلری بنائی کہ جس میں اپنے اپنے آرٹ کی نمائش لگائی ، ھم بھی ان کا احترام کرتے ھیں ، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ھیں کہ آرٹ ان کے لئے سیاست، اقتصاد، او ربین الاقوامی مسائل کا محور بن جائے؛ یعنی آرٹ ایک سائڈ کا کام ھے ۔
ان کی نظر میں دین بھی اسی طرح ھے کہ اگر کوئی شخص خدا سے راز ونیاز کرنا چاھتا ھے تو اسے چاھئے کہ عبادتگاہ میں جائے اور شاعر کے شعر کی طرح خدا سے مناجات کرے ، ھم سے کوئی مطلب نہیں ھے؛ لیکن اگر کسی ایک معاشرے میں کون سے قوانین حکومت کرینیا اقصادی اور سیاسی نظام کس طرح کا ھو؟ دین کو ان چیزوں سے کوئی مطلب نہیں ھے، دین کی جگہ عبادتگاہ، مسجد یا بت خانہ ھے ، او رانسان کے زندگی کی حقیقی مسائل علم سے متعلق ھیں اور دین کوزندگی کے مسائل میں کوئی دخالت نہیں کرنا چاھئے۔
اس نظریہ کو کلی طور پر ''سیکولرایزم'' کھا جاتا ھے یعنی دین کو زندگی کے مسائل سے دور رکھنا، یا دنیا داری بھی کھا جاتا ھے، یا اصطلاح میں ''آسمانی فکر کرنے'' کے بجائے ''اس دنیا کی فکر کرنے'' کا نام بھی دیا جاتا ھے۔
کھتے ھیں کہ پیغمبر پر ملائکہ کا نازل ھونا یا عالم آخرت میں ملکوت سے مل جانا وغیرہ وغیرہ جیسی باتوں کو چھوڑو اور اس دنیا کے بارے میں سوچو! کھانے، لباس ، ناچ گانااورمیوزک کے بارے میں باتیں کروکہ جن کا دین سے کوئی ربط نہیں ھے، اور انسانی زندگی کے اھم امور بالخصوص اقتصاد، سیاست اور حقوق علم سے مربوط ھیں، اور دین کو ان میں کوئی دخالت نہیں کرنا چاھئے،یہ ھے مغربی تمدن کا دوسرا رکن۔
تیسرا رکن: ''لیبرالیزم'' ھے، چونکہ اصل انسان ھے اور انسان مکمل طور پر آزاد ھے مگر بعض ضرورتوں کے پیش نظر، انسانی زندگی کے لئے کوئی قیدو شرط نہیں ھونا چاھئے، کوشش یہ کرنا چاھئے کہ محدویتوں کو کم کیا جائے او رارزشوں کو محدود بنایا جائے، یہ صحیح ھے کہ ھر معاشرہ میں کچھ ارزشیں ھوتی ھینلیکن ان کو مطلق قرار نہیں دیا جاسکتا، ھر انسان کسی بھی گروہ کے رسم ورواج کو اپنانے میں آزاد ھے، لیکن ان کو اس بات کی اجازت نہیں ھے کہ ان کو اجتماعی ارزش قرار دیدیا جائے اوران کو سیاست وحقوق اور اقتصاد میں ان کو دخالت کرنے دیا جائے، انسان آزاد ھے جس طرح کا معاملہ کرنا چاھے کرے، اور جو چیز بنانا چاھے بنائے کسی بھی کام میں مشغول رھے، او رجھاں تک ممکن ھو اقتصاد میں آزادی ھو، اور مفید معاملات میں کسی محدودیت کا قائل نہ ھو، چاھے فائدہ ھو یا نہ ھو، اور جھاں تک ممکن ھو مزدور سے کام لیا جائے اور اس کے کام کے وقت کو معین نہیں کرنا چاھئے ،تاکہ مالدار لوگو ں کو مزید فائدہ پھونچے۔
مزدور کی مزدوری جتنی کم ھو بھتر ھے ، انصاف ومحبت اور عدالت لیبرالیزم سے ھم آھنگ نہیں ھے ، لیبرال انسان صرف اپنے فائدہ کی فکر میں ھو، البتہ کبھی کبھی قانون کی رعایت بھی کی جائے تاکہ بغاوت او ردوسری مشکلات پیش نہ آئیں، لیکن اصل یہ ھے کہ انسان جس طرح بھی چاھے کرے، لباس میں بھی انسان آزاد ھے یھاں تک کہ اگر چاھے تو برھنہ باھر نکل آئے، کوئی بات نہیں، او ر اس کو روکنے کا کسی کو حق نہیں ھے،البتہ کبھی کبھی ایسا موقع آتا ھے کہ اگر کوئی برھنہ باھر نکلنا چاھے تو لوگ اس کو گالی دیتے ھیں برابھلا کھتے ھیناور اس چیز کو برداشت نہیں کرتے، یہ ایک الگ بات ھے، ورنہ کوئی بھی قانون انسان کو محدود نہیں کرسکتاکہ کیسا لباس پھنے لمبا ھو یا چھوٹا، کسا ھوا ھو یا ڈھیلا، مرد برھنہ ھو یا عورت،سب کو آزاد ھونا چاھئے،اور جھاں تک ممکن ھو مرد وعورت کے درمیان رابطہ آزاد ھونا چاھئے، صرف معاشرہ میں مشکلات پیدا ھونے کی صورت میں تھوڑا بھت کنٹرول کیا جائے! آزادی کی حدیھاں تک ھے، لیکن اگر اس حد تک نہ پھونچے تو عورت مرد آزاد ھے جو ان کا دل چاھے کریں، جھاں چاھیں جائیں،جس طرح کا رابطہ رکھنا چاھےں ، رکھیں۔
سیاسی مسائل اور دوسرے مسائل میں بھی اسی طرح ھے ،اصل یہ ھے کہ کوئی بھی قید وشرط انسان کو محدود نہ کرے مگر یہ کہ ضرورت اس چیز کا تقاضا کرے، یہ ھے لیبرالیزم کا اصل ھدف ، اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ مغربی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تمدن کے تھرے رکن ھیں ، ''اومانیزم، سیکولرایزم اور لیبرالیزم'' اور یہ قانون گذاری میناھم کردار رکھتے ھیں۔

5۔ اسلامی اور مغربی تمدن کا بنیادی فرق

پھلا مسئلہ ''اومانیزم'' ھے کہ جواصالت خدا کے مقابلہ میں ھے جو لوگ اس نظریہ کو مانتے ھیں مسلمانوں کی طرح خدا اور اس کے قانون گذاری کو نھیں مانتے، یہ لوگ صرف اپنے فائدہ ،لذتوں او راپنے آرام کے چکر میں ھیں، اگرچہ مغربی مکاتب میں کم وزیادہ اختلاف پایا جاتا ھے مثلاً یہ کہ لذت ومنفعت میں اصل انفرادیت ھے یا اجتماعی؟ البتہ یہ تمام مکاتب ایک اصل میں متفق ھیں اور وہ یہ ھے کہ حتی الامکان قید وشرط میں کمی ھونا چاھئے، اس الحادی نظریہ کے مقابلہ میں الٰھی مکتب فکر اور الٰھی تمدن ھے ، کہ جس کا کھنا یہ ھے کہ انسان اصل نھیں ھے،بلکہ خدا اصل ھے اور خدا ھی تمام کمالات وزیبائی وسعادت کا سرچشمہ ھے وھی حقّ مطلق ھے انسان پر سب سے بڑا حق اسی کا ھے او رانسان اس طرح عمل کرے تاکہ اس سے رابطہ رھے ، اپنی زندگی میں خدا کو نادیدہ نھیں کیا جاسکتا، انسان کا کمال خداپرستی میں ھے اور انسان کا فطری طور پر اللہ سے لگاؤ رکھتا ھے او راگر ھم اس لگاؤ کو نادیدہ کریں تو انسان خود اپنی انسانیت کو نابود کررھا ھے،لھٰذا تمام افکار واندیشہ میں اصلی محور خدا ھے کہ اس کا نقطۂ مقابل انسان کو محور بنانا ھے۔

دوسرا مسئلہ سیکولریزم'' ھے کہ جس کے مقابلہ میں اصالت دین ھے ، ایک مومن انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری او راھم امر دین کا انتخاب کرنا ھے اس کے لئے آب ونان کی فکر سے پھلے اپنے منتخب دین کی تحقیق ضروری ھے کہ یہ دین حق ھے یا نھیں،اس کا دین صحیح ھے یا فاسد؟ اور کیا خدا ئے واحد پر اعتقاد رکھنا صحیح ھے یا غلط؟ کیا خدا کی یاد بھتر ھے یا خدا سے بے توجھی؟ ایک خدا کا اعتقاد صحیح ھے یا تین یا چند خداؤں کا اعتقاد؟ لھٰذا جس روز اس پر تکلیف واجب ھوتی ھے اسی دن اس کو یہ طے کرنا ھوگا کہ خدا، وحی، قیامت وغیرہ کو قبول کرتا ھے یا نھیں؟ سب سے پھلے دین کا انتخاب کرے؛کیونکہ دین زندگی کے تمام شعبوں میں دخالت رکھتا ھے، پس الٰھی تمدن میں دوسرا رکن دینداری ھے کہ جس کے مقابلے میں سیکولریزم ھے جو دین کو زندگی کی ایک سائڈ کا کام کھتا ھے جس کا ماننا یہ ھے کہ دین کو زندگی کے اھم کاموں میں دخالت نھیں کرنا چاھئے، اور دین کو اھم مسائل کے عنوان سے پیش نھیں کیا جانا چاھئے اور زندگی تمام مسائل کو تحت تاثیر قرار نہ دے، جبکہ اسلام یہ کھتا ھے کہ کوئی ایسا موضوع نھیں ھے جو حلال وحرام سے خارج ھو، اور کسی بھی چیز کے حلال یا حرام ھونے کو دین معین کرتا ھے ، یہ نظریہ سیکولریزم کا نقطۂ مقابل ھے۔

تیسرا مسئلہ لیبرالیزم ھے؛یعنی آزادی ،ھوس بازی اور کسی قید وشرط کا نہ ھونا،لیبرالیزم یعنی اصل اپنی مرضی ھے، کیونکہ آزادی کے مختلف معنی کئے گئے ھیں لیکن یھاں اس کے معنی دلخواہ لیتے ھیں ، اس لیبرالیزم کے مقابلہ میں حق وعدالت او رانصاف ھے،لیبرالیزم کھتی ھے کہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کیا جائے جبکہ الٰھی ثقافت کھتی ھے کہ حق وعدالت سے کام لینا چاھئے،اور کوئی بھی ایسا کام نہ کیا جائے جو ناحق ھو، اسی طرح عدالت کی رعایت کی جائے، البتہ ان دونوں میں آپس میں رابطہ ھے کیونکہ حق کے کماحقہ معنی کئے جائیں تو عدالت کو بھی شامل ھوتا ھے:

''العَدالةُ اعطاءُ کلِّ ذی حقٍّ حَقَّہ (عدالت ھر صاحب حق کو اس کا حق عطاکرتی ھے) پس عدالت میں حق پوشیدہ ھے، لیکن اس وجہ سے کہ اس میں کوئی غلط فھمی نہ ھو ان دونوں اصولوں کو ذکر کرتے ھیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ لیبرالیزم دلخواھی کو اصل ماننے کے نظریہ پر اعتقادرکھتی ھے ،اور اس کے مقابلہ میں دین عدالت وحق کا طرفدار ھے، دوسرے الفاظ میں یوں عرض کیا جائے کہ واقعاً حق وباطل دونوں ھیں ایسا نھیں ھے کہ جو بھی چاھیں مان لیں بلکہ ھمیں چاھئے کہ تلاش کریں کہ حق کیا ھے اور باطل کیا ھے؟ کیا عدالت ھے او رکیا ظلم ھے؟ اگر میں کسی پر ظلم کو اچھا مانوں تو کسی پر ظلم نہ کروں: لیبرالیزم کا تقاضا یہ ھے کہ ھم حق وعدالت کی رعایت وھاں تک کریں کہ اس کی مخالفت سے معاشرے میں بحرانی کیفیت طاری نہ ھو، ھر کوئی اپنے فائدہ کی فکر میں رھے۔

کھا جاتا ھےکہ مروّت وانصاف ایسی چیزینھینجن کو انسان کمزوری کی وجہ سے ان کو اپنا تا ھے، اگر آپ میں طاقت وقدرت ھے تو پھر جو چاھو انجام دو، مگر یہ کہ آپ کو احساس ھوجائے کہ اس آزادی سے معاشرہ میں بحران ھوسکتا ھے اور اس وقت بحران کی زد میں وہ خود بھی آسکتا ھے اس کا وقت محدود ھوجاتا ھے ، پس الٰھی واسلامی تمدن میں اصل عدالت وحق ھے۔

غربی تمدن میں ان تین ارکان کے علاوہ بھی او ردوسری چیزیں ھیں کہ یاتو عمومی نھیں ھے یا اصالت نھیں مانا جاتا، کہ جن میں سے ''اخلاقی پوزیٹونیزم'' (Positivisme) ھے یعنی اخلاقی ارزشیں انسان کے سلیقہ او رمرضی کے مطابق ھینکہ جن کی کوئی حقیقت نھیں ھے، مثلاً آج اگر کسی چیز کو پسند کیا اور اس کو اچھا لگا او راس کی حمایت میں ووٹ دیا تو یہ باارزش ھوجائے گا، لیکن اگر بعد میں اس میں کوئی برائی دکھائی دی،تو اس کو چھوڑ دیا تو یہ ارزش کے خلاف

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہوجائے گا۔
ہم نے متعدد بار عرض کیا ہے کہ ہمارے معاشرے کے لوگ چونکہ ان کا ذہن صاف ہے ، وہ جانتے ہیں کہ مغربی تمدن کس قدر برا ہے، مثال کے طور پر کہ جس معاشرے میں ہم جنس بازی کو بہت برا سمجھاجاتا تھا آج اسی کو قبول کیا جارہا ہے، اس کو اچھا مانا جارہا ہے، اس کے بارے میں بہترین فلسفہ تراشی او ربہترین اشعار پیش کئے جاتے ہیں اور باقاعدہ اس بارے میں انجمن بنائی جاتی ہیں کہ ملک کے بڑے بڑے عہدہ دار افراد، منسٹر اور ایڈوکیٹ حضرات اس انجمن کے ممبر بنائے جاتے ہیں!!
سننے کی بات ہے کہ اس کام کی حمایت میں جو مظاہرے ہوتے ہیں ان کی تعداد عام مظاہروں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ لوگوں کا سلیقہ بدل چکا ہے ،اب تک ان میں یہ رواج تھا کہ مخالف جنس کے ساتھ زندگی ہوتی تھی، لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم جنس کے ساتھ زندگی کو ترجیح دیتے ہیں !! مرد سے مرد او رعورت سے عورت کی شادی کو باقاعدہ طریقوں سے حکومتی اداروں میں درج کرایا جاتا ہے!!
اس نظریہ کو ''اخلاقی پوزیٹونیزم'' کا نام دیا جاتا ہے کہ واقعاً جس میں اخلاقی اھمیتیں کسی بھی طرح عقلانی نہیں ہیں اور صرف لوگوں کی مرضی پر ہے ، معیار لوگوں کے نظریات ہیں آج جس چیز کو بھی اچھاکھا وھی اچھا ہے اور اگر اسی کام کل برا کھنے لگیں تو برا ہے، لوگوں کی مرضی کے ماوراء کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو ارزشوں کا ملاک ومعیار بنایا جائے؛ یہ ایک نظریہ ہے نیز اسی طرح کے بہت سے نظریات ہیں جن کو بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں، پس جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ مغربی تمدن کے تین اھم رکن ہیں:
1-اومانیزم، 2- سیکولریزم، 3- لیبرالیزم، اور یھی تین اھم رکن قانون گذاری میں بہت زیادہ موثر ہوتی ہیں

6- آزادی کے حدود کو معین کرنے میں اسلام اور مغربی تمدن میں فرق
جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ دنیا بھر کے تمام عقلمند افراد ،مطلق آزادی کا انکار کرتے ہیں،اور ہم کسی عاقل کو نہیں پھچانتے کہ جو یہ کھے کہ انسان اس قدر آزاد ہے کہ جس وقت جو چاھے انجام دے، لہٰذاجب یہ معلوم ہوچکا ہے کہ آزادی مطلق نہیں ہے بلکہ محدود ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزادی کی حد کیا ہے؟ مشہور یہ ہے کہ آزادی کی حد کو قانون بیان کرتا ہے ، یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ قانون کس درجہ آزادی کو محدود کرسکتا ہے؟
ہم نے گذشتہ مطالب میں بیان کیا کہ بعض لوگوں کایہ کھنا ہے کہ کچھ اس طرح کی آزادیاں ہیں کہ جن کو کوئی بھی قانون محدود نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ قانون اوردین کے مافوق ہیں، اور ہم نے گذشتہ جلسوں میں یہ وضاحت کی ہے کہ قانون کی شان آزادی کومحدود کرنا ہے اور قانون گذار کو آزادی کو کافی حد تک محدود کرنے کا حق ہوتا ہے، اور قانون کے اصل معنی ھی یھی ہیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانون آزادی کو کس حد تک محدود کرسکتا ہے، اس کا جواب الٰہی ومغربی تمدن کے لحاظ سے الگ الگ ہے: مغربی تمدن کے لحاظ سے ،اگر انسان کا مادی خطرہ درپیش ہو تو اس وقت آزادی محدود ہوجاتی ہے اگر انسان کی زندگی میں اس کی جان ومال کو خطرہ لاحق ہوتو قانون آگے بڑہ کر اس کے مانع ہوجاتا ہے۔
اس بناپر ،اگر قانون یہ ہے کہ صفائی کا خیال رکھنا ضروری ہے یا یہ کہ پینے کے پانی کو زھریلا نہیں کرنا چاھئے، (کیونکہ اس سے لوگوں کی جان کا خطرہ ہے، )اس طرح کی آزادی کو محدود کرنا قابل قبول ہے ،ایسی آزادی کو محدود ہونا چاھئے تاکہ لوگوں کی صحت محفوظ رہے، او راس قانون کے قبول کرنے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، لیکن اگر کسی کام سے لوگوں کی عزت ، ہمیشگی سعادت اور اس کی معنویات کو خطرہ ہو اور انسان کی روح گندی ہوجائے تو قانون کو اس سے ممانعت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس موقع پر الٰہی او رمغربی ثقافت میں اختلاف پایا جاتا ہے:
الٰہی نظریہ کے تحت انسان ہمیشگی کمال کی طرف بڑہ رہا ہے او رقانون کو اس کے لئے راستہ کو ہموار کرنا چاھئے، او راس راستہ میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو بھی ختم کرنا چاھئے، (قانون سے ہماری مراد وہ قانون ہے جو حقوقی وحکومتی قانون ہیں کہ جن کے جاری کرنے کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے اور فردی مسائل (اخلاقی مسائل) سے ہماری بحث نہیں ہے) اگر یہاں یہ سوال ہو کہ کیا قانون کو انسان کے معنوی فائدوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے؟ کیا ان چیزوں سے روکے کہ جو انسانی آخرت کی کامیابی کے خطر کو دور کرنا ضروری ہے؟
الٰہی تمدن کھتا ہے کہ ان چیزوں سے روکنا ضروری ہے ، لیکن کفروالحاد کی ثقافت کا جواب منفی ہے ( یعنی ان کی نظر میں ضروری نہیں ہے ) شروع سے اب تک بحث اسی مطلب کو واضح کرنے کے لئے تھی اگر ہم مسلمان ومومن ہیناور خدا، رسول، حضرت علی . اور امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کو مانتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان معنوی وابدی ارزشوں کو قبول کریں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھمارے قانون گذار حضرات الھٰی ومعنوی مصلحتوں کا لحاظ رکھیناور جو چیز انسانی معنویات کے لئے خطرناک ھیں ان سے روکا جائے ورنہ مغربی تمدن کے پیرو ھوجائیں گے، ایسا نھیں ھے کہ قانون فقط صحت وسلامتی او رمادی آسائش کو فراھم کرے اور جو چیزیں معاشرے میں ناآرامی کا سبب بنے ان سے روکے، نیزان کاموں سے روکے کہ جن سے معاشرے کی اقصادی امنیت خطرہ میں پڑتی ھے، بلکہ قانون کے لئے ضروری ھے کہ معنویات کوبھی مدنظر رکھے، ھمارے سامنے دو چیزیں ھیں : یا اسلامی قانون کو قبول کریں یا مغربی قانون کو،البتہ ان دوچیزوں میں بھت سی ملاوٹ موجود ھے کہ جس کو ھم نے گذشتہ بحث میں ذکر کیا ھے ۔

جو لوگ یہ کھتے ھیں : ''یُؤْخَذُ مِنْ ھٰذا ضِغْثٌ وَمِنْ ھٰذا ضِغْثٌ فَیُمْزِجٰانِ''(1.)

تھوڑا یھاں سے لیا اور تھوڑا وھاں سے او رآپس میں ملادیا۔

کچھ چیزیں اسلام سے لیں اور کچھ چیزیں مغربی تمدن سے اور ایک غیر ھم آھنگ مجموعہ بنالیا ، اسلام اس طریقہ کو قطعاً پسند نھیں کرتا، قرآن کریم اس چیز کی مذمت کرتے ھوئے فرماتا ھے:

(إِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہ وَیُرِیْدُوْنَ أَنْ یُفَرِّقُوا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہ وَیَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبِعْضٍ وَنَکْفُرُبِبِعْضٍ وَیُرِیْدُوْنَ أَنْ یَتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلاً أُوْلٰئِکَ ھمُ الْکَافِرُوْنَ حَقاً ...)(2)

''بے شک جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں سے انکار کرتے ھیں اور خدا اور اس کے رسولوں میں تفرقہ ڈالنا چاھتے ھیں او رکھتے ھیں کہ ھم بعض (پیغمبروں) پر ایمان لائے ھیں اور بعض کا انکار کرتے ھیں اور چاھتے ھیں کہ اس (کفر وایمان) کے درمیان ایک دوسری راہ نکالیں، یھی لوگ حقیقتاً کافر ھیں''

آج بعض لوگ یھی چاھتے ھیں کہ کچھ چیزیں اسلام سے لیں اور کچھ چیزیں مغربی تمدن سے لیں اور ان کو ملاکر جدید اسلام کے نام سے دنیا والوں کے سامنے پیش کریں ! حقیت یہ ھے کہ ان لوگوں کا اسلام پر یقین نھیں ھے، اور اگر اسلام پر یقین ھوتا تو ان کو معلوم ھوتا کہ اسلام اس مجموعہ کا نام ھے کہ جس کی ضروریات کو قبول کرنا چاھئے، اگر کوئی یہ کھے کہ میں نے اسلام تو قبول کرلیا ھے لیکن اس کی بعض چیزوں کو نھیں مانتا، تو اس کی یہ بات قابل قبول نھیں ھے، لھٰذا قانون گذاری اور آزادی کو محدود کرنے میں ھمارے پاس ان دو راستوں کے علاوہ کوئی اور راستہ نھیں ھے ، او ران میں سے ایک کا انتخاب ضروری ھے : یا تو آزادی کو محدود کرنے کا معیار مادی ودنیوی خطرات مانیں یا مادی او رمعنوی خطرات کو معیار قرار دیں، او راگر پھلے راستہ کو اپنایا تو گویا ھم نے مغربی الحادی تمدن کو قبول کرلیا، اگر دوسرے راستہ کو اپنا یا تو اسلامی تمدن کو قبول کیا، اور جس حد تک بھی پھلے والے راستہ کے نزدیک ھوئے، مغربی تمدن کے قریب ھوئے، او رجس قدر بھی دوسرے تمدن کے نزدیک ھوئے اسلام سے نزدیک ھوئے، بھرحال ان دونوں میں کوئی رابطہ نھیں ھے، کیونکہ جھاں تک مادی فائدوں کی بات ھوتی ھے تو وھاں مغربی تمدن او راسلامی تمدن دونوں کھتے ھیں کہ ان کا خیال رکھا جائے مثلاً دونوں کھتے ھیں کہ صفائی کا خیال رکھا جائے، لیکن جھاں معنوی مسائل کی بات آتی ھے تو وھاں اختلاف پیدا ھوجاتا ھے۔

جس وقت صرف مادی فائدے پیش نظر ھوں تو آزادی محدود کردیا جاتا ھے ، اگر اس کے ساتھ معنویات کو شامل کردیا جائے تو اس کے مقابلہ میں دوچیزیں ھوجاتی ھینکہ جو ایک دوسرے کے متداخل ھوتے ھیں،کہ جس کے نتیجہ میں محدودیت کا دائرہ وسیع تراور آزادی کا دائرہ محدودتر ھوجاتاھے، اگر ھم یہ کھیں کہ اسلام کی آزادی مغربی آزادی کی طرح نھیں ھے تو اس کے معنی یھی ھیں یعنی دلیل یہ ھے : کہ جب ھم معنوی مصلحتوں کی رعایت کرتے ھیں تو پھر مغرب کی طرح بے لگام نھیں ھوسکتے، بلکہ انسانی روح سے متعلق امور کی بھی رعایت کرنا ضروری ھے، جن کی وجہ سے ھماری آخرت سنورتی ھے، لیکن مغربی تمدن کھتا ھے کہ یہ تمام چیزیں اجتماعی قوانین سے متعلق نھیں ھیں، حکومتی قوانین معاشرہ کے مادی مسائل میں جاری ھوتے ھیں، او ران کے علاوہ اخلاق سے مربوط ھیں کہ جن کا سروکار حکومت سے نھیں ھے۔

جس وقت یہ کھا جاتا ھے کہ اسلامی مقدسات خطرہ میں ھے حکومت کے بعض ذمہ دار افراد کھتے ھیں کہ مجھ سے کیا ربط! میرے کام تو لوگوں کی زندگی کے مادی مسائل سے مربوط ھیں، دین کے مسائل علماء سے متعلق ھیں، اس کی حفاظت کرنا ان کی ذمہ داری ھے، حکومت کا ان سے کوئی مطلب نھیں ھے، لیکن اگر اسلامی حکومت ھوتی ھے تو پھلے دین پھر دنیا کی بات کرتی ھے۔

اس بناپر ، ان دونونتمدن کے پیش نظر بھت غور وخوض سے کام لیں او رھمیں معلوم ھونا چاھئے کہ جس وقت ھمارے قدم اسلامی ارزشوں کے مقابلہ میں لڑ کھڑائیں اور اپنے اندر کاھلی کا احساس کریں ، تو اس کی وجہ یہ ھے کہ ھم کفر کے ماحول سے نزدیک ھوتے جارھے ھیں، اور اسلام کی حقیقت کو بھولتے جارھے ھیں، ھمارا یہ انقلاب صرف مادی فوائد کو پورا کرنے کے لئے نھیں ھوا ھے ، بلکہ ھم نے یہ انقلاب اسلام کی ترقی کے لئے کیا ھے، کیونکہ اس انقلاب میناس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قدرلوگ شہید ہوئے ، اپنے عزیزو کی قربانی پیش کی، صرف اس وجہ سے کہ اسلام باقی رہے، نہ صرف اس وجہ سے کہ مادی آسائش یا اقتصادی وسیاسی تعلقات میں اضافہ ہو، ان شہیدوں نے اپنی جان کو قربان کیا تاکہ اسلام پھیلے ، اسلامی حکومت کے لئے سب سے پہلے اسلامی مسائل پر توجہ دینا ضروری ہے، او راگر کوئی بعض چیزوں کے غلط معنی وتفسیر کرے او رمختلف مفاد کی خاطر حقائق کی تحریف کریں ہمیں ان سے کوئی مطلب نہیں ، ہم تو مسلمانوں کو متوجہ کرناچاہتے ہیں کہ دین کی حد کہاں تک ہے؟ اسلامی ارزشیں کتنی اہم ہیں اور ان کی محافظت کے لئے کس قدر جانفشانی کی ضرورت ہے؟ ہمارے برادران واقف ہیں، اسی لئے ایک عالم دین کی یہ ذمہ داری ہے کہ جس وقت معاشرہ میں کسی روحانی ومعنوی بیماری کے پھیلنے کا خطرہ ہو تو لوگونکو متوجہ کریں اور خطرے کا اعلان کرے۔

حوالہ
1۔نہج البلاغہ خطبہ نمبر 50
2۔سورہ ٔ نساء آیت 150، 151

اسلام اور سیاست جلد(۱)

سترھواں جلسہ

**ربوبیت تشریعی، حاکمیت اور قانون گزاری میں رابطہ**

1۔گذشتہ مطالب پر ایک نظر
اسلام کے سیاسی نظریے کے تحت ہم نے گذشتہ جلسات میں عرض کیا کہ ایک حکومت کا اسلامی ہونا اس بات پر متوقف ہے کہ اس حکومت کے ارادے ،اسلامی مقاصد اور اس کا معین کردہ راستہ کو اپناتے ہوئے قدم بڑھا ئیں،لھذا وہ حکومت، اسلامی کہ جس میں قانوں گزار یاور، عدالت یاور اور مجری یاور اسلامی راہ پر چلیں، یا یہ کہا جائے کہ خدائی اور اسلامی رنگ ہونا چاہیے،اور اجمالی طور پر وضاحت کر دی گئی کہ ان طاقتوں کا الھی و اسلامی رنگ ہونا معنی کیا۔
اسی طرح یہ بھی بیان ہو چکا کہ قوانین کے لیے مرحلے ہیں ،اسلامی مقاصد کو مد نظر رکھا جائے اور یہ قوانین خدا کے براہ راست احکام کہ جو پیغمبریا انکے معصوم جانشینوں کے ذریعے پھونچے میں کے مخالف نہ ہوں،اوردوسرے مرحلہ میں قانون کا جاری کرنے والا عام معنوں میں کہ قوۂ قضائیہ کو شامل ہے کے ذریعے منصوب ہو،یا تو خدا براہ راست اس کو معین کرے،جیسے پیغمبر اکرم یا خدا کی طرف سے کسی کے ذریعہ منصوب ہو، جیسے پیغمبر کے ذریعہ ائمہ معصومین علیھم السلام کو منصوب کرنا، یا عمومی طور پر منصوب ہو،جیسے ولی فقیہ کہ جس کے بارے میں در حد امکان بحث ہو چکی ہے۔

2۔اصول موضوعہ کو معین کرنے کی ضرورت
اس چیز کو ثابت کرنے کیلئے کہ ایک اجتماعی اور صحیح و سالم حکومت مذکورہ شکل و صورت رکھتی ہو،اور ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا کہ اگر ہم اس مسئلہ کو ان لوگوں کیلئے بیان کریں کہ جو ہمارے فقہی و اعتقادی بنیادوں پر عقیدہ رکھتے ہیں، تو ان کے لئے شرعی دلیلوں خصوصاً قرآنی آیات کے ذریعہ ثابت کر سکتے ہیں، لیکن وہ حضرات جو دین کی حقانیت ، یا دوسرے بنیادوں کو کہ جو اس نظریہ کی بنیادیں قبول نہیں کرتے،لھذا اگر ان افراد کے لئے اس نظریہ کو ثابت کرنا ہے تو پہلے اصول موضوعہ کے بارے میں بتانا پڑے گا کہ اس بحث کے اصول موضوعہ کیا ہیں؟ اور پہلے ان کو اصول موضوعہ کو ثابت کرنا ہوگا، اصول موضوعہ ان مسائل کو کہتے ہیں کہ جو بدیہی اور ظاھر ی چیزوں سے شروع ہوتے ہیں اور اس نظریہ پر ختم ہوتے ہیں۔
جو لوگ استدلال حساب یا ہندسہ کے ذریعے کچھ چیزوں کو ثابت کرنے کے طریقوں سے واقفیت رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہندسی بحثیں اس طرح شروع ہوتی ہیں کہ پہلے کسی قضیہ کو اصل موضوع کے عنوان سے بیان کیا جاتا ہے، اور اس کی بنیاد پر دوسرے قضیہ کو ثابت کیا جاتا ہے اور اس طرح قضیہ سوم کو اثبات کرتے ہیں اور اس طرح چوتھے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور پانچویں کو اثبات کرتے ھیں اور اس طرح آگے بڑھتے چلے جاتے ھیں اور اگر بیسوں قضیوں کو ثابت کرنا چاھیں تو اس کیلئے انیسوں قضیہ کو پہلے سے ثابت ھونا ضروری ھے اور اس طرح انیسویں کو ثابت کرنے کے لئے اس سے پہلے والا قضیہ ثابت ھونا چاھیے۔
اگر کسی کے لئے کسی ایک قضیہ کو ثابت کرنا ھو تویھان پر یہ دیکھنا ھوگا کہ وہ اس سے پہلے قضیوں کو کھاں تک درک کیا ھے، تاکہ ان کو بحث کا اصل موضوع قرار دیں وگرنہ اگر ھر ایک قضیہ کو اثبات کرنے کیلئے پہلے والے قضیوں کے اثبات کو تکرار کرنا پڑے گا،مثال کے طورپر جب ایک سیدھی لائن کی تعریف دونقطوں کے درمیان چھوٹے فاصلہ یا دونوں ایک دوسرے کے مقابل لائن آپ ان کو کتنا بھی بڑھائیں وہ ایک دوسرے کو قطع نھیں کرسکتی ھیں ان کو بیان کریں ،اسی طرح ھر ایک قضیہ کو بیان کرنے کیلئے کوئی نئے مسائل کوبیان کرنے کی ضرورت نھینھوتی، بلکہ ھمیشہ گذشتہ مطلب ھی کی تکرار ھوتی رھتی ھے۔
اسی طرح اگر کسی ایک عقلی قضیہ کو ثابت کرنا چاھیں تو اس کے اصول موضوعہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ھے،کہ جن کو الگ کسی دوسرے علم یا دوسری بحثوں میں ثابت کیا جا چکا ھے، مثال کے طور پر اگر یہ کھیں کہ قانون کو الٰھی قانون ھونا چاھیے تو خدا کا اثبات ثابت ھونا ضروری ھے ، لھٰذا اگر کوئی کھے کہ میں خدا ھی کو نھیں مانتا تو پھر اس کے ساتھ کلامی اور فلسفی بحث کرینتاکہ اس پر ثابت ھوسکے کہ ھاں خدا بھی ھے،اور وہ خدا ایک ھے اور ھمارا رب ھے، تا کہ بحث کے دوران حکومت کے سلسلہ میں حکومت کی نسبت خدا کی طرف دی جاسکے۔
لھٰذا اگر اصول اولیہ سے بحث شروع کریں تو یہ بحث تکراری اور خستہ کنندہ ھوگی، مجبوراً اس اصل کو بیان کریں جس کو مد مقابل بھی قبول کرتا ھے اور دور کی بحثوں کو اس کے علم پر چھوڑ دیں ،البتہ اس کا یہ مطلب نھیں کہ جب ھم ھندسہ کے دسویں قضیہ سے بحث کو شروع کریں تو اس سے پہلے قضیوں کو اثبات نہ کیا جا سکے،کیونکہ ان کو تو پہلے ثابت کرچکے ھیں ،لھذا جن اصولوں کو پہلے ثابت کر چکے ھیں ان سے بعد میں نتیجہ حاصل کرتے ھیں ، اس نکتہ کو بیان کرنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ھیں کہ آپ اپنے مبانی(بنیادی نظریات) کے اعتبار سے گفتگو کرتے ھیں جبکہ دوسرے ان کو قبول نھیں کرتے،لھذا ان حضرات کے جواب میں یہ عرض کرتے ھیں کہ ھمارا مخاطب بھی ھمارے ساتھ بھت سی چیزوں کو مانتا ھے تاکہ ان کی بنیاد پر دوسری چیزوں کو ثابت کیا جا سکے اور اگر ان اصول و مقدمات کو نھیں مانتا تو پھر دوسرے علم کی طرف رجوع کریں اور وھاں ان مقدمات کو ثابت کریں۔
یھاں اس چیز کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ھے کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ھیں کہ آپ نے مغربی ثقافت کو ”اور مانیرم و لیرالیزم“کی بنیاد پر اس کو کفر والحاد کی ثقافت بتایا ھے جبکہ مغربی ممالک میں بھت سے افراد خدا کو ماننے والے ھیں،ھم نے مکرر عرض کیا ھے کہ مغربی ثقافت سے مراد صرف جغرافی علاقہ نھیں ھے اور ھماری مراد یہ نھیں ھے کہ وہ سبھی لوگ جو مغربی ممالک میں زندگی بسر کرتے ھیں اس طرح کا نظریہ رکھتے ھیں کیونکہ وھاں پر بھت سے لوگ خدا کو مانتے ھیں اور اخلاقی قوانین کی رعایت کرتے ھیں اور ھم ان کا احترام کرتے ھیں لیکن مغربی ثقافت میں جو چیز عمل ھے وہ انھیں اصول پر مبنی نھیں کرتے، بعض خود ان کو یہ معلوم نھیں ھوتا کہ ھم کس منطق کے تحت گفتگو کر رھے ھیں، جو حضرات اھل بحث و استدلال ھیں اس طرز تفکر کی بنیاد کی معرفت رکھتے ھیں؟اسی طرح ھم نے اس سے قبل التقاط(دوسروں کے نظریات سے متاثر ھونا) کے بارے میں بیان کیا کہ بعض لوگ مختلف ادیان سے کچھ چیزوں اخذ کرکے ایک جگہ جمع کرتے ھیں، ان چیزوں کی استدلالی اور بنیادی کو پھلو کو ثابت کئے بغیر،کیونکہ کبھی کبھی یہ چیزیں آپس میں سازگار اور ھم آھنگ نھیں ھوتیں،در نتیجہ ھم یہ عرض کردینا چاھتے ھیں کہ اگر ھمارے تمام عقائد کو ملاحظہ کیا جائے تو اس طرح کے اشکالات ھمارے یھاں نھیں پائیں گے۔
بھر حال اس چیز کو اثبات کرنے کیلئے کہ ھمارا یہ سیاسی نظام و حکومت جو اسلامی نقطہ نظر سے ھے اور سب سے زیادہ عقلائی اور سب سے زیادہ حکیمانہ ھے، لھٰذا ھم اس کا استدلال شروع کرتے ھیں،ھم یھاں پر خدا کے اصل وجود اور انھیں صفات کو مسلم مانتے ھوئے اسی بنیاد پر اس مسئلہ کو بھی اثبات کرتے ھیں،گر چہ کچھ لوگ خدا کو قبول نھیں کرتے یا اس کے بعض صفات کو نھیں مانتے تو ان کو چاھئے کہ علم کلام کا مطالعہ کریں کیونکہ اس وقت ھماری بحث علم کلام میں نھینھے بلکہ سیاسی فلسفہ سے متعلق ھے لھٰذا یھاں پر علم کلام کی بحث نھیں کی جا سکتی۔

3۔خدا کی حاکمیت اور تشریعی الوھیت

ھم نے پہلے بھی اشارہ کیا تھا کہ اسلامی حکومت کے سیاسی نظام کی اصل بنیاد خداوند عالم کی حاکمیت ھے، در حقیقت اس نظریہ کا سرچشمہ خدا کی تشریعی ربوبیت کا قائل ھونا ھے،اس سلسلہ میں اس مطلب کی یادھانی بھی ضروری ھے کہ نہ صرف یہ کہ اسلام کا بلکہ تمام آسمانی ادیان کا معیار توحید ھے،کلمہ" لا الہ الااللّٰہ" ھے، جو ھمارے نبی اکرم کا اصلی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نعرہ ہے،اور یھی تمام ادیان کا نعرہ تھا، اگرچہ اس میں تھوڑی بہت تحریفات ہوتی ھیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ھے کہ" لا الہ الااللہ کا کیا مطلب ھے؟ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ھے کہ توحید کے معنی یہ ھیں کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اس جہان کا خالق و پیدا کرنے والا ایک ھے،لیکن کیا توحید کے یھی معنی ھےں؟ بعض" لا خالق الا اللہ" (خدا کے علاوہ کوئی خالق نھیں ھے) کیا اسلام کی نظر میں توحید کے معنی صرف خلقت میں یگانیت و وحدانیت کا اعتقاد رکھنا ھے؟ چند سال پھلے اسلام کے نظام عقیدتی و نظام ارزشی میں توحید کے عنوان سے بحث میں ھم نے بیان کیا تھاکہ توحید کا مطلب یہ نھیں ھے کہ انسان خالقیت میں یگانیت و وحدانیت کا قائل ھو جائے، اسلام کے لحاظ سے توحید کے معنی اس میں محدود نھیں ھیں، مکہ کے مشرکین بھی خالقیت میں توحید کا عقیدہ رکھتے تھے ۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے :

( وَلَئِنْ سَأَلْتَهمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰاتِ وَالأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰه ...)(1)

''اور (اے رسول) تم اگر ان سے پوچھو کہ سارے آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کھہ دیں گے کہ اللہ نے ''

اس طرح شیطان بھی خدا کے وجود کا اعتقاد رکھتا تھا اور خالقیت میں توحید کو قبول کرتا تھا لیکن خدا نے پھر بھی اس کو کافروں میں شامل کردیا

جیسا کہ قرآن مجید میں ابلیس کی خدا سے گفتگو سے نتیجہ نکلتا ھے کہ وہ توحید در خالقیت اور خدا کی تکوینی ربوبیت کا معتقد تھا نیز معاد و عاقبت کا بھی اعتقاد رکھتا تھا:

(قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِی إِلٰی یَومِ یَبْعَثُوْنَ.قَالَ فَإِنَّکَ مِنَ الْمُنْتَظَرِیْنَ.إِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ. قَالَ رَبِّ بِمَآ أَغْوَیْتَنِی لَأُزَیِّنَنَّ لَهمْ فِی الأَرْضِ وَلَأُغْوِیَنَّهمْ أَجْمَعِیْنَ) (2)

''شیطان نے کھا کہ ا ے میرے پروردگار خیر تو مجھے ا س دن تک کی مھلت دے جبکہ (لوگ دوبارہ زندہ کرکے) اٹھائے جائیں گے خدا نے فرمایا: وقت مقرر کے دن تک کی تجھے مھلت دی گئی ، شیطان نے کھااے میرے پروردگار چونکہ تونے مجھے راستہ سے الگ کیا ھے، میں بھی ان کے لئے دنیا میں (ساز وسامان کو) عمدہ کردکھاؤں گا او رسب کو ضرور بھکاؤں گا۔''

نتیجہ یہ نکلا کہ شیطان بھی توحید در خالقیت اور خدا کی تکوینی ربوبیت کا قائل تھا اور قیامت پر بھی اعتقاد رکھتا تھا اب دیکھنا یہ ھے کہ اس کے کفر کی وجہ کیا تھی؟ شیطان کے کفر کی وجہ کو پھچاننے کے لیے ضروری ھے کہ پھلے اسلامی نقطہ نظر سے توحید کا نصاب پھچاننا پڑے گا، یعنی اسلامی لحاظ سے انسان کب موحد یعنی اھل توحید بنتا ھے ؟ تو جواب یہ ھے کہ خلقت میں خدا کی وحدانیت خدا کی تکوینی و تشریعی الوھیت میں وحدانیت اور وحدت معبود کے اعتقاد سے انسان موجود بنتا ھے یعنی انسان خدا کو تنھا خالق مانے اور اسی کو کردگار، صاحب اختیار جھان، اور اصل قانون گذار مانے، اور الوھیت و عبودیت میں توحید کے اعتقادکے ساتھ ساتھ اس کو عبادت کا مستحق مانے، توحید کے نصاب کی پھچان سے معلوم ھوا کہ شیطان کے کفر کی وجہ خدا وند عالم کی تشریعی ربوبیت کا انکار تھا خدا و ند عالم کی تکوینی ربوبیت کاانکارنھیں تھا۔

اس طرح خداوند عالم اپنے رسول کو حکم دیتا ھے کہ اھل کتاب سے بحث کرتے وقت ان عقائد کی طرف دعوت دیں کہ جن میں خود آپ اور وہ لوگ مشترک ھیں، اور وہ اعتقاد خدا کی وحدانیت اور اس کی عبودیت کا عقیدہ ھے اس کے بعد خداوند عالم ایک جملہ ارشاد فرماتا ھے، جس کا نتیجہ یہ ھے کہ اھل کتاب کو ان کے غیر خدا کی تشریعی ربوبیت کے عقیدہ سے روکے، کہ جس کی وجہ سے وہ اس دائرہ میں پھونچ چکی ھیں:

( قُلْ یَا أَهلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ إِلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّٰه وَلاَنُشْرِکَ بِه شَیْئاً وَلاَیَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰه) (3)

''(اے رسول) تم (ان لوگوں) سے کھو کہ اے اھل کتاب تم ایسی(ٹھکانے کی) بات پر تو آؤ جو ھمارے اور تمھارے درمیان یکساں ھوکہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریںاور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیںاور ھم سے کوئی خدا کے علاوہ کسی کو اپنا پروردگار نہ بنائے۔''

اس آیت کی تفسیر میں جو روایات وارد ھوئی ھیں ان کا مضمون یہ ھے کہ اھل کتاب اپنے جیسے افراد کو اپنا خالق نھیں مانتے تھے بلکہ اپنے احبار و رھبان (روحانی علماء) کو اپنا تشریعی رب مانتے تھے اور ان کے حکم کو خدا کا حکم سمجھتے تھے۔ قرآن مجید میں احبار و رھبان کی بدون قیدو بند اطاعت کو رب ماننے کے مترادف کھا ھے: ً''وَلاَیَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰه"یعنی اپنے بزرگوں کی بدون قید و شرط اطاعت نہ کروکہ یہ کام ایک طرح کا شرک ھے لیکن یہ شرک تکوینی خالقیت و ربوبیت کا شرک نھیں ھے اور نہ ھی الھیت وعبودیت کا شرک ھے، کیونکہ وہ لوگ احبار

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

و رھبان کی عبادت نھیں کرتے تھے بلکہ ان کا شرک تشریعی ربوبیت میں تھا،یعنی خدا کے ساتھ ساتھ ان کو بھی قانون گذار مانتے تھے، کھتے تھے کہ خدا کے علاوہ دوسرے افراد اور خود پر بھی قانون بنانے کا حق رکھتے ھیں ،یعنی ایسا نھیں ھے کہ صرف خداوند عالم کا قانون معتبر ھو، اور جو بھی کھے اس کی اطاعت کرنا ضروری ھو؟
جس طرح شیطان بھی خدا کی تشریعی ربوبیت کا منکر ھوا،اور اس نے کھا: ”أَنَا خَيْرٌ مِنْہ" (میں اس سے بھتر ھوں)مجھے جناب آدم ۔ کو سجدہ نھیں کرنا چاھیے جبکہ خدا کا حکم ھے کہ جناب آدم کو سجدہ کر،شیطان نے کھا میں آدم کو سجدہ نھینکروں گا ،کیونکہ میں اس سے بھتر ھوں، یعنی شیطان خداوندعالم کے اس حکم کو تسلیم نہ کرتا تھا، دوسرے الفاظ میں یوں عرض کیا جائے کہ شیطان حق حاکمیت کو خدا سے مخصوص نھیں سمجھتا تھا، جس کی وجہ سے کافر ھوگیا، ورنہ تو وہ خدا اور اس کی ربوبیت اور قیامت کا منکر نہ تھا، شیطان کے کفر کی وجہ خدا کی مطلق حاکمیت کا انکار تھا، اسلام جس کفر کی نسبت اھل کتاب کی طرف دیتا ھے اور اس سے روکتا ھے اور توحید کی طرف دعوت دیتا ھے وہ تشریعی کفر و شرک ھے،جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:
(اتَّخِذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوْا إِلاَّ لِيَعْبُدُوْا إِلٰهاً وَاحِداً (4)
”ان لوگوں نے تو اپنے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور اپنے زاھدوں کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو اپنا پروردگار بناڈالا حالانکہ انھیں سوائے اس کے او رحکم ھی نھیں دیا گیا کہ خدائے یکتا کی عبادت کریں۔“
وہ لوگ کبھی بھی احبار و راھبوں کو سجدے نھیں کرتے تھے، لیکن بغیر کسی قید وشرط کی اطاعت کو ان کو ربّ ماننے کے برابر سمجھا گیا ھے، درحقیقت وہ لوگ قانون گذاری کو خداوند عالم میں مخصوص نھیں جانتے تھے۔

4۔خالص توحید کا مطلب

خالص توحید وہ ھے کہ جو اِن شرکوں سے خالی ھو، نہ شیطان جیسا شرک ھو اور نہ اھل کتاب والا شرک، اسلام میں توحید کا حد نصاب خدا کی توحید خالقیت، اس کی معبودیت اور اب ولایت تکوینی کے اعتبار کے ساتھ ساتھ تشریعی ربوبیت میں توحید کا اعتقاد بھی ضروری ھے، پس توحید کے یہ چار رکن ھینکہ اگر ان میں کوئی ایک بھی نامکمل رہ گیا، تو پھر بھی توحید، حقیقی توحید نھیں ھوگی،ا ور اگر کسی کا یہ عقیدہ ھو کہ خداکی خالقیت کے ساتھ ساتھ کوئی دوسرا بھی خالق ھے، یا کوئی دوسرا بھی رب تکوینی ھے جو مستقل طور پر عالم کا ادارہ کرتا ھے، یا حق حاکمیت یا حق عبادت رکھتا ھے وہ اسلامی توحید سے خارج ھے۔
لھٰذا تشریعی ربوبیت میں توحید کا قائل ھونا اسلامی توحید کا ایک رکن ھے اور تشریعی ربوبیت میں توحید کے عقیدہ کے بغیر اسلامی توحید نھیں ھوسکتی،ممکن ھے کوئی شخص ظاھری طور پر کلمہ شھادتین پڑھے اگرچہ اس پر طھارت کا حکم بھی ھوتا ھے لیکن یہ ظاھری احکام جن کی وجہ سے اس کو مسلمان شمار کیا جائے گا،اگر فقھا کرام اپنے توضیح المسائل میں لکھتے ھینکہ اگر کوئی شخص شھادتین پڑھے تو اس پر طھارت کا حکم جاری ھوگا اور اس سے نکاح کرنا صحیح ھے اور اس کا ذبح کردہ حیوان حلال ھے،لیکن اس کا مطلب یہ نھیں ھے کہ جس نے کلمہ شھادتین پڑھ لیا ھو، وہ جنتی ھے اور عذاب جھنم سے نجات یافتہ ھے ،بلکہ اس کے لئے اسلام کے دوسرے ضروریات کو پورا کرنا ضروری ھے اور ان پر عمل کرنا ضروری ھے، ورنہ تو کلمہ شھادتین پڑھنے سے مسئلہ حل نھیں ھوتا، کیا اگر کوئی معاد کا منکر ھو تو اسے مسلمان کھا جائے گا؟ یا اگر نماز و زکواة کا منکر ھو تو اس کو مسلمان کھیں گے؟ کلمہ شھادتین صرف اس چیز کی نشانی ھے کہ اس نے ”ما انزل اللہ “ پر اعتماد کر لیا ھے اور ظاھراً مسلمان شمار کر لیا جائے گا۔
لیکن اگر اس کے دل میں خدا کا اعتقاد نہ ھو ،یا قیامت کو قبول نہ کرتا ھو،یا اسلام کی ضروریات کو دل سے قبول نہ کرتا ھو ،تو وہ ظاھری طور پر تو مسلمان ھے لیکن حقیقت میں وہ کافر ھے، اگرچہ اس پر اسلامی احکام اس پر جاری ھونگے، پس ظاھری اسلام اور چیز ھے او واقعی ایمان جو عذاب اخروی سے نجات کا باعث ھوتا ھے، وہ دوسری چیز ھے۔
جس وقت یہ کھا جاتا ھے کہ توحید کا ایک معیار تشریعی ربوبیت میں توحید کا اعتقاد ھے تو اس کا مقصد وہ توحید ھے جو سعادت اخروی اور عذاب جھنم کے عذاب سے نجات کا باعث ھے ورنہ ظاھری احکام کے اثبات کیلئے کلمہ شھادتین کاپڑھ لینا کافی ھے۔

5۔قانون گذار حضرات اور اسلام میں حاکمیت

اسلامی نظریہ اور تشریعی ربوبیت کی بنیاد پر یہ کھا جائے کہ قانون گذاری کا اصل حق خداوند عالم کو ھے اور خدا کے مقابلہ میں کسی کو قانون گذاری کا حق نھیں ھے، تواب یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ کوئی دوسرا قانون گذاری کا حق رکھتا ھے یا نھیں؟ اس کے جواب میں پھلے بھی اشارہ کیا جاچکا ھے کہ خدا کے قانون گذاروں کے مقابلہ میں ان لوگوں کو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قانون گذاری کا حق ھے جن کو خداوند عالم نے اجازت دی ھے، اور ان کا قانون اس صورت میں قابل اجرا ھے وہ قانون خدا کے اذن سے ھو:
( وَلَا تَقُوْلُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمْ الْكِذْبَ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰه الْكِذْبَ. إِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰه الْكِذْبَ لاَ يُفْلِحُونَ.)(5)
''اور جھوٹ موٹ جو کچھ تمھاری زبان پر آئے (بے سمجھے بوجھے) نہ کھہ بیٹھا کرو کہ یہ حلال ھے اور یہ حرام، تاکہ ا س کی بدولت خدا پر جھوٹ، بھتان باندھنے لگو اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ اور بھتان باندھتے ھیں وہ کبھی کامیاب نہ ھوں گے''
پس اپنی طرف سے نھیں کھنا چاھئے کہ فلاں چیز حلال اورفلاں چیز حرام، حلال و حرام آپ کے حساب سے نھیں ھے بس لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو یہ بھی شرک کی ایک قسم ھے، لھٰذا دیکھنا یہ ھے کہ خدا کا کھنا ھے:
(قُلْ ءَ اللّٰه اَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰه تَفْتَرُوْنَ.) (6)
''(اے رسول) تم کہدو کہ کیا خدا نے تمھیں اجازت دی ھے یا تم خدا پر بھتا ن باندھتے ھو''
جی ھاں خدا نے اپنے پیغمبر کو قانون گذاری اور امور دینی کی اجازت دی ھے۔
(أَطِيْعُوا اللّٰه وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ.) (7)
''(اے ایمان دارو )خدا کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو''
نیز فرمایا:
( مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰه.)(8)
''اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی''
البتہ رسول خدا بھی اپنی مرضی کے مطابق عمل نھیں کرتے بلکہ آپ کا عمل بھی خدا کی وحی و الھام کے مطابق ھوتا ھے اور جب تک آیات نازل نھیں ھوتیں ،الھٰی الھام اور غیر قرآنی وحی کے ذریعہ خدا وند عالم کا تشریعی ارادہ ان تک پھونچتا ھے:
(مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهوىٰ إِنْ هوَ إِلاَّ وَحْىٌ يُوْحىٰ (9)
''اور وہرسول) تو اپنی نفسانی خواھش سے کچھ بھی نھیں کھتے، یہ تو بس وحی ھے جو بھیجی جاتی ھے''
اس بنا پر اگر کسی کو خدا کی طرف سے اجازت ھو تو وہ قانون کو واضح کر سکتا ھے اور اس کا بنایا ھوا قانون لازم الاجرا ء ھے شیعہ حضرات کاعقیدہ یہ ھے کہ جس طرح پیغمبر اکرم کو قانون بنانے کی اجازت دی گئی ھے، اسی طرح ائمہ معصومین . کو بھی خدا کی طرف سے قانون بنانے کی اجازت ھے البتہ اس مطلب کی دلیل علم کلام میں واضح طریقہ سے بیان ھوئی ھے، ان میں سے ایک حدیث ثقلین ھے کہ جس میں ائمہ طاھرین علیھم السلام کو قرآن کا ھم پلہ قرار دیا گیا ھے:
''اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقْلَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُم بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِی، کِتَابَ اللّٰه وَ عِتْرَتِی''
(میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارھا ھوں جب تک تم ان دونوں سے متمسک رھو گے ھر گز میرے بعد گمراہ نہ ھونگے ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت (اھل بیت.)۔
ھم یھاں پر شیعیت کے عقائد کو اثبات نھیں کرنا چاھتے،لیکن پھر بھی اشارہ کرتے ھیں کہ جو لوگ شیعوں کے اس قبول شدہ عقیدہ کو تسلیم کرتے ھیں کہ پیغمبر اکرم کے علاوہ ائمہ معصومین . کو اس طرح کی اجازت ملی ھوئی ھے، اس نظریہ کے مقابل میں بعض لوگوں کا نظریہ ھے کہ صرف رسول اکرم معصوم اور واجب الاحترام ھیں لیکن اس اختلاف نظر سے کوئی فرق نھیں پڑتا، مثلاً اگر فرض کریں کہ ھم لوگ رسول اکرم کے زمانہ میں ھوتے اور آپ کسی شھر کیلئے کوئی حاکم بنا کر بھیجتے، اور فرماتے کہ اس حاکم کی اطاعت کریں، تو کیا یہ اطاعت واجب تھی یا نھیں؟ کیا یہ اطاعت، اطاعت پیغمبر خدا اور حاکمیت خدا کے مخالف ھوتی؟ ھر نھیں؟ کیونکہ وہ شخص اس پیغمبر کا نمائندہ ھے کہ جس کو خدا نے معین فرمایا ھے۔
ھمارا یہ عقیدہ ھے کہ ائمہ معصومین . بھی ایسا ھی اختیار رکھتے ھیں، اور ائمہ نے اس عصر حاضرکیلئے نوعی(عمومی) طورپر (نہ کہ شخصی طورپر) ان افراد کو منصوب فرمایا ھے جو ائمہ کی طرح سب صالح سے زیادہ ھیں ان کو حکومت کی اجازت ملی ھوئی ھے، اور یہ نظریہ چاھے مقبولہ عمر ابن حنظلہ یا مرفوعہ ابو خدیجہ یا دیگر روایات کے ذریعہ ثابت کیا جائے، یا عقلی دلائل کے ذریعہ ثابت کیا جائے جیسا کہ فقھا کرام نے مختلف طریقوں سے اس نظریہ کو ثابت کیا ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پس جس طرح پیغمبر اکرم اپنے زمانہ میں کسی کو کسی شہر یا اسلامی علاقہ کا حاکم بناکر بھیجتے تھے، اور ان کی اطاعت وھاں کے رھنے والوں پر واجب ھوتی تھی، یا جس طرح حضرت علی . نے اپنی خلافت کے دوران بھت سے لوگوں کو اسلامی ممالک منجملہ بحرین، اھواز، مصر وغیرہ کیلئے والی اور حاکم بنا کر بھیجا، اور ان حضرات کی اطاعت واجب تھی، اس غیبت کے زمانہ میں جو حضرات فقاھت و سیاست میں مالک اشتر کی طرح ھیں اور اسلامی معاشرہ کے چلانے کی صلاحیت اور توانائی رکھتے ھیں، ولایت فقیہ کے دلائل کے تحت ان کو اجازت ھے اور ان کی اطاعت بھی ھم لوگوں پر واجب ھے،اور وہ خدا کی تشریعی ربوبیت کے مخالف بھی نھیں ھے بلکہ ان کی حاکمیت بھی خدا کی شان میں سے ایک شان ھے۔

جس طرح خدا اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ھے اور پیغمبر اس حاکم کو فرمان دیتے ھیں یا امام معصوم اپنے خاص جانشین اور والی کو اجازت دیتے ھیں ان کی اطاعت ھم لوگوں پر واجب ھے دوسرے الفاظ میں یہ کہ والی و حاکم کی اطاعت پیغمبر اور خدا کی اطاعت ھے، اور اس والی و حاکم کی مخالفت پیغمبر اکرم کی مخالفت اور پیغمبر اکرم کی مخالفت خدا کی مخالفت ھے۔

اس طرح ولی فقیہ کی اطاعت، امام معصوم . کی اطاعت اور امام معصوم . کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت اور پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ھوگی، اور اس کی مخالفت معصوم. کی مخالفت اور معصوم . کی مخالفت خدا کی مخالفت ھوگی، یہ مطلب مقبولہ عمر ابن حنظلہ کی روایت سے واضح و روشن ھے جس میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ھیں:

''ینظرنی من کان منکم ممن قد روی حدیثنا ونظر فی حلالنا وحرامنا وعرف احکامنا فلیرضوا بہ حکما فانی قد جعلتہ علیکم حاکما. فاذا حکم بحکمنا فلم یقبلہ فانما استخف بحکم اللہ وعلینا رد والراد علینا الراد علی اللہ وھو حد الشرک باللہ" (10)

''اگر کوئی ھماری احادیث کو نقل کرنے والے کو دیکھے اور ھماری حلال و حرام کردہ چیزوں بیان کرنے والے کو دیکھے اور ھمارے احکام کو جانتا ھے تو اس کو چاھیے کہ اس کے حکم کو قبول کرے کیونکہ ھم نے اس کو تم پر حاکم قرار دیا ھے،لھٰذا اگر ھمارے حکم کے مطابق عمل کرنے اور کوئی اس کو قبول نہ کرے تو گویا اس نے خدا کے حکم کو سبک(ھلکا) سمجھا، اور ھم کو ردّ کیا اور جس نے ھم کو ردّ کیا گویا اس نے خدا کو ردّ کیا، اور یھی شرک باللہ ھے''

حضرت امام صادق علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ''وھوعلی حدالشرک'' کی کیا وجہ ھے کہ شرک کوتوحید کے مقابلہ میں قرار دیا ھے اور توحید کے ارکان میں سے ایک رکن تشریعی ربوبیت میں توحید ھے اب اگر ھم نے خدا کی حاکمیت اور اس کے ساتھ ساتھ پیغمبر ، ائمہ، اور ان لوگوں کی حاکمیت کو قبول کیا ھے کہ جن کو خدا و ائمہ نے منصوب کیا ھے، تو ھم نے تشریعی ربوبیت مینتوحید کو قبول کیا ھے اور اگر اس کو نھیں مانا تو پھر تشریعی ربوبیت میں شرک کیا، پس''الراد علیھم'' کا مطلب یہ ھے کہ اگر کسی نے ان فقھا کرام کو رد کیا جن کو لوگوں پر حکومت کرنے کا حق ھے اس نے گویا ائمہ کو رد کیا ھے یعنی اگر کوئی یہ کھے کہ میں ولایت فقیہ کو نھیں مانتا گویا وہ یہ کھتا ھے کہ میں امام معصوم . کو نھیں مانتا، اور اگر کوئی امام کو قبول نھیں کرتا اس نے خدا وند عالم پر ایک قسم کا شرک کیا ھے کیونکہ اس نے خداوند عالم کی تشریعی ربوبیت کا انکار کیا ھے البتہ یہ شرک معنوی اور باطنی ھے، اور انسان کی نجاست کا سبب نھیں بنتا.

لھٰذا ثابت یہ ھوگیا کہ اگر کوئی قبول کرتا ھو کہ درحقیقت حکومت کا حقخدا سے مخصوص ھے اور اس کے بعد رسول اللہ سے مخصوص ھے اور خدا کی حاکمیت کے زیر سایہ رسول اللہ اور ائمہ . اور ان کے جانشین حضرات کی حاکمیت تحقق اور مشروعیت پیدا کرتی ھے،لیکن اگر ھم حاکمیت کی مشروعیت کو کسی دوسرے راستہ سے مانیں تو در حقیقت خدا کی حاکمیت کے بارے میں شرک کے قائل ھوئے ھیں، اس بنا پر، اسلامی حکومت میں الٰھی قوانین اور اس حاکم کے بنائے قانون کے تحت ھوکہ جو خدا کی طرف سے اذن رکھتا ھو اس کی عقلی دلیل خداوند عالم کی تشریعی ربوبیت ھے، اگر توحید کو صحیح معنوں میں سمجھاجائے تو اس نتیجہ پر پھونچیں گے اور اگر انسان اس نتیجہ کا انکار کرے تو گویا اس کا عقیدہ کمزور ھے اور اس کی توحید خالص نھینھے اور اس میں شرک کی آمیزش ھے۔

ممکن ھے کوئی سوال کرے کہ معاشرہ میں الٰھی قوانین کے ھونا کا کیا فلسفہ ھے ؟ اگر کوئی خدا اور اس کے قوانین کو قبول نہ کرے اورخود اپنے لئے قوانین بنائے تو کیا معاشرہ کی فلاح و بھبود نھیں ھوسکتی؟ اگر ایسا نھیں ھے تو پھر کس طرح جو معاشرے خدا کے قوانین کو تسلیم نھیں کرتے لیکن پھر بھی ان کی زندگی بھتر ھے؟ یہ وہ نظریہ ھے جس کو بھت سے روشن فکر لوگ بیان کرتے ھیں اور کھتے ھیں کہ قانون کا خدا کی طرف ھونا، کیا ضروری ھے؟ ان کا عقیدہ یہ ھے کہ خود ھم اپنے لئے قانون بنا کر اس پر عمل کریں اور کوئی مشکل نھیں ھے۔

6۔ قانون گذاری حق خدا سے مخصوص ھونے کے دلائل

اس اعتراض کا جواب واضح ھونے کیلئے یہ توجہ رکھنا ضروری ھے کہ انسان ایک ایسا موجود واحد ھے جو مختلف پھلو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رکھتا ھے اور یہ مختلف پھلو ایک دوسرے سے مرتبط ھیں انسان میں صرف اقتصادی پھلو نھیں ھے کہ اگر اقصاد ی قانون بنا دیا تو معاشرہ میں اس کی اقتصادی مشکل آسان ھوجائے، کیونکہ اس کا اقتصاد اس کی سیاست سے مربوط ھے اور اس کی سیاسی، اجتماعی اور مدنی احکام سے مرتبط ھیں اس کے مدنی احکام اس کے جزائی احکام سے مربوط ھیں اوریہ سب بین الاقوامی قوانین سے مرتبط ھیں، اورتمام کے تمام انسان کے روحی و معنوی اور اخلاقی پھلو سے گھرا ارتباط رکھتے ھیں، انسان دس موجود نھیں ھیں اور نہ ھی دس روح رکھتا ھے، انسان ایک الھی روح رکھتا ھے جس کے مختلف پھلو اور گوشہ ھیں لیکن تمام ایک دوسرے سے متعلق ھیں۔

لھٰذا اگر کسی ایک پھلو میں کوئی نقص و کمی پیدا ھوجائے تو پھر اس کا اثر دوسرے پر پڑتا ھے، وہ خدا جس نے انسان کو پیداکیا اور انسان کیلئے اجتماعی زندگی مقرر فرمائی ھے، اجتماعی زندگی کی خاطر انسانی فطرت میں ایسے اسباب قرار دیئے جن کی وجہ سے انسان طبیعی طور پر اجتماعی زندگی کی طرف رجحان پیدا کرتا ھے، لھٰذا خداوند عالم نے انسان کی خلقت ایک مقصد کے تحت کی ھے، اور وہ مقصد یہ ھے کہ انسان اجتماعی زندگی کے ساتھ ساتھ انسانی کمالات تک پھونچے، اور اسی کے تمام پھلو، معنوی پھلو کے تحت کام کریں، اور وہ ترقی کی منزلوں کو طے کرتا ھوا انسانی کمالات تک پھونچے:

(مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّلِيَعْبُدُوْنَ.) (11)

''ھم نے نھیں پید اکیا جن وانس کو مگر یہ کہ ھماری عبادت کرے''

جو کچھ بھی ھم نے عرض کیا یہ سب کچھ عبادت کے زیر سایہ ھوں وہ عبادت جو توحید اور ربوبیت سے جدا نہ ھونے والا ارتباط رکھتی ھے،ورنہ انسانی کمال پیدا نھیں ھوسکتا، البتہ اس کے علاوہ بھی معاشرہ میں ظاھری طورپر نظم و ضبط پیدا ھوسکتا ھے لیکن یہ بھی یقینی نھیں ھے، مثلاً جیسا کہ آج کل مختلف ممالک جن کا نمونہ امریکہ ھے اور امریکہ کے کالج تمام ممالک کیلئے نمونہ قرار پائے ھیں، جب کہ ان کالجوں میں پولیس اسلحہ کے ساتھ رھتی ھے لیکن پھربھی وھاں قتل و غارت ھوتا رھتا ھے، ملاحظہ کریں کہ یہ وھی نظام ھے جس کو انسان نے بنایا ھے اور اس طرح کے دوسرے کارنامے ھیں، جن کے بیان کرنے سے انسان کو شرم آتی ھے۔

یھاں تک کہ اگر فرض کیا جائے کہ خدا کے قوانین پر عمل انسان کے معنوی پھلو کو ن-ظر انداز کرتے ھوئے معاشرہ میں ظاھری طور پر نظم و ضبط قائم ھوجائے، تو پھر بھی اس کی زندگی کا اصل ھدف پورا نھیں ھوا ھے ، کیا انسان کی زندگی موریانہ( ایک قسم کے حشرات ھیں جو شھد کی مکھی کی طرح ایک جگہ مل کر زندگی کرتے ھیں) زندگی کی طرح ھے؟ یا انسان کی زندگی شھد کی مکھیوں کی طرح ھیں کہ جن کا ظاھر نظم کافی ھے، انسان کی زندگی یہ تمام نظام، امنیتیں، ترقیاں، علام اور ٹکنالوژی صرف اس وجہ سے ھیں تاکہ انسان کمال حاصل کر سکے اور خدا سے نزدیک ھو سکے، کون ھے جو ان روابط کو اچھے طریقہ سے سمجھتا ھے؟ کون حضرات ھیں جو بتائیں کہ کس کھانے سے یا کس کام سے انسان خدا کے نزدیک ھوتا ھے؟کون یہ معین کرے کہ خنزیر کا گوشت کھانے،شراب پینے سے ھماری سعادت و کامیابی پر اثر ھوتا ھے یا نھیں؟ آج ڈاکٹروں نے ترقی کرکے یہ بتایا ھے کہ الکحل(شراب) زیادہ پینے کی وجہ سے انسان کا ذھن خراب ھوسکتا ھے،لیکن یہ نھیں جانتے کہ شراب کے پینے سے آخرت کو بھی نقصان پھونچتا ھے یا نھیں؟ کیونکہ اس سلسلہ میں تجربہ نھیں کیا ھے اور اس مسئلہ کو تجربہ کیا بھی نھیں جاسکتا۔

انسانی زندگی کے قوانین اس طرح ترتیب دئیے جائیں کہ زندگی کے تمام پھلو پیش نظر رھیں، اور صرف جسمانی بھداشت و نظافت، اقتصادی اور سیاسی وضعیت پر اکتفاء نہ کیا جائے اور نہ ھی ان کو دوسرے پھلوؤں سے جدا سمجھا جائے، بلکہ ان تمام پھلوؤں کو ایک مرتب اور ھم آھنگ نظام میں ڈھالا جائے، ظاھر ھے کہ ان تمام پھلوؤں کی مکمل آگاھی اور ان کے ایک دوسرے سے ارتباط اور ان کے ذریعہ آخری کمال تک پھونچانے کا علم خدا کے علاوہ کسی کے پاس نھیں ھے، لھٰذا قوانین کو بھی خدا ھی بنا ئے، اس کے علاوہ کونسا ایسا قانون گذار ھے کہ جو قانون بناتے وقت اپنے ذاتی مفاد کو نظر انداز کرسکے، اور ظاھر ھے کہ جو گروہ بھی قدرت و حکومت پر قابض ھوگا وہ اپنے فائدوں کے بارے میں قوانین کو بنائے گا، مثال کے طور پر انھیں اسلامی ممالک مینجب کوئی نئی حکومت بنتی ھے توایسے قوانین اور نحس نامے تیار کرتی ھے کہ جو اس گروہ کے فائدے میں ھو، اور اس مینکوئی فرق نھیں کہ چاھے سمت راست پارٹی ھو یا بائیں بازو کی پارٹی،یہ انسان کی خاصیت اور طبیعت ھے اور بھر حال تمام انسان معصوم بھی نھیں ھیں۔

ان مسائل سے صرف وہ ذات مبرّا ھوسکتی ھے کہ جس کو ان مسائل سے کوئی فائدہ نہ ھو،اور ایسی ذات خداوند عالم کی ذات ھے، اور اگر کوئی دوسرا قانون بنائے گا تو ممکن ھے کہ وہ قوانین اس کے لئے یا ضرر ھونگے یا نفع بخش،لیکن خدا کے بنائے قوانین سے خدا کو نہ کوئی نفع ھے اور نہ کوئی نقصان، وہ تو صرف انسانیت کے نفع و نقصان کو دیکھتا ھے، لھٰذا چونکہ خدا کا علم بے نھایت ھے اور قوانین کے بنانے سے اس کا کوئی فائدہ نھیں ھے؟ جبکہ انسان پر حق

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حکومت ربوبیت بھی رکھتا، اور اگر انسان حقیقی کمال تک پھونچنا ھے تو خدا کے حق ربوبیت کو ادا کرے، البتہ یہ ایک الگ بحث ھے اور مزید وضاحت کی ضرورت ھے جس کی تحقیق اس کتاب میں ممکن نہیں ھے۔

انسان ایک دوسرے پر حق رکھتے ھیں اور عرفی حقوق کی معرفت رکھتے ھیں، مثلاً کسان مزدور پر حق رکھتا ھے اور مزدور کسان پر حق رکھتا ھے، یا ایک (DM) لوگوں پر حق رکھتا ھے،اور لوگ بھی ڈی ایم پر حق رکھتے ھیں، لیکن کیا خدا لوگوں پر حق نہیں رکھتا؟ اور اس حق کو ادا کرنے کا راستہ بھی معلوم ھے، اسلامی نظریہ کے مطابق، ان تمام حقوق مینسب سے پہلے خداکا حق ھے، لہٰذا سب سے پہلے خدا کے حق کو ادا کیا جائے،تاکہ خدا کے حق کے زیر سایہ لوگوں کے حقوق بخوبی انجام دئے جاسکیں۔

تو کیا ممکن ھے کہ بنائے ھوئے قوانین میں انسان کے حقوق کا لحاظ کیا جائے لیکن خدا کے حقوق کو نظر انداز کر دیاجائے؟ اور اگر خدا کے حقوق کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو کیا خدا کے حقوق پر ظلم و جفا نہیں ھوا ھے؟ اور کیا اس ناشکری کے بعد انسان کمال کی منزل تک پھونچ سکتا ھے؟خدا کی ناشکری سے بڑہ کر کون سی ناشکری ھوسکتی ھے؟

اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:

( إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ.) (12)

''بے شک شرک بڑا سخت گناہ ھے(جس کی بخشش نہیں)''

سب سے بڑا ظلم خدا پر ظلم کرناھے، لہٰذا اگر خدا وند عالم کے حقوق نظر انداز کردیا جائے تو یہ ظلم عظیم ھے، اس وقت کس طرح دوسروں کے ساتھ عدالت برقرار کر سکتے ھیں؟ انسان کس طرح عدل کر سکتا ھے در حالیکہ خود اپنے خالق پر ظلم کرتا ھے؟ اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ غیر خدا کیلئے حق قانون گذاری کا عقیدہ ایک شرک ھے، لہٰذا چونکہ خداوند عالم ھمارے نفع و نقصان سے مکمل آگاھی رکھتا ھے اور خدا کیلئے قانون گذاری کا کوئی فائدہ نہیں ھے،اور خدا وند عالم ھر پر تشریعی ربوبیت کا حق رکھتا ھے،سب سے پہلے مرحلہ میں خدا کے قوانین کی رعایت کی جائے اور اس کے بعد ان لوگوں کے قوانین پر عمل کیا جائے کہ جن کو خدا کی طرف سے اجازت ھے اور وہ بھی اس حد تک کہ جس کی خدا نے اجازت دی ھے،تاکہ انسان اس آیت کا مستحق قرار نہ پائے:

(قُلْ أَرَأَیْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللهُ لَکُمَ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْه حَرَاماً وَحَلَالاً قُلْ ءَ اللهُ أَذِنَ لَکُمْ أَمْ عَلَی اللهِ تَفْتَرُوْن.)(13)

''(اے رسول) تم کھہ دو کہ تمھارا کیا خیال ھے کہ خدا نے تم پر روزی نازل کی تو اب اس میں سے بعض کو حرام ، بعض کو حلال بنانے لگے، (اے رسول) تم کھہ دو کہ کیا خدا نے تمھیں اجازت دی ھے یا تم خدا پر بھتان باندھتے ھو.''

اس طرح دوسری آیت میں ارشاد ھوتا ھے:

( وَلَا تَقُوْلُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُکُمْ الْکِذْبَ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوْا عَلَی اللهِ الْکِذْبَ. إِ نَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللهِ الْکِذْبَ لاَ یُفْلِحُونَ.)(14)

''اور جھوٹ موٹ جو کچھ تمھاری زبان پر آئے (بے سمجھے بوجھے) نہ کہ یٹھا کرو کہ یہ حلال ھے اور یہ حرام، تاکہ ا س کی بدولت خدا پر جھوٹ، بھتان باندھنے لگو اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ اور بھتان باندھتے ھیں وہ کبھی کامیاب نہ ھوں گے۔

اس بنا پر، خدا کے تشریعی حق ربوبیت کی ادائیگی کیلئے پہلے خدا کے قانون پر عمل کریں، اور اس کے بعد تحقیق و بررسی کرے کہ اس نے کسی کو قانون گذاری کی اجازت دی ھے، یا کسی کو قانون کو جاری کرنے کی اجازت دی ھے،کیونکہ اگر قانون کو اس کی اجازت سے جاری نہ کیا جائے تو پھر بھی خدا کے بندوں پر تصرف کرنا ان کے مولا و آقا کی اجازت کے بغیر ھوگا، اسلامی نظریہ کے مطابق خدا کی مرضی کے خلاف دوسروں پر تصرف کرنا تو دور کی بات ھے خود پر تصرف کرنا بھی جائز نہیں ھے، اس وجہ سے انسان کو خود کشی کا حق نہیں ھے۔

ممکن ھے مغربی ممالک میں لیبرالی نظریہ کے تحت چونکہ انسان خود اپنا مالک ھے، لہٰذا اس کو خود کشی کا بھی حق حاصل ھے ،لیکن اسلام میں اس طرح نہیں ھے، کیونکہ انسان خود اپنا مالک نہیں ھے بلکہ خدا ا س کا مالک ھے، لہٰذا اس کو خود کشی کا بھی حق نہینھے، کیونکہ خدا کی طرف سے اس کو اس کام کی اجازت نہیں ھے، خداوندعالم نے اگر انسان کو زندگی عطا کی ھے تواس کا اختیار بھی خود اسی کو ھے،کسی دوسرے کو کوئی اختیار نہیں ھے تو پھر کس طرح کسی غیر کو اس کی جان لینے کی اجازت ھوگی؟

جب انسان اپنا ھاتہ کاٹ ڈالنے یا اپنی آنکہ پھوڑ ڈالنے کا حق نہیں ھے اس لئے کہ ن کا مالک خداھے اور انسان کو ان کام کی اجازت نہیں ھے، تو پھر کسی دوسرے کو کھاں سے یہ حق حاصل ھے کہ وہ کسی چور کے ھاتہ کاٹ ڈالے یا کسی مجرم کو قید کردے؟ کسی کو بھی اس طرح کا کوئی حق نہیں ھے کیونکہ دوسرے لوگ بھی خدا کے بندے ھیں اور خدا کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اجازت کے بغیر ان میں تصرف نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا قانون گذاری اور قانون کو جاری کرنے میں خدا کی اجازت ضروری ھے۔
خلاصہ کلام یہ ھوا کہ اس سلسلہ میں اسلام کا سیاسی نظریہ کی بنیاد یہ ھے کہ خدا کی تشریعی ربوبیت، توحید کا رکن ھے، اور اگر کسی نے اس کی رعایت نہ کی تو پھر وہ شیطان کے کفر کی طرح کفر کا مرتکب ھوا ھے۔

حوالے
(1)سورہ لقمان آیت 25
(2)سورہ حجر آیت 36تا 39
(3)سورہ آیت آل عمران آیت 64.
(4)سورہ توبہ آیت 31.
(5)سورہ نحل آیت 116.
(6)سورہ یونس آیت 59.
(7)سورہ نساء59
(8)سورہ نساء آیت 80
(9)سورہ نجم آیت 3،4
(10)کافی ج1 ص 67.
(11)سورہ ذاریات آیت 56
(12)سورہ لقمان آیت 13
(13)سورہ یونس آیت 59
(14)سورہ نحل آیت 116

اسلام اور سیاست جلد(۱)

اٹھارھواں جلسہ

**قانون گذاری کے شرائط اور اسلام میں اس کی اھمیت**

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
گذشتہ جلسوں میں عرض کیا جاچکا ھے کہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی بحث میں دو سوالوں کا جواب د ینا بھت ضروری ھے:
پھلا سوال:یہ ھے کہ معاشرے کے لئے قانون کا ھونا کیوں ضروری ھے؟
دوسرا سوال: یہ ھے کہ کون سا قانون مفید اور مطلوب ھے اور اس کے وضع کرنے کا اور پھر اس کو معاشرہ میں جاری کرنے کا مقصد کیا ھے؟
پھلے سوال کے جواب میں گذشتوں جلسوں میں ھم نے عرض کیا کہ دنیا کے تقریبا تمام ھی عقلاء کا اتفاق اس بات پر ھے کہ معاشرے میں اخلاقی قوانین کے علاوہ حکومتی قوانین بھی ھونا چاھئے،لیکن دوسرے سوال کا جواب کہ قانون کا ھدف کیا ھے؟ اس سلسلے میں اختلاف نظر پایا جاتا ھے، ایک نظریہ یہ ھے کہ قانون معاشرہ کے نظم وضبط سنوارنے کے لئے ھوتا ھے،دوسرا نظریہ یہ ھے کہ قانون معاشرہ میں عدل وانصاف کے لئے ھوتا ھے، تیسرا نظریہ اس وقت لیبرالیزم نے بیان کیا ھے کہ قانون انسان کی انفرادی آزادی کی حفاظت کے لئے ھوتا ھے یعنی انسان اپنی زندگی میں ھر طرح سے آزاد ھونا چاھئے کہ جوچاھے وہ انجام دے سکے،لیکن اس طرح مقام عمل میں مزاحمت اور ٹکراؤ ھوگا کہ بعض افراد کی وجہ سے دوسروں کی آزادی خطرہ میں پڑجاتی ھے ، لہٰذا قانون اس وجہ سے وضع کیا گیا ھےکہ سب کی آزادی برقرار رہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سکے ، اور مزاحمت سے روکا جاسکے۔
جیسا کہ گذشتہ بحث مینھم نے عرض کیا کہ اسلام کے سیاسی نظریات میں انسانوں کی امنیت ونظم وضبط او رعدالت وغیرہ کی حفاظت متوسط قسم کے اھداف ھیں، لیکن اسلام کی قانون گذاری کا اصل ھدف انسانوں کے مادّی اور معنوی فوائد کی حفاظت ھے، اور اس میں کوئی شک نھیں ھے کہ معنوی فائدے مادی فائدوں سے کھیں زیادہ اھم ھیں، لھٰذا قانون اس طرح ھونا چاھئے کہ جس سے انسان کی کمال تک پھونچنے کے لئے راہ ھموار ھوسکے یعنی جو تقرب خداوندمتعال کا باعث بنے، لھٰذا جو چیزیں خدا کی طرف جانے میں مانع ھوں ، وہ معاشرہ سے ختم ھوجانا چاھئے، مختصر الفاظ میں یہ کھا جائے کہ قانون وہ ھے جس مینتمام انسانوں کے مادی اور معنوی مصالح ومنافع کی حفاظت ھو۔
یھاں پھونچنے کے بعد یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ قانون گذار کون ھونا چاھئے؟ اس سلسلے میں بھی مختلف نظریات پائے جاتے ھیں ، خلاصہ یہ کہ سیاسی اور حقوق الناس کے دعویدارحضرات کے درمیان دوشرطوں کو معتبر جانا گیا ھے :
پھلی شرط: قانونگذار وہ ھو جو قانون کے ھدف کو اچھی طرح جانتا ھو ۔
دوسری شرط: قانون گذار معاشرہ کے منافع کواپنے ذاتی مفاد پر قربان نہ کرے،اور وہ قانون کے اھداف ومقاصد کو اچھی طرح جانتا ھو ۔
ان دو چیزوں کو تقریباً تمام ھی لوگ قبو ل کرتے ھیں، اگرچہ ان کے قانون بنانے کے اھداف مختلف ھیں، بھر حال قانون بنانے سے کسی کا کوئی ھدف ھو وہ یہ ضرور مانتا ھے کہ قانون گذار کو قانون کے اھداف سے اچھے طریقہ سے واقفیت ھونا چاھئے، اور ان اھداف تک پھونچنے کے راستوں سے واقف ھو، تاکہ اس کے بنائے ھوئے قوانین کے ذریعہ ان اھداف تک پھونچا جاسکے، قانون گذار کا علم ایسا ھو کہ جس کے ذریعہ قوانین کے اھداف تک پھونچنے کا راستہ کا پتہ لگاسکے ،اور قوانین کو اسی کے مطابق بنائے ، اور اخلاقی صلاحیت ایسی ھو کہ معاشرہ کے مفاد کو اپنے مفاد پر قربان نہ کرے۔

2۔قانون گذاری کے شرائط خدا وندعالم میں منحصر ھیں
اسلامی نظریہ کے مطابق مذکورہ شرطوں کے علاوہ ،قانون گذار کی انسانی مادّی ومعنوی مصلحتوں سے واقفیت ضروری ھے اور کسی خاص فرد یا کسی خاص گروہ کے فائدہ کی خاطر معاشرہ کے فائدونکو قربان نہ کرے۔
اسلام اس نکتہ کا بھی اضافہ کرتا ھے کہ قانون گذاری کا اصل حق اسی کو ھے جو انسانوں کو امر ونھی کرسکتا ھو،اگر کوئی معاشرہ کی مصلحتوں کا علم رکھتا ھو او روہ معاشرہ کی مصلحتوں کو اپنی ذاتی مصلحتوں پر مقدم کرے پھربھی قانون گذاری کا حق اصالۃً اس کو نھیں ھے؛ کیونکہ ھر قانون خواہ ناخواہ امر ونھی رکھتا ھے ، جیسا کہ ھم نے بحث ”حق وتکلیف “کے بارے میں گذشتہ جلسوں کے دوران عرض کیا کہ ھرقانون صریحاً یا اشارۃً امر ونھی رکھتا ھے ، مثلاً تایک دفعہ کھا جاتا ھےکہ دوسروں کے مال کا احترام کرو اور اس میں تجاوز نہ کرو،یہ امر صریح او رواضح ھے لیکن کبھی قانون میں ظاھری طور پر امر ونھیں ھوتا ،مثلاً کھا جائے کہ آپ کے لئے اس طرح کا حق ھے ، اس کا مطلب یہ ھوا کہ دوسرے اس حق کی رعایت کریں ، ان تمام چیزوں کا قانون ضامن ھوتا ھے،یعنی یہ ساری باتیں قانون کے اندر ھونا چاھئے گویا اس طرح کا امر پر بھی قانون مشتمل ھوتا ھے۔
لھٰذا قانون کو یہ حق ھے کہ دوسروں کو امر ونھی کرے اور یہ اصل حق خدا سے مخصوص ھے، چاھے شرط اول کے لحاظ سے دیکھا جائے جس میں یہ کھا گیا تھا کہ قانون گذار کو انسانوں کے مصالح سے آگاہ ھونا چاھئے، یا شرط دوم کے لحاظ سے دیکھا جائے جس میں یہ کھا گیا تھا کہ قانون گذار وہ ھے جو اجتماعی مصالح پر فردی مصالح کو مقدم نہ کرے ، ان دونوں شرطوں کے اعتبار سے خدا متحقق ھے کیونکہ وہ انسانوں کے مصالح کا سب سے زیادہ عالم ھے ، چنانچ مذکورہ شرطیں سب سے زیادہ کامل خدا میں موجود ھیں؛ کیونکہ انسان کے اعمال کا کوئی بھی فائدہ خدا کو نھیں پھونچتا، مثلاً اگر تمام انسان مومن ومتقی بن جائیں تو خدا کاکو ئی فائدہ نھیں ھے اور اسی طرح اگر تمام لوگ کافر ھوجائیں تو بھی خدا کا کوئی نقصان نھیں ھے،اگر تمام لوگ قوانین کی رعایت کریں تو بھی خدا کا کوئی فائدہ نھیں ھے اسی طرح اگر تمام لوگ قوانین کی مخالفت کریں تو بھی خدا کا کوئی نقصان نھیں ھے۔
لیکن تیسری شرط،(امر ونھی)خدا کے علاوہ کوئی بھی انسان اصالۃً یہ حق نھیں رکھتاکہ کسی کو امر ونھی کرے، انسان دوسروے کو اس وقت امرونھی کرسکتا ھے جس اس کا دوسرے پر کوئی حق ھو اور لوگوں کا ایک دوسرے پر اس طرح کا کوئی حق نھیں ھے، خدا کی نظر تمام کے تمام انسان برابر ھیں ،خدا ان سبھی کا مالک ھے اور انسان اور اس کا تمام وجود خدا سے متعلق ھے ، لھٰذا صرف خدا کو انسانوں پر امر ونھی کا حق ھے۔
دوسرے الفاظ میں یہ عرض کیا جائے کہ انسانوں کے لئے ضروری ھے کہ خدا کی ربوبیت کو پھچانیں اور اس کی ربوبیت کے حق کو ادا کر ے اور خداوندعالم کی ربوبیت انسانوں کے لئے دو اعتبار سے ظاھر ھے:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

1۔تکوینی، یعنی کائنات کے چلانے کا حق صرف ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ھے وھی کائنات کا مدبّر ھے، لھٰذا انسان اس چیز کا عقیدہ رکھے کہ خداوندعالم نے اس کائنات میں کچھ تکوینی قوانین نافذ کئے ھیں جن کے تعاون سے یہ کائنات رواں دواں ھے، چاند سورج اسی کے حکم سے گردش میں ھیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے اشارہ پر چلتا ھے،لھٰذا اس کائنات کا صاحب اختیار، ربّ تکوینی اور اس کائنات کا چلانے والاخدا وحدہ لاشریک ھے، اسی طرح یہ عقیدہ بھی رکھے کہ اس کائنات کا ربّ تشریعی بھی خدا وندعالم ھے، گذشتہ جلسہ میں اس سلسلہ میں گفتگو ھوچکی ھے کہ ربوبیت تشریعی بھی خداھی کا حق ھے اور ربوبیت تشریعی میں توحید اس بات کا تقاضا کرتی ھے کہ انسان فقط خدا سے احکامات کو لے اور اس سے قانون کو اخذ کرے، اور قانون کو جاری کرنے والے افراد خدا کی اجازت سے معاشرہ میں جاری کرےں۔

3۔ قانون بنانے والے متعدد ھوسکتے ھیں (ایک اعتراض)

یھاں پر کچھ شبھات بیان کئے جاتے ھیں: (گذشتہ گفتگو میں ان اعتراضات وشبھات کے بارے میں ایک اشارہ ھوچکا، لیکن کبھی کبھی اخباروں یا تقریروں یا کانفرنس وغیرہ میں کچھ چیزیں بیان کی جاتی ھےں کہ جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ھے کہ یا تو ان لوگوں نے اس سلسلہ میں توجہ نھیں کی یا یہ کہ یہ بحث ان کو ھضم نھیں ھوئی،لھٰذا ضروری ھے کہ اس سلسلہ میں مزید وضاحت کردی جائے) ان شبھات میں سے ایک یہ ھے : کہ آپ کھتے ھیں کہ قانون کو خدا وضع کرے، جیسا کہ ربوبیت تشریعی اس بات کا تقاضا کرتی ھے،لیکن ھم دیکھتے ھیں کہ معاشرے میں ایسے قوانین کی ضرورت ھے کہ جن کو خدا نے نھیں بنایا بلکہ خود لوگوں نے ان قوانین کو بنایا ھے،اور اگر ان کو نہ بنایا جاتا تو معاشرہ میں بھت بڑی مشکل ھوتی، مثلاً وہ قوانین جو ھمارے اسلامی معاشرہ میں اسلامی پارلیمینٹ کے ذریعہ بنائے جاتے ھیں، ان قوانین کی ھمارے معاشرہ کو ضرورت ھے، لیکن ان کو خدا وپیغمبر نے نھیں بنایا ، جن کا سب سے واضح نمونہ ٹریفک قوانین ھیں، کہ اگر یہ قوانین نہ ھوتے تو پھر کتنے حادثہ ھوتے کتنے لوگوں کی جان خطرہ میں ھوتی اور کتنا مال برباد ھوتا۔

لھٰذا ایک طرف تو معاشرہ کو ایسے قوانین کی ضرورت ھے جبکہ خدا کی طرف سے ایسے قوانین نھیں بنائے گئے ھیں ، نہ ھی قرآن مجید میں اس طرح کے قوانین موجود ھیں اور نہ ھی حدیث رسول اکرم اور ائمہ کے کلمات مینیہ قوانین ملتے ھیں، پس آپ کس طرح یہ کھتے ھیں کہ قوانین کو خدا کی طرف سے ھونا چاھئے اور خدا قوانین کو بنائے؟ اور اگر انسانی قانون گذار کے ذریعہ یہ قوانین بنائے جائیں اور ان کو معتبر سمجھا جائے تو اس بات کا نتیجہ یہ ھے کہ قانون بنانے والے دو مرجع ھوئے ایک خدا اور دوسرے انسان، اور یہ آپ کے بیان کے مطابق تشریع میں شرک ھے، یہ ایک مھم اعتراض ھے کہ جو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ھے البتہ اس کا جواب بھی دیا جاچکا ھے لیکن جواب کو وہ لوگ صحیح ھضم نہ کرسکے۔

4۔ گذشتہ اعتراض کا جواب

گذشتہ اعتراض کے جواب میں دو نکتوں پر توجہ کرنا ضروری ھے، پھلا نکتہ یہ ھے کہ قانون کی مختلف اصطلاحیں ھیں ، کبھی کبھی کلی قواعد کو قانون کھا جاتا ھے، اور ان میں جزئی اور دوسرے دستور العمل شامل نھیں ھوتے ،اور کبھی قانون کو اتنی وسعت دی جاتی ھے کہ اس دستور العمل کو بھی شامل ھوتا ھے جو ایک ادارہ کا رئیس اپنے کارکن کو دیتا ھے،البتہ یہ اطلاق بھی نادرست نھیں ھے بھرحال دوسرے الفاظ میں یوں کھا جائے کہ قانون کی دو اصطلاح ھیں ایک خاص اور ایک عام، اور دونوں صحیح ھیں، دوسرا نکتہ یہ ھے کہ اسلام میں بھت سے ثابت قوانین ھیں، جو کسی بھی وقت تبدیل نھیں ھوسکتے ،اورھر زمانہ مینتمام لوگوں کے لئے ثابت ھیں اور اسلام کے کچھ قوانین متغیرھیں، جو زمان ومکان سے لحاظ سے ھیں اوران قوانین کو فقھاء ومجتھدین جن کو دین کی صحیح شناخت ومعرفت ھوتی ھے کلی اصول کو مدنظر رکھتے ھوئے بناتے ھیں۔

ھم جس چیز پر زور دیتے ھیں وہ ایسے قوانین ھیں جو خداکی طرف سے ثابت قوانین ھیں اور متغیر قوانین کے لئے خاص شرائط ھیں ، ورنہ ممکن نھیں ھے کہ تمام ثابت متغیر قوانین کسی ایک قانون گذار کے ذریعہ بنائے جائیں، اور لوگوں کو تک پھونچائے جائیں، متغیر قوانین اپنے زمان ومکان کے اعتبار سے لاتعداد ھیں،اور ان کی کوئی حد نھیں، اور انسان کی ذھینت آغاز دنیا سے لے کر آخر تک کے متغیر قوانین کے تصور سے عاجز ھے، لھٰذا متغیر قوانین اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو اس زمانہ اور مکان کا تقاضہ ھے اس کو مد نظر رکھتے ھوئے بنائے جاتے ھیں، مثال کے طور پر چونکہ رسول اسلام کے زمانہ میں کوئی بھی موٹر گاڑی نھیں تھی تو اس موقع پر اگر یہ کھا جاتا کہ گاڑیوں کو داھنی طرف چلنا چاھئےے یا بائینطرف، تو کیا اس وقت کے لوگ اس قانون کو سمجھ سکتے تھے، اور اس قانون کے معنی کو درک کرسکتے تھے؟ لھٰذا قانون کو اس کے زمانہ کے لحاظ سے ھونا چاھئے، البتہ ان قوانین کے کچھ خاص شرائط ھیں کہ جن

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو خدا بیان کرتا ھے، لہٰذا جو لوگ ان متغیر قوانین کو مرتب کریں ان کے لئے ضروری ھے کہ ان شرائط کی رعایت کریں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قوانین وہ حضرات بناسکتے ھیں کہ جو ثابت قوانین اور متغیر قوانین کے شرائط کو بھتر طور پر جانتے ھوں۔
پس ھماری مراد اس قول سے کہ قوانین کو خداکی طرف ھونا چاھئے، یہ ھے کہ ثابت قوانین ھمیشگی ھیں اور متغیر قوانین کے لئے بھی شرائط خدا کی طرف سے معین شدہ ھوں،جن کو متغیر قوانینکا میزان قرار دیا گیا ھے ، اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:
(وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ أَلاَّ تَطْغَوا فِیْ الْمِیْزَانِ) (1)
''اور ترازو (انصاف) کو قائم کیا تاکہ تم لوگ ترازو (سے تولنے) میں حد سے تجاوز نہ کرو''
الٰھی اور توحیدی نظریہ جس بات کی تاکید ھے اور تقاضا کرتا ھے وہ تیسرا نکتہ ھے جس کو ھم نے قانون بنانے کے سلسلہ میں گفتگو کے دوران بیان کیا، اور وہ یہ ھے : چونکہ قانون میں امر ونھی ھوتا ھے، او رجس کو قانون بنانے کا حق ھے اس کو امر ونھی کرنے کا بھی حق ھونا چاھئے، اور وہ خدا کے علاوہ کوئی نہیں ھے، خود انسان ایک دوسرے پر امر ونھی کا حق نہیں رکھتے لہٰذا قانون کو بھی نہیں بناسکتے اور نہ ھی اس کوجاری کرسکتے، لہٰذا اگر زمان ومکان کے لحاظ سے متغیر قوانین کو بنانا پڑے تو اس کی اجازت بھی خدا کی طرف سے ھو، کیونکہ صرف وھی ھے کہ جسے امر ونھی کا حق ھے،اور وھی دوسروں کو یہ حق عطاکرسکتا ھے تاکہ ان کے بنائے ھوئے قوانین معتبر ھوسکیں۔

5۔ قانون گذاری میں خدا کی اجازت بے اثر ھے .(دوسرا اعتراض)
ایک دوسرا اعتراض یہ ھوتا ھے کہ قانونگذاری میں خدا کی اجازت کا معتبر ماننا صرف ایک دعوی ھے، جس کا کوئی اثر نہیں ھے، اور ایسا نہیں ھے کہ اس شرط سے قانون گذاری میں کوئی تغیر ومشکل ایجاد ھو، اور یہ صرف ایک الفاظ کا کھیل ھے، مثلاً اسلامی پارلیمنٹ میں ممبران جمع ھوکر کسی اجتماعی متغیر امر کے لئے قانون بنانے کا مشورہ کریں، اور اس کے بعد کوئی خاص قانون بنا کر پیش کریں، اس موقع پر کیا فرق ھے کہ خدا نے اجازت دی ھے یا نہیں؟ یہ صرف ایک لفظ ھے جس کو استعمال کیا گیا ھے او راس کا کوئی اثر نہیں ھے، لہٰذا قانون کا معیار یہ ھے کہ اچھائیوں اور برائیوں کو جاننے والے حضرات اس کی تحقیق وبررسی کرکے کوئی قانون بنادیں، اب یھاں کیا فرق پڑتاھے کہ یہ قانون اس کی طرف سے قانون گذاری کا حق ھے یا قانون دان افراد کے ذریعہ یہ قانون بنادیا جائے،( توجہ رھے کہ یہ اعتراض بھی اپنی جگہ اھم ھے)۔

6۔گذشتہ اعتراض کا جواب
اس اعترا ض کا جواب یہ ھے کہ اگرچہ ھم اس طرح کی اجازت کو معتبر جانتے ھیں، اور اصطلاح میں اس کو ایک امر اعتباری کھا جاتا ھے، اور کسی کا کسی دوسرے کو کسی کام کی اجازت دینے سے کام کی حقیقت نہیں بدلتی، لیکن کیا انسان کی اجتماعی زندگی ان اعتبارات کے علاوہ ھے؟ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنی گاڑی کو کسی جگہ کھڑا کردیا ھے او رآپ کو اس گاڑی کی ضرورت پڑجاتی ھے ،آپ اس پر بیٹھےں او راپنے کام کرکے واپس آجائیں تو کیا آپ اس کی اجازت کے بغیر اس گاڑی کو لے جاسکتے ھیں؟ اور ھوسکتا ھے کہ گاڑی کا مالک آپ کو اجازت بھی دیدے، لیکن جب تک اس کی اجازت نہیں ھے کیا آپ کو حق ھے کہ اس کی گاڑی کو لے جائیں؟
اگر آپ کو اجازت دیدے تو آپ اس کو لے جاسکتے ھیں ، لیکن اگر اس کی اجازت نہیں ھے اور آپ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر چل دیں تو کیا یہ آپ کا کام خلاف قانون نہیں ھے؟ اور گاڑی کا مالک آپ پر مقدمہ میں دائر کرسکتا ھے کیونکہ اس نے آپ کو اجازت نہیں دی تھی۔
دوسری مثال تصور کیجئے کہ کوئی مرد وعورت آپس میں شادی کرنا چاھتے ھیں،کافی مدت سے ایک دوسرے کو جانتے ھینمثلاً کافی مدت سے کسی ایک ادارے میں کام کرتے ھیں اور ایک دوسرے کے اخلاق سے بھی واقف ھیں، ایک دوسرے کے گھر والوں کو بھی جانتے ھیں کہ مومن متدین ھیں، اور اب شادی کی تمام تیاریاں پوری ھوگئی ھیں؛ لیکن جب تک نکاح نہ ھوجائے یا ھر مذھب کے رسم ورواج پورے نہ ھوجائیں ،اس وقت تک ان مرد وعورت میں جنسی رابطہ غیر مشروع ھے، ٹھیک ھے کہ نکاح الفاظ کے علاوہ کچھ نھیںھے، دونوں کی مرضی سے یہ نکاح ھوتا ھے، لیکن یہ ایسے الفاظ ھیں جن سے ھزارونحرام چیزیں حلال ھوجاتی ھیں، اور ھزاروں حلال چیزیں حرام ھوجاتی ھیں،انسان کی اجتماعی زندگی انھیں اعتباروں چلتی ھے، یعنی اجتماعی زندگی انھیں اجازت، دستخط، یا رد کرنے پر متوقف ھوتی ھے۔
تیسری مثال : فرض کریں کہ کسی کو شھر کاڈی ایم(D.M) معین کیا جائے لیکن ابھی تک اس کا حکم نامہ نہیں آیا ھے اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس کو اس عنوان سے نہیں پہچنوایا گیا ھے، تو کیا اس کا حق ھے کہ وہ (D.M) کے دفتر میں جاکر بیٹہ جائے اور دستوارت صادر کرے، ظاھر ھے کہ اس کو یہ حق نہیں ھے، اور ذمہ دار لوگ اس کو وھاں سے باھر نکال کھڑا کریں گے، اور کھیں گے کہ یہ ڈی ایم کی کرسی ھے! لیکن اگر وہ کھے کہ مجھے ایک مھینہ کے بعد اس شھر کا ڈی .ایم بنایا جائے گا، تو اس کو جوا ب ملے گا کہ جس وقت تم کو یہ عھدہ سونپ دیا جائے گا تو آپ ھمارے ڈی ایم ھونگے، لیکن اگر وہ کھے کہ صرف رئیس اعلیٰ کاایک دستخط اور اجازت ھی باقی ھے ، کوئی بات نہیں ، جواب ملے گاکہ وھی ایک دستخط تو آپ کے اعتبار کے لئے ضروری ھے، تومعلوم ھوا کہ تمام اجتماعی امور صرف ایک دستخط او راجازت پر متوقف ھوتے ھیں، قانون گذاری بھی اسی طرح ھے، حق قانون گذاری خدا کا حق ھے ،صرف اسی کی ایک اجازت سے دوسروں کے بنائے ھوئے قانون معتبر ھوجاتے ھیں، اس کے علاوہ یہ قوانین معتبر نہیں ھوسکتے:
(قُلْ ءَ اللّٰہُ أَذِنَ لَکُمْ أَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ)(2)
”(اے رسول) تم کھہ دو کہ کیا خدا نے تمھیں اجازت دی ھے یا تم خدا پر بھتان باندھتے ھو“
اگر خدا نے تم کو اجازت نہ دی ھو تو پھر تمھیں کیا حق پھونچتا ھے کہ تم کسی چیز کو حلال کھو یا حرام؟ قانون بنانا یعنی یہ کام جائز ھے یا وہ کام جائز نہیں، یہ کام حلال ھے اور وہ کام حرام ھے، جب تک تم کو خداکی طرف سے اجازت نہ ھو تو کیا تم کو اس طرح کے احکام صادر کرنے کا حکم ھے؟ جمھوری اسلامی ایران کی اسلامی پارلیمنٹ اور شاہ کے زمانہ کی پارلیمنٹ میں صرف اسی ایک بات کا فرق ھے کہ یہ پارلیمنٹ اس کے حکم سے کام کرتی ھے کہ جو خدا کی طرف سے ماذون (اجازت یافتھ) ھے، یعنی ولی فقیہ اس پارلیمنٹ کومتغیر قانون بنانے کی اجازت دیتا ھے اور انھینکی اجازت کی وجہ سے یہ پارلیمنٹ معتبر ھوتی ھے۔
جب اس وقت ولی فقیہ امام زمانہ (عج) کی طرف سے یہ حق رکھتا ھے تو پھر دوسروں کو یہ حق نہیں ھے ، جس طرح امام زمانھ(عج) کو خدا کی طرف سے یہ حق ھے تو پھر کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ھے،بھر حال جس شخص کوبراہ راست یا غیر مستقیم طور پر خدا وند کی طرف سے اجازت ھے وہ دوسروں کے امور میں تصرف اور دوسروں کو امر ونھی کرسکتا ھے، لیکن جس کو خدا کی طرف سے اذن نہیں ھے وہ امر ونھی کرنے کا کوئی حق نہیں ھے ،چنانچہ اس کی امر ونھی کا کوئی اثر نہیں ھے۔
(ھم اپنی نظری اور تھیوری بحث میں نہیں چاھتے کہ کسی کی گفتگو کی بناپر بحث کریں، لیکن امام خمینی ۺ کو دوسروں کی فھرست میں نہیں رکھا جاسکتا، ان کی گفتگو قرآن وحدیث سے اخذ شدہ ھوتی تھی، لھٰذا ان کی گفتگو سے دلیل پیش کرنے میں کوئی حرج نھینھے) امام خمینیۺ اپنی ایک تقریر میں فرماتے ھیں: ”یھاں تک کہ اگر کوئی صدر بھی ولی فقیہ کی طرف سے منصوب نہ ھو تو وہ طاغوت ھے اور اس کی اطاعت جائز نہیں ھے“(3)
صدر کو خود افراد اپنے ووٹ کے ذریعہ انتخاب کرتے ھیں لیکن اگر ولی فقیہ کی طرف سے اجازت نہ ھو تو امام خمینیۺ کے فرمان کے مطابق طاغوت ھے، او راس کا امر ونھی معتبر نہیں ھے، اور اس کی اطاعت بھی جائز نہیں ھے، حضرت امام خمینیۺ نے تمام صدرورئیس جمھور کو منصوب کرتے وقت فرمایا کہ میں تم کو منصوب کرتا ھوں،( بعض موقع پر آپ نے وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ میں چونکہ تم پر الٰھی ولایت رکھتا ھوں اس وجہ سے صدارت پر منصوب کرتا ھوں) درحالیکہ لوگوں نے ان کو ووٹ دیا ھے اور ان کا ووٹ دینا بھی صحیح اور مورد تائید ھے۔
البتہ تمام لوگ بھی اجتماعی کاموں میں شرکت کریں اور ان کا شرعی وظیفہ ھے کہ ووٹینگ میں شرکت کریں،اسی وجہ سے جس وقت انتخابات شروع ھوتے تھے امام خمینیۺ فرماتے تھے: انتخابات میں شرکت کرنا ایک شرعی وظیفہ ھے او رتما م لوگوں کو شرکت کرنا ضروری ھے؛ لیکن ھر قانون گذار وصاحب منصب کا اعتبار خدا کی طرف پلٹنا چاھئے، کیونکہ وھی صاحب اختیار ھے ، خدا ھی نے پیغمبر او رائمہ معصومین علیھم السلام کو حکومت وقانون گذاری کی اجازت دی ھے، اور پیغمبر وائمہ معصومین علیھم السلام کی طرف سے عمومی طورپر ولی فقیہ منصوب ھوتا ھے جس طرح ان حضرات کے زمانے میں والی شھر وحاکم شھر معین ھوتے تھے،اور امام معصوم کی اجازت سے مشروعیت پیدا کرتا ھے اور جب ان کو اجازت مل گئی تو وہ معتبر ھوگئے۔
پس یہ اعتراض کہ اجازت ھونا یا نہ ھونا یا دستخط کرنا یا نہ کرنا قانون کے اجراء اور وضع کرنے میں کوئی فرق نہیں کرتا ،توجواب یہ ھے کہ فرق وھی فرق ھے کہ جو تمام اجتماعی امور میں فرق ھوتا ھے ، جس ڈی ایم کا ابھی حکم نامہ نہ آیا ھو اس کا دوسروں سے کیا فرق ھے؟ یا تعلیمی بورڈ کا آفیسرجس کا ابھی حکم نامہ نہیں آیا دوسروں سے کیا فرق رکھتا ھے؟ اگرچہ طے یہ ھے کہ ابھی کچھ دنوں کے بعد ان کا حکم نامہ آجائے گا، لیکن جب تک ان کا حکم نامہ نہ صادر ھو اس وقت تک ان کی کوئی اھمیت نہیں،جس وقت یہ حکم نامہ ان تک پھونچ جائے گا اس وقت سے وہ اس عھدے پر فائز

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھوجائینگے، صرف ایک دستخط سے یہ حضرات دوسروں کے مال میں تصرف کرسکتے ھیں، جس طرح اگر کوئی شخص اپنی لاکھوں کی دولت آپ کے سپرد کردے یا آپ کوبخش دے اور آپ کو اجازت دےدے کہ جس کام میں بھی چاھیں خرچ کریں یا کوئی اپنا مال عمومی طور پر وقف کرے یا کسی خاص آدمی کو بخش دے ، بھر حال صرف ایک لفظ کھنے سے کہ ”میں نے اپنا مال تمھیں بخش دیا“ کام تمام ھوجاتا ھے او راس مال میں دخل وتصرف حلال ھوجاتا ھے،لیکن اگر اس کی اجازت نہ ھو اور اس نے نہ بخشا ھو ،تو اس کے مال میں تصرف کرنا حرام ھے او راگر کوئی اس کے مال میں اس طرح تصرف کرے تو وہ مجرم ھے۔

نتیجہ آپ کے سامنے ھے کہ تمام اجتماعی مسائل اسی طرح کے اعتبارات پر ھوتے ھیں او رجب تک یہ اذن واجازت نہ ھوں اجتماعی امور میں وہ کام معتبر نہیں سمجھا جاتا، تو پھر کس طرح یہ کھا جاتا ھے کہ خدا کی طرف سے حکومت کرنے والے اور ان کو امر ونھی کرنے والے کو اجازت کی ضرورت نہیں ھے؟

کیا خدا کی اجازت کے بغیر اس کے بندوں پر حکومت کی جاسکتی ھے؟ لوگ ھمارے بندے تو ھےں نھینکہ ھم کو ان پر حکومت کرنے کا حق ھو، لوگ خدا کے بندے ھیں حاکم وراعیٰ خدا کی نظر میں برابر ھیں اور جب تک خدا اجازت نہ دے تو پھر رھبر ،امت، رئیس اور عوام الناس سب برابر ھیں اور جب خدا اجازت دےدے تب لوگوں پر اس کے امر ونھی معتبر ھوتے ھیں۔

7۔کیا انسان اپنی زندگی پر حقِ حاکمیت رکھتا ھے؟

یھاں پر ایک دوسرا مسئلہ یہ ھے کہ انسان اپنی زندگی پر خود حق حاکمیت رکھتا ھے ، اگرچہ ھم نے اس موضوع کے سلسلہ میں گفتگو کی ھے لیکن چونکہ دیکھنے میں آتا ھے کہ اخباروناور دوسرے رسالوں او ربعض مؤدب افراد کی تقریروں میں بیان ھوتا ھے یھاں تک ”ٹی .وی“ کے بعض کانفرنسوں میں بیان ھوتا ھے کہ لوگوں کی آزادی قابل احترام ھے،جیسا کہ قانون اساسی میں بھی موجود ھے کہ لوگ اپنی زندگی پر خودحق حاکمیت رکھتے ھیں،یعنی از جانب پروردگار انسان خود مختار ھے؛ لھٰذا ضروری ھے کہ اس سلسلہ میں مزید وضاحت کردی جائے:

لفظ ”حاکمیت“ کا استعمال حقوق الناس میں دو جگہ استعمال کیا جاتاھے(البتہ چونکہ الفاظ ایک دوسرے کے مشابہ ھیں، چنانچہ جن کو اچھی طرح واقفیت نہیں ھوتی وہ ان الفاظ کو جابجا استعمال کرتے ھیں)

اول: پھلی وہ جگہ ھے جھاں اقوام عالم کے حقوق کا ذکر کیا جاتا ھے اور کھا جاتا ھے کہ ھر قوم وملت اپنی سرنوشت پر حاکم ھے، یہ ایک اصطلاح ھے کہ جو بین الاقوامی حقوق میں بیان ھوتی ھے، یہ اصطلاح مختلف ممالک کے آپسی روابط اور ایک دوسرے کے سامنے ان کا موقف اور پھر استعماری طاقتوں سے مقابلہ آرائی کرنا جیسے مباحث اور موارد میں استعمال ھوتی ھے۔ 18ویں اور ۱۹ویں صدی عیسوی میں خصوصاً مغربی ممالک میں استعمارگری کا دور دورہ شروع ھوا،چنانچہ جس کے پاس جتنی طاقت ھوتی تھی اسی مقدار میں دوسرے ملکوں پر قبضہ کرلیتا تھا، یا اپنی طرف سے کسی ملک پر حاکم معین کردیتا تھاکہ جو وھاں پر حکومت کرتا تھا، یعنی ایک ملت کی سرنوشت (مقدر) پر دوسروں کے ھاتھوں میں ھوتی تھی یا پھر دوسرا ملک ان ک قیم اور ذمہ دار ھوتا تھا، اصل ”قیمومیت“ ان موضوعات میں سے ھے جو بین الاقوامی حقوق میں بیان کیا جاتا ھے، پس جب لوگ عالمی ظلم سے واقف ھوگئے اور اپنے حقوق کے طالب ھوگئے تو ملت کی حاکمیت کا مسئلہ پیدا ھوا، اور آھستہ آھستہ مسئلہ حاکمیت ملت نے بین الاقوامی حقوق میں اپنی جگہ بنالی، اور کھا جانے لگا کہ ھر قوم اپنی سرنوشت پر حاکم ھے؛ یعنی دوسروں کو استعمار اور قیمومیت کا حق نہیں ھے، ”حاکمیت ملّی“ یعنی ھر قوم وملت مستقل ھے اور اپنی سرنوشت پر خود حاکم ھے اور کسی ملت کو یہ حق نہیں ھے کہ وہ دوسری ملتوں کا اپنے کو حاکم سمجھے، کسی بھی حکومت کو یہ حق نہیں ھے کہ کسی دوسرے ملک میں اپنی حاکمیت چلائے، پس یہ ایک ایسی اصطلاح ھے کہ جو بین الاقوامی روابط میں بیان ھوتی ھے۔

حاکمیت کی دوسری اصطلاح خود معاشرہ سے متعلق ھے، اور یہ اصل اساسی وبنیادی حقوق سے مربوط ھے، یعنی ایک وہ معاشرہ کہ جس میں مختلف گروہ مختلف اقوام شامل ھےں، (قطع نظر اس چیز سے کہ اس معاشرہ کا دوسرے ملکوں سے کیسا رابطہ ھے) ان میں سے کسی قوم یا گروہ کو یہ حق نہیں ھے کہ خود کو دوسرونپر حق حاکمیت رکھتا ھو،برخلاف اس نظریہ کے کہ جو دنیا کے بعض ملکوں میں پایا جاتا ھے، کہ جن طبقاتی نظام قائم ھے اور ایک قسم قوم ذات پات کے لوگ حاکم ھوتے تھے جیسے ھندوستان میں ٹھاکر،پنڈات کے حاکم ھونے کا رواج تھا یا مسلمانوں میں سید اور پٹھان حاکم ھوتے تھے وغیرہ وغیرھ

خلاصہ یہ کہ اصل یہ بیان کرتی ھے کہ ھر شخص اپنی سرنوشت پر حاکم ھے ، دوسرا اس پر حاکمیت نہیں رکھتا، پس کسی بھی معاشرہ کا کوئی فرد یہ نہیں کھہ سکتا کہ میں فلاں گروہ یا فلاں قبیلہ کا حاکم ھوں،(یہ تھی ایک اصل)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھم نے جو کچھ ذکر کیا ، اس بات پر توجہ کرنے کے لئے تھا کہ ان دونوں اصول کا ماحصل یہ تھا کہ انسانوں کے درمیان رابطہ کی فضاء کو ھموار کیا جائے چاھے پھلی اصل ھو یا دوسری اصل ، کیونکہ پھلی اصل جو عمومی بین الاقوامی حقوق سے متعلق ھے ،جس کا کام ملکوں اور حکومتوں کے درمیان رابطہ کو بیان کرنا تھا اور واضح طور پر اس بات کو کھتی ھے کہ ھر ملت اپنی سرنوشت پر حاکم ھے، اور کسی دوسرے ملک کو ان پر حاکمیت کا حق نھیں ھے، لھٰذا اس اصل کے اندر اس چیز کو دیکھا گیا ھے کہ ایک معاشرہ دوسرے معاشرہ کے افراد سے کیا روابط رکھنے کے لئے نظر رکھتا ھے، دوسری اصل میں خود اپنے ملک کے افراد کے حقوق کا مسئلہ زیر بحث آتا ھے یعنی دوسری اصل ملکی افراد کے حقوق کے بارے میں بحث کرتی ھے، اس میں یہ بیان ھوتا ھے ھر انسان اپنی سرنوشت پر حاکم ھے، یعنی دوسرے کسی انسان کو یہ حق نھیں ھے کہ وہ کسی دوسرے پر حکومت کرے۔

بھر حال یہ تمام اصول انسان کے ایک دوسرے سے رابطہ سے متعلق ھیںنہ کہ انسان کے خدا سے رابطہ سے، جن لوگوں نے ان اصول کو بیان کیا ھے (چاھے کسی دین کو مانتے ھوں یا نہ مانتے ھوں) اس سے مراد کبھی بھی انسان کے خدا سے رابطہ کو مراد نھیں لیا ھے تاکہ یہ کھا جائے کہ خد ا بھی انسانوں پر حق حاکمیت نھیں رکھتا، وہ یہ بیان نھیں کرنا چاھتے تھے بلکہ وہ انسانی روابط یا حکومتی روابط کو بیان کرنا چاھتے تھے، کہ کیا کسی استعمار ی حکومت کو یہ حق ھے کہ وہ کسی دوسری حکومت پر قبضہ کرے یا نھیں؟ یا ملکی پیمانے پر کسی ایک گروہ یا قبیلہ کو یہ حق ھے کہ وہ ایک دوسرے پر حکومت کرینیعنی کسی قبیلہ کی سرنوشت دوسرے قبیلہ سے متعلق ھے یا نھیں؟

انسان اپنی سرنوشت پر حاکم ھے اس کے معنی یہ ھیں،کہ کسی کو یہ حق نھیں ھے کہ وہ اپنی آقائی کو کسی دوسرے پر مسلط کرے، نہ یہ کہ یہ حق خدا کو بھی نھیں ھے، اب اگر فرض کریں کہ وہ تمام لوگ کہ جنھوں نے ان قوانین کو بنایا اور ان اصولوں کو بیان کیا ، کیا وہ بے دین تھے اور خدا کو نھیں مانتے تھے، لیکن جب اسلامی جمھوری ایران کا قانون اساسی بن رھا تھا کہ انسان اپنی سرنوشت پر حاکم ھے تو کیا یھاں بھی خدا کو نادیدہ قرار دیا گیا؟ یعنی کیا خدا کو بھی حق نھیں ھے کہ وہ انسانوں کو حکم دے؟

یا یہ کہ یہ اصل وھی ھے کہ جو اس وقت کی دنیا میں رواج یافتہ ھے ، کہ جس کی بناپر کسی انسان کودوسروں پر حکومت کرنے کا حق نھیں ھے، او ردوسروں کی سرنوشت پر حاکم نھیں ھیں؟ وہ لوگ یہ بالکل نھیں چاھتے تھے کہ یہ کھیں کہ خدا حق حاکمیت نھیں رکھتا، اس بات کی شاھد وہ بھت سی چیزیں ھیں کہ جن کو قانون اساسی بیان کرتا ھے اور اس بات کو واضح طور پر بیان کرتا ھے کہ معاشرہ میں الٰھی قوانین کا جاری ھونا ضروری ھے، ان اصول کے باوجود کس طرح یہ ممکن ھے کہ کوئی یہ سوچے کہ یہ حاکمیت جو انسانوں کے لئے طے ھے اس سے خدا کی حاکمیت کی نفی کرے، ! کیا کوئی عقلمند جمھوری اسلامی کے قانون اساسی سے یہ نتیجہ نکال سکتا ھے؟

8۔ انسان کی حاکمیت خدا سے نھیں ٹکراتی

تاکہ ھماری بحث اچھے طریقے سے واضح ھوجائے دوسرے علوم کی مثالیں پیش کرتے ھیں،تاکہ ان باتوں کو اچھی طرح واضح کیا جاسکے، اور شیطانی شبھات اور سوء استفادہ کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رھے: ''اعتماد بنفس'' ایک ایسا مسئلہ ھے کہ جس کو ھماری ملت بلکہ دنیا کے تما م لوگ اس سے اچھے طرح واقف ھیں (کیونکہ یہ عالمی تمدن کا ایک جز بن چکا ھے) اور یہ مسئلہ ''علم نفسیات '' علم سے مربوط ھے کھا یہ جاتا ھے کہ انسان کو اپنے نفس پر اعتماد رکھنا چاھئے، یہ جملہ مکرر سنا جاتا ھے اور کتابوں میں بھی اس کو بھت پڑھا جاتا ھے، اور ریڈیو ،ٹی،وی،میں اس مسئلہ کو بھت بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ھے خصوصاً تربیتی اور فیملی گفتگو میں، اور کھا جاتا ھے کہ بچوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ اپنے نفس پر اعتماد پیدا کریں، او رجوانوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں کہ اعتماد بنفس پیدا کریں، اسی طرح اخلاقی مسائل میں اس بات پر بھت توجہ دی جاتی ھے کہ لوگوں کو اپنے نفس پر اعتماد رکھنا چاھئے، اور دوسروں بوجہ نہ بنیں، جبکہ اسلام اس کے مقابلہ میں ایک دوسری چیز بیان کرتا ھے جو ''توکل علی اللہ" ھے یعنی خدا پر بھروسہ اور اعتماد کرنا اپنے تمام امور میں یعنی انسان کو خدا کے مقابلہ میں اپنے کو کچھ نھیں سمجھنا چاھئے، اور تمام چیزوں کو اسی سے طلب کرے اور صرف اسی کو سب کچھ مانے۔

(وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰہ بِضُرٍّ فَلاَ كَاشِفَ لَہ إِلاَّ ھوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلاَ رَآدَّ لِفَضْلِہ يُصِيْبُ بِہ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِہ وَھوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)(4)

''(یادرکھو کہ) اگر خدا کی صرف سے تمھیں کوئی برائی چھو بھی گئی تو پھر اس کے سوا کوئی اس کا دفع کرنے والا نھیں ھوگا،اور اگرتمھارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو پھر اس کے فضل وکرم کا پلٹنے والا بھی کوئی نھیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاھے فائدہ پھونچائے او روہ تو بڑا بخشنے والا مھربان ھے''

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نفع ونقصان اس کی طرف سے ھے اور خدا کے مقابلہ میں انسان کا ارادہ کوئی اھمیت نھیں رکھتا ، انسان خدا کی عظمت کے مقابلہ میں ایک معمولی چیز ھے، اسلامی اور قرآنی تعلیمات میں اس چیز کی کوشش کی گئی ھے کہ انسان کی اس طرح تربیت ھو کہ اپنے کو خدا کے مقابلہ میں بھت چھوٹا اور ناچیز تصور کرے، اور اسلام میں تربیت اسی بنیاد پر ھوتی ھے کہ انسان اللہ کی ربوبیت اور اپنی عبودیت کا قائل رھے۔

اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ کس طرح یہ ممکن ھے کہ ایک طرف سے انسان اپنے نفس پر اعتماد بھی رکھے، اور دوسری طرف خدا کے مقابلہ میں اپنے کو ناچیز بھی سمجھے؟ کیا خود کو خدا کے مقابلہ میں ناچیز سمجھنا ، اعتماد بنفس کے ساتھ ھم آھنگ ھے؟ یہ نظریہ اس اعتراض کی طرح ھے کہ جو حاکمیت کے بارے میں بیان ھوچکاھے، کہ جو سیاسی مسائل سے مربوط ھے، اور یہ شبہ واعتراض علم نفسیات اور اخلاقی تربیت میں بیان ھوتا ھے. ھم نے ان دوچیزوں کا موازنہ کیا ھے، چونکہ یہ دو چیزیں آپس میں مشترک ھیں ان کوسمجھنے کے لئے ذھن تیار ھونا چاھئے ، عرض کرتے ھیں کہ یہ علم نفسیات کا مسئلہ جو دوسروں پر اعتماد کے مقابلہ میں اپنے نفس پر اعتماد پر تاکید کرتا ھے، اور کھتا ھے کہ بچوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ اپنے ماں باپ اور دوستوں پر تکیہ نہ کریں، اور دوسروں پر بوجہ نہ بنیں، نہ یہ کہ اپنے کو خدا کا بھی محتاج نہ مانیں۔

انسان کا ایک دوسرے سے رابطہ کے متعلق گفتگواور اسی طرح ''اعتماد بنفس'' کا مسئلہ جس میں یہ بیان کیا جاتا ھے کہ اپنے کردار کو اتنا مضبوط بنالوکہ کسی دوسرے پر تکیہ نہ کرویہ ایسا مسئلہ ھے کہ اسلام میں بھی اس کی تاکید ھوئی ھے، حضرت رسول اکرم او رائمہ معصومین علیھم السلام کی سیرت میں اس بات پر تاکید ھوئی ھے، لیکن افسوس کہ ان مسائل پر کم توجہ کی گئی ھے، ھم سمجھتے ھیں کہ اس طرح کے مسائل مغربی ممالک کی نئی طرز تفکر ھے، حالانکہ ایسا نھیں ھے ائمہ اطھار . ان چیزوں کو پھلے بتا چکے ھیں. آنحضرت کے زمانہ میں آپ کے اصحاب اس طرح کی تربیت سے آراستہ تھے، چنانچہ اگر کوئی گھوڑے پر بیٹھا جارھا ھے اور اس کے ھاتہ سے تازیا نہ گرگیا ھے تو وہ اس دوست سے نھیں کھتے تھے جو اس کے ساتھ چل رھا ھے کہ اس کے تازیانہ کو اٹھاکر دیدو، بلکہ خود گھوڑے سے اتر کر اس کو اٹھالیتے تھے، او رپھر گھوڑے پر سوار ھوجاتے تھے، ! یہ اسلامی تربیت ھے کہ جو ھم سے یہ چاھتا ھے کہ اپنے پیروں پر کھڑے ھوں، ھم خود اپنا بوجہ سنبھالیں، او رخود کو دوسروں کا محتاج نہ بنائیں، اور دوسروں پر نظریں نہ دوڑائیں ، لیکن اس کا مطلب یہ نھیں کہ خدا کے مقابلہ میں بھی اپنے کو بے نیاز سمجھیں:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ) (5)

''لوگو! تم سب کے سب خدا کے(ھروقت)محتاج ھو اور (صرف)خدا ھی (سب سے) بے پروا سزاوار حمد (وثنا) ھے''

کیا یہ فقر وناداری والا انسان اپنے کو خدا سے بے نیاز سمجھے؟ خدا کے مقابلہ میں بے نیازی کا اظھار کرنا شرک ھے، لھٰذا اعتماد بنفس کے یہ معنی نھیں ھیں کہ خدا پر بھی اعتماد نہ رکھا جائے، اور اگر کوئی یہ کھے کہ خدا پر بھی اعتماد نہ کیا جائے، تو یہ قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ھے، سیکڑوں آیات وروایات اس سلسلہ میں موجود ھیں کہ انسان اپنے کو خدا کے مقابلہ میں اپنے کو ھیچ سمجھے، اور تمام چیزوں کو خدا سے طلب کرے، اور اس بات کا اعتمادبنفس سے کوئی مطلب نھیں ھے،کیونکہ اعتماد بنفس کا مسئلہ انسانوں کے درمیان رابطہ کو بیان کرتا ھے چونکہ کوئی بھی کسی پر کچھ امتیاز نھیں رکھتا۔

لھٰذا اس بات کا جواب کہ اعتماد بنفس اور خدا پر توکل وبھروسہ ایک ساتھ کسیے جمع ھوسکتے ھیں ، یہ ھے کہ اعتماد بنفس کا تعلق انسانونکے رابطہ سے ھے، کہ ایک دوسرے پر تکیہ نہ کریں اور کوئی بھی دوسروں سے آگے قدم بڑھا کر نہ رکھیں نہ یہ کہ خدا پر بھی اعتماد نہ رکھے.اسی طرح سیاسی مسائل میں ، انسان کی فردی حاکمیت کا مسئلہ ھے اور حاکمیت ملّی میں بھی اسی طرح ھے، حاکمیت ملّی یعنی ھر ملت خود اپنے پیروں پر کھڑی ھو اور دوسروں کو بھی یہ حق نھیں ھے کہ ان پر حکمرانی کریں. حاکمیت انسان پر خود یعنی کوئی بھی انسان خودبخود اپنے کو دوسروں کا حاکم تصور نہ کرے، نہ یہ کہ خداوندعالم بھی کسی پر حاکمیت نھیں رکھتا، دوسرے الفاظ میں یوں کھا جائے کہ فردی اور ملّی حاکمیت خدا کی حاکمیت کے طول (بعد) میں ھے یعنی اصل حاکمیت خدا سے مخصوص ھے ، اور اس کے طول میں خدا نے جن کو حاکمیت کی اجازت دی ھے ،یعنی خدا نے حکومت کرنے کا جو دائرہ جن کے لئے بیان کیا ھے وہ لوگ صرف اسی دائرہ اور حد کے اندر حکومت کرنے کا حق رکھتے ھیں لھٰذا اگر خدا کی طرف سے اجازت نہ ھو تو پھر کسی انسان کو حق حاکمیت نھیں ھے۔

حوالہ

(1)سورہ ٔ الرحمن آیت 8،7.

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(2)سورۂ یونس آیت ۵۹
(3)صحیفہ نور ج۹ص 251
(4)سورۂ فاطر آیت 15
(5)سورہ یونس آیت 107

اسلام اور سیاست جلد(۱)

انیسواں جلسہ

**حکومت اور سیاست کے سلسلہ میں اسلام کی خصوصیت**

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
گذشتہ گفتگو میں ہم نے بیان کیا کہ بعض لوگ اسلامی حکومت پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلامی حکومت سے انسان کی انفرادی آزادی محدود ہوجاتی ہے، اور چونکہ یہ آزادی انسان کا طبیعی حق ہے، لہٰذا اسلامی حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ ان آزادیوں کو محدود کرے ، چنانچہ ایسی حکومت کو قبول نہیں کیا جاسکتا . اس اعتراض کے جواب میں ہم نے عرض کیا کہ قانون کی حقیقت یہ ہے کہ قانون آزادی کو محدود کرتا ہے. اور چونکہ انسان اپنے آزاد ارادہ سے اپنی مختلف خوہشات کی تحقیق وبررسی کرکے وہ اپنے لئے بہتر چیز کا انتخاب اور تعین کرنے کا حق رکھتاھے، اس بات کا امکان ہے کہ کبھی یہ انتخاب، معاشرہ یا خود اس کے ضررونقصان میں تمام ہو؛ لہٰذا اس کی ان آزادیوں کو کسی ایک قانون کے ذریعہ محدود ہونا چاھئے. لہٰذا یہ اعتقاد رکھنا کہ انسان کو مطلق آزادی ہونا چاھئےے اور وہ اپنے تمام معاملات میں خود مختار ہو یہ سراسر نامناسب اور باطل ہے، اور نہ ہم کسی ایسے آدمی کوجانتے اور پھچانتے ہیں جو آزادی کو مطلق اور بے قید وبند مانے،بلکہ تمام دانشورنکا ماننا یہ ہے کہ آزادی کو مشروع اور قانونی دائرے میں ہونا چاھئے، کیونکہ اگر آزدای کو بے لگام مان لیا جائے تو پھر عسروحرج لازم آتا ہے اور اس کا نقصان انسانیت پر پڑتا ہے۔
ہمارے ملک کے قانون اساسی میں مشروع آزادی کو قبول کیا گیا ہے، اور شرعی اصطلاح کے مطابق ،مشروع آزادیاں یعنی وہ آزادیاں جن کو شریعت مقدس نے جائز قرار دیا ہے، اور عرفی اصطلاح کے مطابق یعنی قانونی آزادی، اور چونکہ ہمارے ملک میں وہ قوانین معتبر ہیں جو اسلامی اصول کے مطابق ہوں، اسی طرح وہ آزدای معتبر ہے جو اسلام کی نگاہ میں مُجاز اور جائزہیں،البتہ یہ جواب ان لوگوں کی نظر میں قابلِ قبول ہے کہ جو اسلامی نظام او رجمہوری اسلامی کے قانون اساسی کو قبول کرتے ہوں،لیکن اگر کوئی اسلامی نظام اور قانون اساسی کو قبول نہ کرتا ہو ، او راسلام اورقانون اساسی سے صرف نظر کرتے ہوئے اس سوال کو اچھالے اور کہے کہ کیا دلیل ہے کہ آزادی کو محدود اور اسلامی ہونا چاھئے؟ اسلام کی تجویز کردہ آزادی کی حد سے کیوں آگے نہیں بڑھا جاسکتا؟
اس سوال کے جواب کے لئے کچھ مقدمات کو بیان کرنا ضروری ہے جن میں سے بعض کو اصول موضوعہ کے لحاظ سے آپ حضرات کو قبول کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ مقدمات علم کلام، فلسفہ اور الٰہیات سے مربوط ہیں جن کو سبھی لوگ تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ اگر ہم ان مقدمات کی توضیح اور تفسیر میں وارد ہوتے ہیں تو اصل گفتگو سے دور ہوجائیں گے، البتہ ان میں سے بعض مقدمات ،مقدمات قریبی ہیں کہ جن پر یہاں بحث کی جاسکتی ہے۔

2۔حکومت سے مخصوص کاموں کے بارے میں تین نظریے
جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ معاشرہ میں قانون کو جاری کرنے کےلئے حکومت کا ہونا ضروری ہے، یا حکومت کے دواھم اور بنیادی رکن قانون گذاری اور قانون کا جاری کرنا، لہٰذا ن قوانین کے لئے ایسے معیار وضوابط ہونا چاھئے جن کی روشنی مینیہ قوانین بنائے جائیں. اور وہ معیار وضوابط جن کو پیش نظر رکھا جاتا ہے ان میں سے کچھ اس چیز سے مربوط ہینکہ حکومت کی تشکیل اور قوانین بنانے کاھدف او رمقصد کیا ہونا چاھئے؟ اسی وجہ سے بحث فلسفہ سیاست میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت تشکیل دینے کی وجہ کیا ہے البتہ اس سلسلہ میں ہم نے گذشتہ بحث میں مختصر طور پر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عرض کیا ھے ، لیکن اس جگہ تفصیلی طور پر اس مطلب پر بحث کی تحقیق کرتے ھیں. (لیکن ابتداء میں ھم حکومت کے فلسفہ کے بارے میں فہرست وار تین نظریوں بیان کرتے ھیں تاکہ ان مطالب کی ارتباط کو بھتر طور پر پھچان لیا جائے او رپھر تفصیلی طور پر بحث میں وارد ھونگے):

1-"رنسانس" کے زمانہ کے بعد بعض سیاسی فلاسفہ حضرات مثل "ھابز" کا ماننا یہ ھے کہ حکومت بنانے کا ھدف او راس کی ذمہ داری فقط معاشرہ میں نظم وامنیت کو برقرار کرنا ھے؛ دوسرے رسا الفاظ میں یوں کھا جائے : حکومت کی ذمہ داری داخلی وخارجی امنیت کو برقرار کرنا ھے، یعنی حکومت کی اصلی ذمہ داری یہ ھے کہ ایسے قوانین کو جاری کرے ، جس سے معاشرہ میں بدنظمی اور عسروحرج نہ پھیلے،اور اس سلسلے میں اندرونی وخارجی خطرات سے نپٹنے کے لئے دفاعی قوت (پولیس او رفوج) تشکیل دے ، تاکہ وہ ملک اوراس کے تمام باشندوں کی حفاظت کرسکے۔

2-بعض لوگوں کا کھنا یہ ھے: حکومت کی ذمہ داری یہ ھے کہ معاشرہ میں نظم و امنیت کے ساتھ ساتھ عدالت کو بھی برقرار رکھا جائے.

یھاں سے قانون،عدالت اورآزادی کے بارے مینایک عمیق بحث(خصوصاً سیاسی اورجامعہ شناس حضرات کے درمیان) شروع ھوجاتی ھے اور اس سلسلہ میں بھت سی کتابیں بھی لکھی گئینکہ آزادی ،قانون اور عدالت میں کیا ھیں اور ان میں آپس میں کیارابطہ ھے؟

اگر ھم قبول کریں کہ حکومت کی ذمہ داری معاشرہ میں امنیت برقرار کرنے کے ساتھ ساتھ عدالت کا برقرار کرنا بھی ضروری ھے، تو یہ سوال پیدا ھوگاکہ عدالت کے کیا معنی ھیں؟ عدالت کی حقیقت اور اس کے اصول کے بارے میں، مسلم وغیرمسلم دانشمندوں کے بارے میں مختلف تفسیریں بیان کی گئی ھیں، اور جس بات کو سبھی قبول کرتے ھیں وہ یہ ھے کہ "ھر انسان کو اس کا حق دیا جانا چاھئے" اور عدالت کے اس معنی کو تقریباً سبھی دانشمندوں نے قبول کیا ھے؛ لیکن حق کیا ھے اور اس کے حدود کیا ھیں اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ھے. اور چونکہ عدالت کے معنی میں "حق" کا لحاظ کیا گیا ھے، مجبوراً ھم کو ایک دوسری بحث کرنا ھوگی اور وہ یہ کہ آزادی، حق،قانون اور عدالت میں کیا او رحق وعدالت میں کیا رابطہ ھے. بالآخر بحث یھاں پھونچتی ھے کہ ھر انسان کا یہ حق ھے کہ اس کے منافع اور طبیعی مصالح پورے ھوں اور یہ صرف عادلانہ قوانین کے ذریعہ ھی ممکن ھوسکتا ھے، جس میں لوگوں کی اجتماعی زندگی کے تمام حقوق(یعنی وہ چیزیں کہ جن کو انسان کی طبیعی ضرورتیں اقتضاء کرتی ھوں) پورے ھوتے ھیں۔

اب چونکہ حقوق کی بات آگئی ھے لھٰذا یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ اجتماعی زندگی میں کون لوگ صاحب حق ھیں؟ کیا اجتماعی زندگی میں تمام لوگ صاحب حق ھیں یااجتماعی زندگی میں صرف بعض لوگوں کو حق حاصل ھے کہ اجتماعی کاموں میں دخیل ھوں؟ واضح طور پر عرض کریں کہ وہ انسان جو معلول(اپاھج) ھیں اور معاشرہ کی کوئی بھی خدمت انجام نھیں دے سکتے اور ھاسپٹل یا آسایشگاہ(1)میں رھتے ھیں اور اجتماعی زندگی میں ان کا کوئی کردار نھیں ھوتا،کیا وہ بھی معاشرہ میں حق رکھتے ھیں یا نھیں؟ اگر حق اس وجہ سے ھوتا ھے کہ وہ معاشرہ میں کچھ خدمت انجام دیں، تو ایسے افراد کو کوئی حق نھیں ھے؛ کیونکہ یہ لوگ تو صرف معاشرہ کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کے علاوہ معاشرہ کو کوئی فائدہ نھیں پھونچارھے ھیں۔

البتہ ممکن ھے کہ بعض معلول افراد ذھنی طور پر معاشرہ کی خدمت کریں، لیکن ھماری گفتگو ان اپاھج لوگوں کے سلسلہ میں ھے جو جسمی اور ذھنی طور پر محروم پیدا ھوتے ھیں اورمعاشرہ کو جسمانی اور ذھنی خدمات نھیں پھونچاسکتے، کیا ایسے لوگ معاشرہ میں حق رکھتے ھیں؟ یا ایسا شخص جس نے صحت وسلامتی کے وقت معاشرہ کی خدمت کی ھے، لیکن اس وقت اپاھج ھوگیا ھے اور معاشرہ کی کوئی بھی خدمت نھیں کرسکتا کیا ایسا شخص معاشرہ میں حق رکھتا ھے یا نھیں؟

بعض جامعہ شناس حضرات کے مطابق ایسے لوگوں کے لئے معاشرہ میں کوئی حق نھیں ھے، اور حکومت پر بھی ان کی کوئی ذمہ داری نھیں ھے، قدیم روس کی مارکسسٹی حکومت میں ایسے افراد کو معاشرہ میں کوئی حق نھیں تھا، اور کسی نہ کسی بھانہ سے ان کو ختم کردیا جاتا تھا۔

(1) وہ جگہ جھاں بوڑھوں اور بے وارث بچوں کو رکھا جاتا ھے.

دوسرے ممالک میں بھی اس طرح کا نظریہ موجود ھے. کیا معاشرہ میں حق پیدا کرنے کے لئے ضروری ھے کہ اس کے بدلے معاشرہ کی خدمت کی جائے؟ کیا وہ اپاھج کہ جو معاشرہ میں کچھ خدمت نھیں کرسکتا، صرف اس وجہ سے کہ وہ انسان ھے اور انسانوں میں پیدا ھوا ھے اور انسانوں میں زندگی گذارتا ھے، معاشرہ پر حق نھیں رکھتا؟ افسوس کہ وہ بعض افراد جو کھتے ھیں کہ حق معاشرہ کی خدمت کرنے سے حاصل ھوتا ھے ،لھٰذا ان لوگوں کو کوئی حق نھیں ھے کھتے ھیں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ اگر کچھ لوگ رحم و محبت کی وجہ سے ان لوگوں کی خدمت کرنا چاھتے ھیں اور ان کی حفاظت کے لئے آسایشگاہ بنواتے ھیں ، ٹھیک ھے بنوائےں، ورنہ کوئی بھی ان کی موت کا ذمہ دار نھیں ھے!
2۔ حکومت کی تشکیل کے ھدف کے بارے میں تیسرا نظریہ اسلامی ھے جس کے اندر حکومت کی ذمہ داری عدالت وامنیت کو برقرار رکھنے کے علاوہ معنوی اور روحانی ضرورتوں کو بھی پورا کرنا ھے۔

3۔ اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں کے کاموں میں ایک امتیازی فرق
اسلامی نظریہ کے مطابق ، امنیت اور خارجی دشمن کے مقابلہ میں اپنا دفاع ، اور عدالت کو برقرار کرنا نیز معاشرہ کی خدمت کرنے والے کے حق کو ادا کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری مینشمار کیا جاتا ھے، احسان، یعنی ضعیف وکمزوراور معاشرہ کے وہ لوگ کہ جو کچھ بھی خدمت انجام نھیں دے سکتے ان تمام لوگوں کی خدمت کرنا بھی حکومتوں کا وظیفہ ھے؛ جس طرح کہ خداوندعالم قرآن مجیدمیں فرماتا ھے:
(إِنَّ اللّٰہ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ)(1)
”بے شک خدا انصاف اور (لوگوں کے ساتھ) نیکی کرنے کا حکم کرتا ھے“
مسلمانوں کی ذمہ داری صرف عدل نھیں ھے بلکہ اس سے بڑھکر بعض موارد میں احسان بھی کریں، وہ فقیر لوگ جو کچھ نھینکر سکتے یا وہ اپاھج کہ جو معاشرہ میں کوئی خدمت نھیں کرسکتے، یھاں تک کہ وہ مادرزاد اپاھج چونکہ انسان ھیں انسانی معاشرہ میں حق رکھتے ھیں اسلامی حکومت کی ذمہ داری ھے کہ ان کی روز مرہ ضرورتوں کو پورا کرے۔
مذھب اسلام اور دوسرے مذاھب میں ایک دوسرا فرق یہ بھی ھے کہ اسلام انسان کی ضرورتوں کو صرف مادّی اور بدنی ضرورتوں میں منحصر نھیں سمجھتا بلکہ معنوی اور اخروی ضرورتوں کو بھی پیش نظر رکھتا ھے؛ اسی وجہ سے اسلامی حکومت کی ذمہ داری ،لیبرل حکومتوں سے کھیں زیادہ ھیں: لیبرال حکومت صرف ان لوگوں جو معاشرہ میں کچھ خدمات کرتے ھیں ضرورتوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری کے علاوہ کوئی ذمہ داری نھیں مانتی،لیکن اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ھے کہ معاشرہ کی خدمت کرنے والوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ اپاھج اورناتواں لوگوں کی بھی مدد کرے، اور اس کے علاوہ انسانوں کی معنوی وروحانی احتیاجات کو پورا کرے، اسی وجہ سے اسلامی حکومت کی ذمہ داری بھت زیادہ ھوجاتی ھے ، اس بناپراسلامی حکومت میں ایسے قوانین بنائے اور جاری کئے جائیں جن سے انسان کی انفرادی،اجتماعی، مادی او رمعنوی ، دنیاوی اور اخروی مصلحتوں کو پورا کیا جاسکے، نہ کہ صرف معاشرہ کے سرگرم افراد کی مادی منافعوں کی فکر میں رھے۔
اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ اسلامی نظریہ کی صحت پر کیا دلیل ھے؟ اور کیوں دوسرے نظریات صحیح نھینھیں؟ (توجہ رھے کہ ھماری یہ بحث صرف دینی نھیں ھے کہ ھم آیات وروایات کے ذریعہ دلیل قائم کردیں،اگرچہ جھاں آیات وروایات کا موقع ھوتا ھے وھاں آیات وروایات سے بھی بحث کی ھے) کیا واقعاً انسانی معاشروں میں تمام مادی ومعنوی منفعتوں کا پورا ھونا ضرور ی ھے یا صرف مادی منفعتوں کا پورا ھونا کافی ھے؟ دوسرے الفاظ میں یوں عرض کیا جائے کہ جس طرح حکومت کی تشکیل کے ھدف کے تحت یہ سوال ھوا تھا کیا حکومت اور قانون کا ھونا صرف امنیت کا برقرار ھونا اور عسروحرج سے روکنا ھے یا حکومت کی ذمہ داری یہ بھی ھے کہ انسان کی معنوی مصلحتوں پر بھی توجہ ضروری ھے؟ اس مسئلہ کوحل کرنے اور گذشتہ سوال کے جواب کےلئے ضروری ھے کہ ایک قدم پیچھے ھٹیں اور یہ سوال کریں کہ انسانی معاشرہ کی تشکیل کا کیا ھدف ھے؟

4۔ انسانی معاشرہ کی حقیقت اسلام کی نگاہ میں
قبل اس کے کہ انسانی معاشرہ کی تشکیل کے ھدف کو پھچانےں ،ضروری ھے کہ پھلے یہ بحث کی جائے کہ انسان ذاتی طور پر ایک اجتماعی موجود ھے جس طرح شھد کی مکھی اور چیونٹی جو اجتماعی زندگی کا حق انتخاب نھیں رکھتے ؟ یا یہ کہ اجتماعی زندگی وہ چیز ھے جس کا انسان نے خود انتخاب کیا ھے؟ اس سلسلہ میں بھی بھت زیادہ بحث ھوئی ھیں ھم ان میں جانا نھیں چاھتے، صرف اس سلسلہ میں دو اھم نظریات کی طرف اشارہ کرتے ھیں:
پھلا نظریہ یہ ھے کہ اجتماعی زندگی کے لئے کوئی خاص مقصد مانا جائے۔
دوسرا نظریہ یہ ھے کہ اجتماعی زندگی کا کوئی مقصد نھیں ھے۔
جیسا کہ یہ نھیں کھا جاتا کہ کیوں شھد کی مکھیا ں اجتماعی زندگی گذارتی ھیں، اور اس اجتماعی زندگی سے ان کا کیا مقصد ھے؟ ظاھر ھے کہ شھد کی مکھیاں ایک طبیعی ھدف رکھتی ھیں اور وہ یہ کہ شھد بناتی رھیں اور اپنی عمر اسی میں گذار تی رھیں،اس کے علاوہ ان کا کوئی ھدف نھیں ھے، البتہ خداوندعالم کی نظر میں ان شھد کی مکھیوں کے پیدا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرنے کے بھی بہت سے اھداف ومقاصد ھیں جن میں سے انسانوں کی خدمت ھے، الٰھی ھدف کے علاوہ شھد کی مکھیاناپنی اجتماعی زندگی کا کوئی مقصد نھیں رکھتیں، تو کیا انسان کی اجتماعی زندگی بھی اسی طرح خود بخود پیدا ھوگئی ھے اور ان کا کوئی ھدف نھیں ھے؟ یا یہ کہ انسان کی اجتماعی زندگی ایک خاص ھدف کے تحت ھے جس کا لازمہ ایک دوسرے سے رابطہ ھے اور یہ رابطہ خاص قوانین کا تقاضا کرتا ھے؟
اسلامی اورالٰھی نظریہ کے مطابق،انسان کی اجتماعی زندگی کا ایک ھدف اور مقصد ھے اور وہ یہ ھے کہ انسان اجتماعی زندگی کے سایہ میں رشد وترقی کرے اور انسانی کمال تک پھونچے. اس وقت سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ انسان کی خلقت کا ھدف کیا ھے؟ الٰھی نظریہ کے مطابق خصوصاً حضرت امام خمینیؒ اور دوسرے علماء کرام نے انقلاب اور اس کے بعد میں لوگوں کے سامنے جو بیانات پیش کئے ھیں ھم کو اسلامی معارف سے مزید آشنا کرتے ھیں ، اوریہ بات ھمارے معاشرہ کے لئے روشن ھے کہ انسان کا نھائی اور آخری ھدف قرب خدا ھے اور یہ انسانی کمال کی حد ھے۔
البتہ اس مسئلہ میں ایک مقدار ابھام پایا جاتا ھے او راس کی وضاحت کی ضرورت ھے ،لیکن ھم اس وقت اس کوتفصیل سے بیان نھیں کرسکتے، بھرحال جو ھم نے عرض کیا کہ انسان کی خلقت ایک مقصد رکھتی ھے، لھٰذا انسان اپنی اس اجتماعی زندگی سے قرب پروردگار حاصل کرے یھی اس کاآخری اور نھائی مقصد ھونا چاھئے، اور یہ نظریہ اجمالی طور پر سبھی لوگ تسلیم رکتے ھیں لھٰذا اگر ھم اس بات کو قبول کرلیں کہ انسان کی خلقت کا ھدف وہ کمال ھے جو خدا کی قربت میں حاصل ھوسکتا ھے،اور اجتماعی زندگی اس تک پھونچنے کےلئے ایک وسیلہ ھے تاکہ انسان کے لئے زمینہ ھموار ھوسکے کہ وہ اس کمال تک پھونچ سکے، اس کا مطلب یہ ھوا کہ اگر اجتماعی زندگی نہ ھو تو انسان ضروری معرفت حاصل نھیں کرسکتا اور نہ ھی ضروری عبادت انجام دے سکتا ۔
نتیجتاً وہ کمال تک نھیں پھونچ سکتا.پس اجتماعی زندگی ھی وہ وسیلہ ھے جس میں انسان تعلیم وتعلم حاصل کرتا ھے اور انسان بھتر زندگی کے راستہ کو پھچان سکتا ھے، او راس کو طے کرنے کے لئے موقع فراھم ھوتاھے اور اس کے نتیجہ میں کمال تک زیادہ نزدیک ھوسکتا ھے، اگر ان برھانی مقدمات (جو اپنے مقام پر ثابت ھوچکے ھیں او ران پر دلائل بھی موجود ھیں) کو قبول کریں تو نتیجہ نکال سکتے ھیں کہ اجتماعی زندگی کا ھدف انسانی کمال تک پھونچنا ھے نہ کہ صرف مادی چیزوں کو حاصل کرلینا،بلکہ انسان کے تمام پھلوؤں کوکامل ھونا چاھئے۔
پس اجتماعی زندگی کا ھدف تمام انسانوں کے دنیوی اور مادّی منافع اور معنوی واخروی منافع کو فراھم کرے، اور چونکہ تمام انسانوں کا یہ ھدف ھے لھٰذا تمام انسان اس زندگی میں حق رکھتے ھیں.
اب جبکہ یہ ثابت ھوچکا کہ انسان کی اجتماعی زندگی کا ھدف صرف مادی منفعتوں کا پورا ھونا نھیں ھے ،اور قانون کا ھدف بھی صرف امنیت کا برقرار ھونا نھیں ھے بلکہ امنیت کے علاوہ دوسرے اھداف بھی ھےں، جن کو پورا ھونا چاھئے ،لھٰذا امنیت وآسائش اور مادی احتیاجات کا پورا ھونا اس نھائی کمال اور تقرب الٰھی تک پھونچنے کے لئے ایک مقدمہ ھے۔
بھرحال ، اسلامی نظریہ کے اعتبار سے انسان کی خلقت کا ھدف یہ ھے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام اطراف وجوانب میں تکامل وتقرب الی اللہ کے وسائل فراھم کرے اور اپنی زندگی کے تمام پھلوؤں کو الٰھی اور اسلامی سانچے میں ڈھالے،
چونکہ انسان کے مختلف پھلو ھیں ،اس بناپر تمام ھی پھلوؤں کی پیشرفت ،انسان کی حقیقی پیشرفت وترقی ھے، نہ کہ صرف مادی ، اجتماعی اور ٹیکنیکی ترقیاں، لھٰذا مادی پھلوؤں کے ساتھ معنوی پھلوٴ مل کر انسان کی حقیقت سنوارتے ھیں، پس اجتماعی زندگی کا ھدف انسان کی تمام پھلوؤں کی پیشرفت وترقی ھے ،اور وہ قانون سب سے بھتر ھے کہ جس میں انسان کے تمام پھلوؤں کی ترقی کے لئے راہ ھموار ھو اور ان چیزوں کو مقدم کرے کہ جن کے ذریعہ سے نھائی ھدف یعنی قرب الٰھی تک پھونچاجاسکے۔

5۔ قانون گذار کی ضروری صفات
اسلامی حکومت یہ نھیں کھہ سکتی کہ ھماری ذمہ داری فقط معاشرہ کی امنیت کو پورا کرنا ھے،کیونکہ یہ تو ”ھابز“ کا نظریہ ھے کہ جو کھتا ھے کہ انسان بھیڑئے کہ طرح ھیں، جو ایک دوسرے کی جان کے پیچھے پڑے ھیں کسی ایک طاقت کا ھونا ضروری ھے تاکہ ان کو کنٹرول کرسکے. انسان کو چاھئے کہ اپنا اختیار کسی ایسے انسان یا گروہ کے ھاتھ میں دیدے جو ان کو کنٹرول کرسکے اور ان کے ظلم وستم سے بچاسکے، پس یہ کھنا کہ حکومت کی ذمہ داری صرف لوگوں کی امنیت پورا کرنا اور عسر وحرج سے روکنے کے علاوہ کچھ نھیں ھے ،بے شک یہ نظریہ باطل ھے اور جانوروں کی اجتماعی زندگی کے لئے مناسب ھے، نہ کہ انسانی معاشرے کے افراد کے لئے جو اشرف المخلوقات اور بھت سی قابلیتوں کے مالک ھےں،بلکہ ان کا ھدف بھت بلندوبالا ھے۔
لھٰذااسلامی حکومت کو وہ قوانین جاری کرنا چاھئے جن سے انسان کے تمام پھلورشد وترقی کرسکیناور انسان کے تمام

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مصالح کو تمام پهلوؤں میں پورا کرسکےں،اور یہ سب اسلامی پرچم کے زیر سایہ عملی هوسکتے هیں؛ اور چونکہ ایسے قوانین کے لئے ضروری هے کہ انسان کے تمام پهلؤں کا علم هونا چاهئے.هم ایسے افراد کو جانتے هیں جو انسان کے بعض پهلو میں مهارت رکهتے هیں. لیکن عام لوگوں میں کوئی ایسا نهیں هے کہ جسے انسان کے تمام پهلؤں کا علم هو. اگر قدیم زمانہ میں ایسے فلاسفہ هوا کرتے تهے جو اس طرح کا دعویٰ کرتے تهے۔

لیکن آج انسان کا جهل اور لاعلمی پهلے سے کهیں زیادہ واضح هے . انسان کے پهلو اس حدتک مخفی هیں کہ کوئی دانشمند یہ دعویٰ نهیں کرسکتا کہ میں انسان کے تمام زاویوں پر احاطہ رکهتا هوںاور انسان کی تمام ضرورتوں کو بتاسکتا هوں، اس کے علاوہ ایک مسئلہ یہ هے کہ کبهی کبهی انسان کی ضرورتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی هیں، ممکن هے کہ بعض مقامات پر معاشی ترقیاں ،الٰهی ومعنوی امور سے ٹکرائیں، البتہ همارا اعتقاد یہ هے کہ الٰهی احسن نظام نے انسانی تمام مصالح کوپورا کیا هے، لیکن ممکن هے کہ کسی معاشرہ میں کسی مقام پر انسانی مصلحتوں کے درمیان ٹکراؤ دکهائی دے۔ لهٰذا ضروری هے کہ ان مصالح کی طبقہ بندی کی جائے اور بعض چیزوں کو مقدم کرنے کے قائل هوں، تاکہ اگر دو مصلحتوں میں ٹکراؤ هو تو ذمہ دار افراد کو معلوم هو کہ کس کو مقدم کیا جائے؟ قانون گذار کا یہ بهی ایک وظیفہ هے کہ ان امور کو مشخص کرے جو اولیت رکهتے هینیعنی قانون گذار کے اندر یہ صلاحیت هونا چاهئے کہ وہ اولویات کو مشخص اور معین کرسکے یهاں آنے کے بعد انسان کی ناتوانی او رکمزوری مزید ظاهر هوجاتی هے،کیونکہ انسان کی اولویات کو پهچاننا انسان کے بس منی نهیں هے۔

بهر حال انسان کے تمام پهلوؤں پر احاطہ رکهنے کے ساتھ ساتھ ،قانون گذار کے لئے ایک اهم نکتہ یہ بهی هے کہ اپنے کو ذاتی او رگروهی خواهشات سے خالی کرے، اورمعاشرہ کے مصالح ومنافع کو اپنے یا اپنے گروہ کے مصالح پر مقدم کرے اور یہ کام هر ایک کے بس کی بات نهیں هے. صرف انسان متقی وپرهیزگار هی اپنے ومعاشرہ کے منافعوں کے ٹکراؤ کی صورت میں معاشرہ کے منافعوں کو مقدم کرے او راپنے یا اپنے گروہ کی منافعوں سے چشم پوشی کرسکتا هے او رآزادانہ طور پر معاشرہ کے منافعوں کو اپنے منافع پر ترجیح دے سکتا هے، لیکن معاشرہ میں ایسے افراد کا ملنا مشکل هے او رشاید تقریباً محال کی منزل میں هو. پس نتیجہ یہ نکلا کہ قانون گذار کو تمام مصلحتوں سے آگاهی کے ساتھ ساتھ اس میں ایسی صلاحیت هونا چاهئے اپنے منافع پر معاشرہ کے منافع کو مقدم کرے ۔

یهی سے الٰهی قانون کی افضلیت بشری قانون پر مکمل طور پر واضح وروشن هوجاتی هے، کیونکہ خداوندعالم تمام لوگوں سے انسانی مصلحتوں کو بهتر جانتا هے اور صرف انسان کی مصلحتوں کی رعایت کرتا هے اور اس کو انسانی کردار کی کوئی ضرورت نهیں هے،تاکہ انسان کے اعمال سے خدا کی کوئی مصلحت او راس کے لئے فائدہ هو، جس کے نتیجہ میں مزاحمت پیدا هو: خدا انسان کے کاموں سے کوئی نفع نهیں حاصل کرتا هے تاکہ اس کا نفع دوسروں کے نفع سے ٹکرائے. یہ تمام چیزیں اس وقت هیں کہ جب هم اپنے منافع کو خدا کے حق ربوبیت کے علاوہ سمجهیں، لیکن اسلامی نظریہ کے مطابق ان تمام چیزوں سے بلند تر وہ بلند کمال هے جس تک انسان کو پهونچنا هے، هم اسی بنیاد پر کهتے هیں: بالفرض اگر انسانی زندگی کے مادی مصالح اور اجتماعی روابط یهاں تک کہ روحی ومعنوی مصالح پورے هوجائیں، پهر بهی ایسا معاشرہ نمونہ نهیں بن سکتا. ایسا انسان او رمعاشرہ نهائی هدف تک نهیں پهونچ سکتا،کیونکہ نهائی کمال خدا کی قربت میں هے، اور یہ قربت خدا کی عبادت واطاعت اوربندگی سے حاصل هوسکتی هے۔

اگر انسان صحت وسلامتی کے ساتھ ساتھ معاشرہ کا چین وسکون، اوردشمن کے مقابلہ میں دفاع اور عدالت سے همکنار هو یعنی انسان تمام اجتماعی حقوق سے مالامال هو، لیکن اس زندگی میں خدا کی عبادت نہ کی جائے، تو ایسا انسان نهائی کمال تک نهیں پهونچا هے او رخدا کی رضا وخوشنودی کا مستحق نهیں هوا هے. اسلامی نظریہ کے مطابق ، یہ تمام چیزیں انسان کے خدا سے رابطہ کا مقدمہ هےں، انسان کا حقیقی کمال اسی خدا سے رابطہ میں هے. چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کا حقیقی کمال خدا کے قرب میں هے. خدا کا قرب ایک نعرہ نهیں هے بلکہ ایک حقیقت اور ایسا معنوی ارتباط هے جو خدا اور انسان کے درمیان برقرار هوتا هے،اورانسان اپنی زندگی کے مراحل کو طے کرتا هوا آگے بڑهتا هے یهاں تک اس بلند مقام تک پهونچتا هے. اس بلند مقام کی پهچان هر عام انسان کے بس کی بات نهیں هے، اور اس کو نهیں معلوم کہ انسان کے لئے کتنا عظیم مرتبہ هے ،تاکہ مادی ودنیوی خواهشات کے ساتھ ساتھ اس روحانی ومعنوی کمال تک پهونچ جائے۔

اور یہ بات بهی یهاں سے واضح هوجاتی هے کہ خداوندعالم کو هماری عبادت کی کوئی ضرورت نهیں هے ،لیکن پهر انسان کو عبادت کے لئے کیوں پیدا کیا جیسا کہ ارشاد هوتا هے :

(مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالِانْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُونِ)(2)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا هے کہ وہ میری عبادت کریں''

جواب یہ هے کہ انسان کا نهائی کمال عبادت کے علاوہ حاصل نهیں هوسکتا، لهٰذا خدا کی پهچان اور اس کی اطاعت کرنا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ضروری ھے تاکہ انسان اپنے حقیقی کمال تک پھونچ سکے. ان مقدمات کے پیش نظراب ھم یہ کھہ سکتے ھیں کہ وہ قانون مناسب ومطلوب ھے جو معاشرہ کے سرگرم افراد کی مادی ومعنوی احتیاجات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ، ناتوان وکمزور اپاھج لوگوں کی بھی احتیاجات پورا کرے جو کہ معاشرہ میں کچھ بھی خدمات انجام نھیں دے سکتے ، کیونکہ یہ بھی حقوق رکھتے ھیں۔
اسلامی حکومت کا یہ وظیفہ ھے کہ ان لوگوں کے حقوق کو بھی تامین کرے، اور فقراء ومساکین اور اپاھج لوگوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کیا جائے کیونکہ یہ بھی خدا کے بندے ھیں اور اس انسانی معاشرہ میں پیدا ھوئے ھیناور جب تک زندہ ھیں ان کے حقوق کو دئے جائیں. لھٰذا معاشرہ میں وہ قوانین جاری ھوں ان لوگوں کے حقوق کو مدّ نظر رکھا جائے ، اسی وجہ سے قرآن نے عدالت کے علاوہ احسان پر بھی توجہ دلائی ھے ، ارشاد ھوتا ھے:
(إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ)(3)
”بے شک خدا انصاف اور (لوگوں کے ساتھ) نیکی کرنے کا حکم کرتا ھے“
خدا وندعالم کے احکامات صرف اخلاقی احکامات نھیں ھیں،بلکہ واجب احکام ھیں جن کی رعایت کرنا ضروری ھے، اور اگر صرف عدالت کی رعایت کرنا ضروری ھوتا تو پھر احسان کا اضافہ کرنا کیا ضروری تھا؛ پس جس طرح معاشرہ میں عدالت کا اجرا کرنا ضروری ھے، اسی طرح احسان کی رعایت بھی واجب ھے، یعنی صرف خدمات انجام دینے والے افراد ھی صاحب حقوق نھیں، بلکہ کچھ ایسے حقوق ھیں جن کو خداوندعالم نے ھر انسان کے لئے مقرر فرمائے ھیں، یھاں تک خداوندعالم نے ان افراد کے لئے بھی حقوق معین فرمائیں ھیں جواس دنیا میں بدترین حالات میں زندگی گذار رھے ھیں مثلاً ھاتھ پیر آنکہ اور کان سے محروم ھینلیکن جب تک وہ سانس لے رھے ھیناور زندہ ھیں تو اسلامی حکومت کو یہ حق ھے کہ وہ ان کے حقوق کی رعایت کریں. لھٰذا اس طرح کے قوانین پر حکومت اسلامی کو توجہ قرار دینا چاھئے، اور یہ نھیں سوچنا چاھئے کہ ھماری ذمہ داری فقط اتنی ھی ھے جس کو مغربی دانشوروں جیسے ”ھابز“ یا ”روسو“ وغیرہ نے کھا ھے، کیونکہ یا تو ان لوگوں کی نظر میں انسانی بلند مراتب نھیں تھے یا انسان کو بھیڑیا صفت یا شھد کی مکھیوں کی طرح مانتے ھیں،لیکن اسلام کی نظر میں انسان کی عظمت (اگرچہ اجتماعی زندگی بھی رکھتے ھیں)حیوانوں سے کھیں زیادہ بلند ھے۔
پس قانون ایسا ھونا چاھئے جو انسان کی مادی اور معنوی ضروتوں پورا کرے جو نھائی کمال تک پھونچنے کا مقدمہ ھوں،اب اگر یہ مان لیا جائے کہ قانون کو انسان کی تمام مادّی ومعنوی مصلحتوں کی رعایت کرنا ضروری ھے تو پھر کیا انسان کو ھر طرح کی آزادی دی جاسکتی ھے؟ انسان کو اگر اس بلند مقصد تک پھونچنا ھے تو پھر اس کے ارادہ کو محدود اور سسٹمیٹک ھونا چاھئے، انسان کو ایک خاص راستہ پر چلنا ھوگا تاکہ اس بلند مقصد تک پھونچ سکے. کیا انسان کسی بھی راستہ پر چل کر اس بلند ھدف تک پھونچ سکتا ھے؟
کیا وہ لوگ جنھوں نے خدا کو نھیں پھچانا یا خدا کا انکار کیا یا اس سے اور اس کے ماننے والوں سے مقابلہ کیا اس انسانی کمال تک پھونچ سکتے ھیں؟ کیا انسان کے کمال تک پھونچنے کا راستہ عبادت نھیں ھے ؟ تو پھر کس طرح وہ انسان جو خدا او رخدا پرستی سے مقابلہ کرتا آیا ھے انسانی حقیقی کمال تک پھونچ سکتاھے؟ اگر اسلامی حکومت کی ذمہ داری یہ ھے کہ انسانی پیشرفت کے لئے تمام پھلوٴں خصوصاً معنوی پھلو کے لئے راستہ ھموار کرے تو پھر انسانی ارادوں کو محدود ھونا چاھئے اور اس طرح کے قوانین بنائے جائیں جو انسان کے لئے ان کمالات عالیہ تک پھونچنے میں کوئی رکاوٹ نہ بنیں۔

6۔ اسلامی اور لیبرالیزم قوانین میں اختلاف
ھمارے گذشتہ مطالب کے پیش نظرکہ اسلامی قوانین اور انسان کے بنائے قوانین(خصوصاً لیبرالیزم قوانین، جن کا ماننا یہ ھے کہ انسان کو حق معاشرہ کی خدمت کے عوض میں ملتا ھے) میناختلاف پایا جاتا ھے ، چنانچہ ھم اس بات کو چند نکات میں بیان کرتے ھیں۔
الف :لیبرال معاشرہ میں اپنی نظر کے مطابق ، جو لوگ اپنی مشکلات کی وجہ سے معاشرہ کی کوئی خدمت نھیں کرسکتے ان کے لئے کسی بھی طرح کے حق کے قائل نھیں ھیں،لیکن اسلام ان کے لئے بھی حق کا قائل ھے، اور ظاھر ھے کہ ان کے حق کی رعایت کے لئے اس کے منابع ھونا ضروری ھیں کیونکہ لوگوں کی ضروتوں کو پورا کرنے کے لئے کوئی ادارہ ھونا ضروری ھے ، اور اس ادارہ کی تامین کے لئے لازم ھوتا ھے کہ ھم دوسرے لوگوں کے ارادوں کو محدود کریں،یعنی معاشرہ کے مال کا کچھ حصہ ان لوگوں سے مخصوص کیا جائے، جبکہ دوسرے لوگ اس کو نھیں چاھےں گے،لھٰذا ان کی خواھشات کو لامحالا محدود کیاجانا پڑے گا۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ب :اجتماعی زندگی میں معاشرہ کے اندر ایسے حقوق کو پیش نظر رکھا جائے کہ اگر کسی موقع پر بعض افراد کے حقوق معاشرے کے حقوق سے ٹکرائیں تو معاشرے کے حقوق کو مقدم کی جائے، اور معاشرے کے حقوق اور افراد کے حقوق میں ٹکراؤ پیدا ہونے کی صورت میں، معاشرے کے حقوق کو مقدم ہونا چاھئے ، اور یہ کھنا کہ اگر معاشرہ کے حقوق اور فردی حقوق میں تعارض پیدا ہوجائے تو معاشرہ کے حقوق کو مقدم کیا جائے گا یا فردی حقوق کو، ھمیں اس بات کو مختلف نظریوں سے دیکھنا ھوگا کیونکہ اس بارے میں دو مختلف نظریہ پائے جاتے ھیں بعض لوگ انفرادی حقوق کو مقدم کرتے ھیں چنانچہ اس وقت مغربی دنیا میں جامعہ گرائی کے مقابلہ میں فرد گرائی زیادہ رائج ھے اگر جامعہ گرائی سوسیالسٹی(Socialisti) نظریہ بھی قدرے پایا جاتا ھے جس کی طرف سے گاھے گاھے فرد گرائی (صرف اپنے فکر کرنا) والوں پر اعتراضات ھوتے رھتے ھیں۔

بھرحال لیبرال(Liberal) نظریہ کے مقابلے میں اسلام معاشرہ کے حقوق کو لوگوں کے حقوق سے زیادہ مانتا ھے یعنی اگر معاشرہ اور افراد کے حقوق میں ٹکراؤ پیدا ھوجائے خصوصاً اگر کو اھم ٹکراؤ ھو تو معاشرہ کے حقوق کو مقدم کیا جاتا ھے۔ لیکن لیبرال حکومتیناس وجہ سے کہ مارکیٹ کا ریٹ نہ ٹوٹے اور مالداروں کا نقصان نہ ھو لاکھوں ٹن کھانے پینے کے سامان کو جلادیتے ھیں یا دریامیں ڈال دیتے ھیں ، لاکھوں لوگوں کا بھوک سے مرنا ان کو منظور ھے لیکن ان کا مادی نقصان نہ ھو، لیکن اسلام ھرگز اس طرح کی اجازت نہیں دیتایعنی اسلام کا نظریہ یہ ھے کہ ایسے افراد کو روکا جائے او ران کو محدود کیا جائے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلاکہ معاشی آزادی بھی اس طرح بے لگام نہیں ھے بلکہ یہ آزادی بھی محدود ھونا چاھئے۔ پس جس طرح معاشرہ کے معذور ومحروم افراد کی وجہ سے معاشرہ کا منافع محدود ھونا ضروری ھے اسی طرح معاشرہ کے کلی مصلحتوں کی خاطر افراد کے ارادوں کو محدود ھونا چاھئے تاکہ تمام معاشرے کے مصالح تأمین ھوسکیں۔

ج : اسلامی معاشرہ میں کچھ ایسے بھی مسائل ھیں جو خود اپنی ذات سے متعلق ھیں لیکن چونکہ ان کا اثر معاشرہ پر پڑتا ھے لہٰذا اجتماعی مسائل حساب ھوتے ھیں.مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنے گھر میں تنہائی کے عالم میں جبکہ اس کو کوئی نہ دیکہ رھا ھو کسی گناہ کا مرتکب ھو تو بے شک اس کا یہ گناہ فردی ھے اور جو قوانین اس طرح کی چیزوں کو محدود کر تے ھیں ان کو ”اخلاقی قوانین“ کھتے ھیں (قطع نظر اس چیز سے کہ یھاں پر ”اخلاقی “ کھنا صحیح ھے یا نہیں)

مطلب یہ ھے کہ اگر کو ئی شخص تنہائی میں کسی گناہ کا مرتکب ھو تو دوسروں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ھے او رحکومت کو بھی مداخلت کا کوئی حق نہیں ھے اس بات کو تقریباً تمام ھی سیاستداں حضرات قبول کرتے ھیں کیونکہ حکومت کا دائرہ معاشرہ تک محدود ھے نہ کہ شخص سے، لیکن یھاں اس بات پر اختلاف ھے کہ اگر کوئی شخص اس طرح کا کارنامہ انجام دے جس کاتھوڑا بھت اثر دوسروں پر پھونچتا ھویا کم سے کم یہ ھے کہ دوسرے لوگوں کو اسے دیکہ کر گناہ کرنے کا شوق ھوتا ھے تو کیا یہ کام اجتماعی شکل پیدا کرے گا یا نہیں؟

اگر کوئی شخص سڑک پریا کوئی ایسی جگہ کہ دوسرے لوگ اس کو دیکہ رھے ھوں کوئی گناہ کرے ،اور اس کو دیکہ کر گناہ کرنے پر جرئت پیدا کرتے ھیناو راس گناہ کے کرنے کا رجحان پیدا ھو ، تو اب اس کا یہ کام فردی حالت سے نکل کر اجتماعی شکل پیدا کرلیتا ھے ؛ کیا ھمیں حق نہیں ھے کہ اس کام میندخالت کریناس وجہ سے کہ اس گناہ کا ضررونقصان خود اسی کو پھونچے گا؟!

اسلام تو اس چیز کی اجازت نہیں دیتا، اسی وجہ سے تظاھر بہ فسق (کھلے عام گناہ کرنا) ایک اجتماعی مسئلہ حساب ھوتا ھے۔ اگر کوئی شخص دوسروں کے سامنے گناہ کا مرتکب ھوتا ھے تو یہ گناہ حقوقی جرم (اخلاقی خلاف ورزی کے مقابلہ میں) ھے اور حکومت اس میں دخالت کرسکتی ھے۔ وہ قانون جو اس طرح کے گناھوں سے منع کرتا حکومتی قانون کھا جاتا ھے جس کے جاری کرنے کی حکومت ذمہ دار ھوتی ھے۔

لہٰذا اگر تنہائی میں گناہ انجام پائے او رکسی کو پتہ بھی نہ لگے تو اس سے حکومت کا کوئی سروکار نہیں ھے اور کوئی عدالت ایسی نہیں کہ جو اس کو محکوم کرے، لیکن اگر گناہ اجتماعی صورت پیدا کرلے جس سے دوسروں میں بھی گناہ کا رجحان پیدا ھو تو اس وقت حقوقی او راجتماعی پھلو پیدا ھوجاتا ھے او رحکومت کی ذمہ داری ھے کہ ایسے گناھوں سے روکے۔

د : گناہ اور معاشرے کو ضرر پھونچانا صرف مادّی چیزوں میں منحصر نہیں ھے بلکہ حیثیت اور آبرو کو ضرر پھونچانا بھی گناہ وجرم حساب ھوتا ھے۔ کسی بھی معاشرہ کو لے لیجئے کسی کی بے حرمتی او رتوھین کرنا چاھے فیزیکی اور ظاھری طور پر نہ ھو(مثلاً کسی کو توھین آمیز اور مذاق بنانے والی باتیں کھنا) گناہ سمجھا جاتا ھے، او رچونکہ دوسرے سے متعلق ھوتا ھے تو حکومت کو اس سلسلہ میں سزا دینے کا حق حاصل ھے،اسلامی معاشرہ میں دینی مقدسات کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

توھین کرنا مسلمانوں کے نزدیک سب سے بڑی خلاف ورزی ھے، او راگر کوئی دین کی توھین کرے تو اس کی سزا بھی زیادہ ھونا چاھئے، کیونکہ اسلامی معاشرہ میں دینی مقدسات سے بڑہ کرکوئی چیز نہیں ھے، لھٰذا دینی مقدسات کی توھین سب سے بڑا جرم ھے۔
چنانچہ اس کے لئے سزا بھی سب سے بڑی ھونا چاھئے، اسی بناپر اگر کوئی مرتد ھوجائے یا اسلامی مقدسات کی توھین کرے تو اس سے کوئی معاملہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر کوئی پیغمبر اکرم یا دوسری مقدسات کی توھین کرے تو اسلام کی نظر میں اس کی سزا پھانسی ھے؟ کیونکہ اس نے سب سے بڑا جرم کیا ھے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک اس سے مقدس ترین کوئی چیز نہیں ھے اور ان مقدسات کی توھین سب سے بڑا جرم ھے لھٰذا اس کی سزا بھی سب سے بڑی یعنی پھانسی ھے اور یہ ایک بنیادی اختلاف ھے کہ جو اسلام اور لیبرال نظریہ میں پایا جاتا ھے۔
یہ لوگ کھتے ھیں کہ اگر کسی نے آپ کو گالی دی ھے تو آپ بھی گالی دیدیں، یہ کوئی جرم نہیں ھے؛ کیونکہ زبان چلانا آزاد ھے! مثلاً اگر کسی نے آپ کے پیغمبر کو برا کھا ھے تو آپ ان کے پیغمبر کو برا کھہ دیں. لیکن اسلام کا نظریہ یہ نہیں ھے ، اسلام میں اسلامی مقدسات کی توھین کرنا سب سے بڑا جرم ھے اور صرف حقوقی پھلو نہیں ھے بلکہ جزائی او رسزائی پھلو رکھتا ھے، لھٰذا اس کے لئے سزا بھی اتنی ھی سخت رکھی گئی ھے اس طرح کی توھین کسی ایک فرد کی توھین نہیں ھے بلکہ پورے اسلامی معاشرہ کی توھین ھے. حقوقی مسائل ایک کے رابطہ سے مربوط ھے: اگر کسی نے کسی کو طمانچہ مارا ھے تو اسے بھی بدلے کا حق ھے ، وہ اس کی شکایت بھی کرسکتا ھے او رممکن ھے اس کو جیل بھیج دیا جائے یا اس کومالی جرمانہ دینا پڑے؛ لیکن اگر وہ شخص اس کو معاف کردے تو پھر قضیہ تمام ھوجاتا ھے اور عدالت بھی اس کو کچھ نہیں کھے گی، لیکن سزائی احکام میں اس طرح نہیں ھے،یھاں تک کہ اگر شکایت کرنے والا بھی اس کو معاف کردے تو بھی مدعی العموم (جو لوگ معاشرہ کے حقوق کے دفاع کرنے والے ھیں) حق رکھتے ھیں کہ اس کی پیروی کرے، کیونکہ یہ بے احترامی پورے معاشرے کی بے احترامی ھے، لھٰذا مدعی العموم اس کی شکایت کرسکتے ھیں۔
اسلامی مقدسات کی توھین کسی ایک فرد کی توھین نہیں ھے کہ کوئی خاص فرد اس کی شکایت کرے اور اگر شکایت کرنے والے نے معاف کردیا تو مسئلہ تمام ھوجائے گا، پھر عدالت بھی اس کی تعقیب نہیں کرے گی. لیکن اگر کوئی اخبار یا تقریر میں اسلامی مقدسات کی توھین کرے تو ایسا شخص اسلام کی نظر میں محکوم ھے اور اسلامی قاضی کو اس کی تعقیب کرنا ھوگی؛ کیونکہ اس نے اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کے حقوق کو پامال کیا ھے اورشخصی وفردی مسئلہ نہیں ھے بلکہ کیفری وسزائی مسئلہ ھے کوئی اس جرم کو معاف نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ ایک ایسا حق ھے کہ جو تمام مسلمانوں سے متعلق ھے بلکہ اس سے بڑہ کر یہ کہ یہ خدا سے مربوط ھے،یہ ایسے مسائل ھیں جن کے بارے میں مسلمان دانشور طبقہ خصوصاً ھمارے یونیورسٹی کے طالب علم توجہ رکھیں او رخیال نہ کریں کہ اسلام کے سیاسی وحقوقی مسائل مغربی نظریہ کی طرح ھیں اور صرف اس دنیا کے مادی ودنیوی مسائل سے مربوط ھیں. اسلامی نظریہ کے مطابق معاشرہ کے حقوق فردی حقوق پر مقدم ھیں، اور صرف خدمت کے عوض کسی کو حق نہیں ملتا۔
بلکہ ھر وہ شخص جو اسلامی معاشرہ میں زندگی گذارتا ھے حق رکھتا ھے اور یہ حق کسی خاص گروہ سے مربوط نہیں ھے؛ اور جیسا کہ ھم نے عر ض کیا کہ معاشرہ بھی کچھ حقوق رکھتا ھے اوراس کے حقوق دوسرے افراد کے حقوق پر مقدم ھیناور یہ حقوق صرف مادی نہیں ھیں بلکہ ان میں معنوی حقوق بھی شامل ھیں، اور صرف دنیاوی منافع سے مربوط نہیں ھیں بلکہ اخروی ومعنوی مصالح سے بھی مربوط ھیں۔
اب تک جو کچھ ھم نے عر ض کیا اس سے اسلامی قوانین کا دوسرے قوانین سے امتیاز واضح ھوجاتا ھے ،اور سمجھ میں آتا ھے کہ کیوں اسلامی معاشرہ مینانسانوں کے فردی ارادوں کو محدود کرنا ضروری ھے اور سیکولر،لائک او رلیبرال نظریات کی طرح نہیں ھیں، اس کی وجہ یہ ھے کہ جو چیز ارادوں کو محدود کرسکتی ھے وہ مادی او رفردی منافع ھیں. لیکن اسلام میں معنوی واخروی منافع بھی ھیں، اور ان مصلحتوں میں سے ھر ایک خاص محدودیت چاھتی ھے جس کا لازمہ یہ ھے کہ اسلامی معاشرہ میں فردی آزادی ،لائک ولیبرال معاشروں سے کمتر پائی جاتی ھے، اور اسی چیز کا اسلامی حکومت مذھبی اعتقاد کی بناپر تقاضا کرتی ھے اور ھم کمال وضاحت اور شجاعت کے ساتھ اس کا دفاع کرتے ھیں۔

حوالے
سورہ نحل آیت90
سورہ ذاریات آیت 56

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسلام اور سیاست جلد(۱)

بیسواں جلسہ

**قانون وحکومت کی ایک نئی تصویر**

1۔معاشر ہ پر ایک طبقاتی اور احزابی نظر
گذشتہ جلسات میں ھماری بحث اسلامی حکومت اور سیاست میں قانون گذاری کے بارے میں تھی، اس وقت ھم مذھب اسلام کی روشنی میں سیاسی اور حکومتی احزاب کی معاشرہ میں کیا اھمیت ھے اس پر بحث کریں گے، اس کی وضاحت کے لئے ھم ایک مثال اور تشبیہ عرض کریں گے تاکہ اصل موضوع کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔
قدیم زمانہ میں دانشور حضرات معاشرہ کو انسانی پیکر سے تشبیہ د ے کر کھا کرتے ھیں: جس طرح انسان کا بدن مختلف اعضاء وجوارح سے مل کر بنتا ھے ،اسی طرح معاشرہ بھی مختلف ذات پات، طبقات اور احزاب سے مل کر بنتا ھے او ران میں سے ھر ایک بذات خود چند اقسام پر مشتمل ھوتا ھے اور ھر ایک طبقہ اور حزب چند افراد پر مشتمل ھوتا ھے جو انسان کے اعضاء کی طرح حکم رکھتا ھے. البتہ بعض اوقات اس تشبیہ میں افراط وتفریط ھوئی ھے، جس سے درست استفادہ نھیں ھوپایاھے۔
معمولاً علمی وعملی سرگرمیوں میں افراط وتفریط ھوتی ھی رھتی ھے، چنانچہ صحیح راستہ کی معرفت حاصل کرنا ایک مشکل کام ھوتا ھے، ایسا ھی بعض افراد نے مذکورہ تشبیہ کے بارے میں کیاھے: چنانچہ وہ کھتے ھیں کہ جس طرح انسان کا بدن مختلف اعضاء سے مل کربنتا ھے،اور یہ اعضاء طبیعی طور پر آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ھیں ،اور ان میں سے ھر ایک اپنی جگہ ایک خاص ذمہ داری رکھتا ھے، اسی طرح معاشرہ کے اعضاء بھی مختلف ھوتے ھیں اور ان میں سے ھر ایک خاص کام کے لئے ھوتا ھے او راس کو وھی کام کرنا ھوتا ھے،اور اس کو اپنے کام سے آگے قدم نھیں بڑھانا چاھئے۔
مثال کے طور پر ،ھم جانتے ھیں کہ انسان کے تمام اعضاء صرف ایک" سلول Cellule" (عنصر) سے بنتے ھیں، او رپھر اسی سلول سے ھمارے بدن کے تمام اعضاء بنتے ھیں،بعض سلول بھت لطیف وظریف ھوتے ھیں کہ جن سے آنکہ یا مغز ودماغ تشکیل پاتے ھیں،اور بعض سلول مضبوط ومحکم ھوتے ھیں جن سے ھڈی بنتی ھے ، اور یہ کبھی نھیں ھوسکتا کہ آنکہ کا سلول ھڈی کی جگہ یا ھڈی کا سلول آنکہ کے سلول کی جگہ استعمال کیا جائے، یعنی آنکہ سے کان کا کام لیا جائے اور اور ھڈی سے آنکہ کا کام لیا جائے، جبکہ یہ تمام سلول ایک ھی سلول سے بنے ھوئے ھیں،لیکن آپس میں اتنا اختلاف رکھتے ھیں کہ صرف اپنے معین شدہ کام ھی کو انجام دے سکتے ھیں، لھٰذا ان کو ایک دوسرے کی جگہ نھیں رکھا جاسکتا۔
یہ لوگ کھتے ھیں کہ معاشرہ کے افراد بھی طبیعی طور پر اسی طرح مختلف طبایع کے اوپر خلق ھوئے ھیں ان کے مختلف طبقات ھیں، ھر ایک کے خاص کام معین ھیں اور صرف اپنا ھی کام انجام دے سکتے ھیں، قدیم زمانہ میں فلاسفہ حضرات معتقد تھے کہ معاشرہ کی مختلف قومیں اور طبقات اپنے لئے ایک معین حد رکھتی ھیں، اور ھر ایک کا کام میں الگ الگ ھوتا ھے (مثلاًحبشی( سیاہ فام قوم)کی ذات سخت اورمحنتی کام کے لئے پیدا کی گئی ھے او رسرخ یا زرد رنگ والی قوم فکری کاموں کے لئے پیدا ھوئی ھےں)یہ لوگ اسی تشبیہ سے اس چیز کا استفادہ کرتے تھے. ان لوگوں کا ماننا یہ تھا کہ رنگ کا اختلاف، قومونکا اختلاف اورانسان کے خون کے اختلاف ھونے کا سبب بنتا ھے جس کی وجہ سے انسان کی ھر قوم الگ الگ کاموں کے لئے مخصوص ھے،لیکن معلوم ھونا چاھئے کہ یہ نظریہ افراط (زیادہ روی) ھے ،علم وفلسفہ اور دین اس نظریہ سے متفق نھیں ھیں۔

2۔ معاشر ہ کے طبقاتی اور احزابی نظام کے بارے میںاسلام کا نظریہ
اسلامی نظریہ کے مطابق ،تمام انسان اپنے بدن اور روح کے اعتبار سے معاشرہ میں مختلف کام انجام دینے کی صلاحیت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رکھتے ھیں. البتہ انسانوں کی قابلیت وصلاحیت مختلف ھوتی ھے او ربرابر نھیں ھوتی، لیکن ایسا بھی نھیں ھے کہ کالے اورگوروں کے درمیان ایک ایسا فرق ھو جو ایک دوسرے کے کاموں کوانجام نہ دے سکیں، کالے گوروں کا کام نہ کرسکیں یا گورے کالوں کا کام نہ کرسکیں، اسلامی نظریہ کے مطابق ، اگرچہ انسانی بدن اور معاشرہ میں شباھت پائی جاتی ھے، جس سے گروھوں اور افراد کی وضعیت کو معین کرنے کے لئے دو نتیجہ نکالے جاسکتے ھیں،لیکن معاشرہ کی ان اعضاء بدن سے تشبیہ دینا جو طبیعی طور پر ھر ایک عضو سے متفاوت او رمختلف ھے،او راس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ معاشرہ کے افراد بھی ایک دوسرے سے مختلف ھیں یہ صحیح نھیں ھے، اس زمانے کے بعض جامعہ شناس افرادبھی بالکل اسی طرح کھتے ھینکہ معاشرہ بھی ایک طرح کا ”ارگانیزم“ (Organisme) ھے اور معاشرہ کے مختلف گروہ قوم ذات وپات انسان کے جسم کے اعضاء وجوارح کی مانند ھیں او ران کا رابطہ اعضاء بدن کے رابطہ کی طرح ھے.یھی رابطہ ایک دوسرے کو آپس میں متصل کرتا ھے، ھماری نظر میں یہ نظریہ بھی افراطی ھے.لیکن کیا معاشرہ کے افراد کا آپسی رابطہ بالکل انسانی بدن کے اعضاء کے رابطہ کی طرح ھے؟،نھیں اس طرح کا کوئی حقیقی رابطہ اعضاء بدن کے سلول اور معاشرہ کے افراد کے درمیان نھیں ھے؟
معاشرہ کے افراد اس طرح کا ارتباط رکھتے ھیں اس چیز کو ثابت کرنا بھت مشکل ھے؛ ایسا رابطہ مثلاً آنکہ کے سلول کا ایسا باھمی رابطہ جو ایک عضو کو تشکیل دیتے ھیں یہ ایک مخصوص رابطہ ھے لیکن یھی دیگر اعضاء وجوارح کی مدد سے ایک انسان کے جسم کو تشکیل دیتے ھیں،. لیکن جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ انسان کے بدن اور معاشرہ میں ایسی شباھت پائی جاتی ھےجس سے انسان کی اجتماعی موقعیت کی پھچان ھوسکتی ھے، مرحوم سعدی نے اپنے مشھور معروف اشعار میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا ھے -

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند
کہ در آفرینش زیک گوھر اند

چو عضوی بہ درد آورد روزگار

دگر عضوھا را نماند قرار“ تمام انسان ایک بدن کی اعضاء کی طرح ھیں کیونکہ ان کی خلقت ایک ھی جوھر سے ھوئی ھے“
”مثلاً اگر بدن کے کسی ایک حصہ کو تکلیف ھوتی ھے تو دوسرے اعضاء بھی بے قرار ھوجاتے ھیں“
بے شک یہ تشبیہ معاشرہ کے افراد کے درمیان ایک محبت وھمکاری کو ثابت کرتی ھے، انسان میں محبت وعطوفت کا احساس ھوتا ھے تاکہ وہ کوشش کرے کہ ایک دوسرے سے اس کا رابطہ ھمدردی والا ھو، اس طرح ممکن ھے کہ وہ ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے سے محروم نہ رھیں، یہ ایک معقول تشبیہ ھے کہ جس سے بھت سے استفادہ کئے جاسکتے ھیں،او ریہ تشبیہ حضرت رسول خدا او رامام جعفر صادق علیہ السلام کی احادیث سے کسب کی گئی ھے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ھیں:
”اَلْمُؤمِنُونَ فِی تَبَارِّھمْ وَتَرَاحُمِھِم وَتَعَاطُفِھِم کَمِثْلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکیٰ تَدَاعیٰ لَہ سَایِرُہ بِالسَھرِ وَالْحُمّٰی“(1)
”مومنین ایک دوسرے کے ساتھ محبت وپیار اور ھمدردی سے اس بدن کی طرح پیش آئینکہ جب ان میں سے کسی عضو کو تکلیف پھونچے تو دوسرے اعضاء بھی بے خوابی اور بخار وغیرہ میں اس کی ھمراھی کرتے ھیں“
البتہ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام علیہ السلام نے اسلامی معاشرہ کو ایک پیکر کی طرح تعارف کرایا، اور سعدی شِبش نے اس کو وسعت دی، اور انسانی معاشرہ کو ایک پیکر کی طرح نقشہ کشی کی ھے.
البتہ توجہ رھے کہ اس تشبیہ کاکام یہ ھے کہ وہ جھت جو دو موجود میں مشترک اور ایک میں زیادہ او رمشھور اور دوسرے میں کچھ کم ھوتی ھے، اس کواپنی توجہ کا مرکز قراردیتی ھے، اور چونکہ یہ خاص جھت دوسرے موجود میں کافی مقدار میں شناختہ شدہ نھیں ھے، لھٰذا تشبیہ کی وجہ سے اس میں بھی پھچان لی جائے، اسی بناپر ”مشبہ بہ" کے تمام خصوصیات اور صفات ”مشبہ" میں نھیں لئے جاسکتے، مثلاً اگر کسی بھادر انسان کو شیر کھا جائے، تو اس سے اس کی بھادری کو بیان کرنا مقصود ھوتا ھے ،ایسا نھیں ھے کہ اگر شیر کی گردن پر مخصوص بال ھوتے ھیں تو یہ بھی بال رکھتا ھو، یا یہ کہ اگر شیر ھاتہ پیر سے چلتا ھے تو یہ بھی اسی طرح چلتا ھو!

3۔معاشرہ اور پیکر انسانی میں دیگر شباھتیں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معاشرہ او رانسانی بدن میں گذشتہ تشبیہ کے علاوہ اور بھی تشبیھیں دی گئی ھیں ان میں سے ایک یہ بھی ھے کہ چونکہ انسان کے بدن میں مختلف اقسام کے سسٹم ھیں،جو ایک دوسرے سے ھم فکری اور ھمکاری رکھتے ھیں،جو انسانی سسٹم کی حیات او راس کے رشد میں مؤثر ھوتے ھیں، اسی طرح معاشرہ بھی مختلف شعبے اور مختلف مرکز رکھتا ھے جس کے نتیجہ میں معاشرہ میں زندگی کرنا آسان ھوجاتا ھے، مثال کے طور پر انسان کے بدن میں ایک سسٹم ھوتاھے جس کا کام خون کو تمام جگھوں پر پھونچاناھے اور اس کا مرکز دل میں ھوتا ھے. دل اس خون کو جو معدہ ،جگر اور گوارشی مشین کی ھم آھنگی سے بنتا ھے چھوٹی بڑی رگوں کے ذریعہ تمام سلولوں تک پھونچاتا ھے، جس کے نتیجہ میں انسان کی حیات رواں دواں رھتی ھے۔

خون کو تمام سلول میں پھونچانے والی مشین خود کئی چیزوں سے مل کر بنتی ھے مثلاً دل کا کا م خون کو پمپ کرنا ھوتا ھے اور د وسری رگینخون کو سارے بدن میں میں پھونچاتی ھےں،اسی طرح دوسری مشین خون پھیلانے والی مشین سے وابستہ ھیں جیسے خون کے لئے اکسیجن بنانا کیونکہ خون میں اکسیجن ھونا چاھئے تاکہ بدن کے سلول زندہ رھیں، او راس وجہ سے پھیپھڑے اور سانس لینے والی مشین بدن کے لئے اکسیجن بناتی ھےں، اور یہ اکیسجن خون کے ساتھ تمام بدن میں پھیل جاتا ھے، اسی طرح غذا خون کے ساتھ تمام بدن میں پھیلتی ھے اور یہ غذائیت گوارشی مشین سے بنتی ھے ، پس یہ تین مشین گردش خون، دستگاہ تنفس اور دستگاہ گوارش آپس میں مل کر کام کرتی ھیں جن کی وجہ سے انسان کی حیات ممکن ھوتی ھے ، ان کے علاوہ بدن میں اور دوسری مشینیں بھی ھوتی ھیں جن کا کام مختلف مشینوں پر نظارت او ران کی ھدایت کرنا ھوتا ھے، مثلاً بدن کے مختلف غدے اپنی اپنی مصروفیات میں لگے ھوتے ھیں اور اعصاب(رگیں) دماغ کے حکم کے مطابق کام کرتے ھیں، جن کی وجہ سے دوسرے اعضاء اپنا اپنا کام کرتے ھینمنجملہ ان کے معدہ او ردوسرے اعضاء، اعصابی مشین کے ذریعہ فعالیت کرتے ھیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایاکہ انسان کی زندگی کے لئے بدن کے مختلف سسٹم ایک ساتھ مل کر اپنا اپنا کام کرتے ھیں،اور ایک دوسرے سے ھم آھنگ ھوکر عمل کرتے ھیں. اسی طرح معاشرہ کے مختلف مرکز اور شعبہ جات کو انسان کے مختلف سسٹم سے تشبیہ کریں اور ان میں سے ھر ایک کے لئے ایک مشابہ نمونہ کی عکاّسی کریں:

مثلاً جس وقت ھم انسان کے معدہ او رتمام بدن تک غذائیت پھنچانے والی مشین کو دیکھتے ھیں ؛یعنی بدن میں غذا کو ھضم کرنے اور اس کو مختلف اعضاء تک پھونچانے والی مشین کو دیکھتے ھیں اور اس کے بعد معاشرہ پر نظر ڈالتے ھیں،تو معاشی معاملات میں ان جیسے کام کا مشاھدہ کرتے ھیں،معاشی شعبہ جات کا خصوصی کام کھانے پینے کی چیزوں کو پیدا کرے، اور دوسرے شعبوں کے ذریعہ ان کو لوگوں تک پھونچانا ھوتا ھے. جس طرح خون بدن میں بنتا ھے او ردل اور رگوں کے ذریعہ دوسرے اعضاء تک پھونچتا ھے۔

اگر خونی مشین میں کچھ خرابی ھوجائے مثلاً کسی رگ کے بند ھونے سے خون کی حرکت بند ھوجائے، تو اس صورت میں انسان بیمار ھوجاتا ھے، اور جس عضو تک غذائیت نھیں پھونچتی ، وہ بے کار ھوجاتا ھے، او رممکن ھے بعض اوقات اس حصہ کو بدن سے کاٹنابھی پڑے، اور ممکن ھے کسی سسٹم کی خرابی کی وجہ سے انسان مرجائے. لھٰذا انسان کی تندرستی اور زندگی کیلئے ضروری ھے کہ خون آسانی کے ساتھ تمام رگوں میں حرکت کرتا رھے،اسی طرح معاشرہ میں بھی تمام ضروری سامان پھونچتا رھے، اور اگر یہ ضروری سامان کسی ایک جگہ جمع کرلیا جائے اور لوگوں تک نہ پھونچایا جائے ،اگر معاشی نظام (کہ جو کاشتکار او ردوسرے اداروں پر مشتمل ھوتاھے) میں کچھ خرابی ھوجائے اور لوگوں تک کھانے پینے کا ضروری سامان نہ پھونچ پائے تو پھر یہ معاشرہ خواہ ناخواہ بیمار ھوجائے گا، لھٰذایہ تشبیہ صحیح اور بجا ھے کہ جس میں معاشی شعبہ کی مثال دستگاہ گوارشی خون سے دی جاتی ھے۔

اسی طرح حکومت کی اعصابی مشین سے تشبیہ کی جاسکتی ھے کہ جس کا کام بدن کو حکم دینا ھے ، اور یہ اعصاب کے دوحصوں (حسّی اور حرکتی) سے تشکیل ھوتی ھے. لھٰذا حکومت کو اعصابی سسٹم کے مثل قرار دیا گیا ھے ، معاشرہ بھی بدن کی طرح دماغ کی ضرورت رکھتا ھے تاکہ اس کو حکم دے سکے اور اسی طرح اس کے حکم کو معاشرہ کے اعضاء میں جاری کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کی ضرورت ھوتی ھے تاکہ وہ حرکت کرتے رھیں. اسی بنیاد پر حکومت کے بھی دوبنیادی حصے ھوتے ھیں:

1- قانون گذاری حصہ جو معاشرہ کی منفعتوں کی تشخیص اور ان کی فراھمی کے راستوں کو معین کرتا ھے۔

2- ان قوانین کو جاری کرنے والا حصہ جوان احکامات کو معاشرہ میں اجراء کرتا ھے۔

ھمارے حسی اعضاء شناخت کی راہ فراھم کرتے ھیں او رحرکتی اعضاء بدن میں احکام جاری کرنے کی راہ فراھم کرتے ھیں، حس کے مقدمات کو حسی اعضاء فراھم کرتے ھیں اور دماغ سے فکر وسوچ کا کام لیا جاتا ھے، اگرچہ انسان کی روح دماغ کے وسیلہ سے سوچتی ھے ، ھمارا ذھن فکروسوچ کا کام کرتا ھے اور اس کے بعد دوسرے اعضاء ان کاموں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو انجام دیتے ھیں. نفس انسانی میں ایک قدرت علم ھے جس کا کام علم ومعرفت کی تحصیل ھے اور دوسری قوت کا کام حرکت کرنا ھے، اور یہ دونوں دماغ کے تحت کام کرتے ھیں. یہ سسٹم بدن کے اعضاء پر نظر رکھتا ھے اور ضروری علم کو حاصل کرتا ھے اور ضروری احکامات کا حکم دیتا ھے اور دوسرے اعضاء کے ذریعہ وہ کام ھوتے ھیں، اس سسٹم کو دماغی اور اعصابی سسٹم کا نام دیا جاتا ھے، اور اس سسٹم کی وجہ سے معاشرہ میں حکومت کی اھمیت کو پھچانا جاسکتا ھے۔

4۔معاشرہ میں طبقاتی نظام کی روشنی میں حکومت کی اھمیت

جس وقت ھم اپنے بدن کے اعضاء اور ان کی ھم آھنگ اور منظم کارکردگی کو ملاحظہ کرتے ھیں تو یہ بات مکمل طور پر واضح ھوجاتی ھے کہ ھم ان اعضاء کے بنانے او ران کی منظم کارکردگی میں بالکل دخالت نہیں رکھتے،علمی اصطلاحی کے مطابق ، طبیعت کاکام ان کو منظم طور پر چلانا ھے. لیکن دینی اصطلاح کے مطابق ھم کھیں گے کہ یہ خدا وندعالم کی ذات کا کرشمہ ھے کہ ان میں اتنی صلاحیت واستعداد اور قدرت عطا کی ھے،یہ اسی کا کمال ھے کہ جس سے انسانی اعضاء میں اتنی عظمت و پیچیدگی اور ظرافت پائی جاتی ھے، اس کے علاوہ ھماری روح اس سے کھیں زیادہ باعظمت او رپیچیدہ تر ھے۔

جس خداوندعالم نے ھم کو بدن اور اعضاء عنایت کئے ھیں تو پھر ھم کو ان سے صحیح طریقہ سے استفادہ کرنے کی معرفت ھونا چاھئے اور ھم کو اپنے اعضاء سے اس طرح فائدہ اٹھانا چاھئے کہ ھماری عمر طولانی اور صحت وسلامتی اور خوشی کے ساتھ ساتھ بسر ھو؛ ایسا نہ ھو کہ ھم جس طرح چاھیں ان سے کام لینا شروع کردیں، اگر ھم جو ھمارے ھاتہ لگا کھالیا، جو ملا پی لیا، جس کام کی ھوس کی اس میں مشغول ھوگئے ،نامناسب غذا کھائی یا خدا نخواستہ نشیلی چیزوں سے پرھیز نہ کیا،تو کیا ھم یہ امیدکرسکتے ھیں کہ ھمارا بدن صحیح وسالم رہ پائے گا، اور ھماری عمر طولانی اور صحت وسلامتی کے ساتھ گذر پائے گی؟

ھرگز ایسا نہیں ھے. بے شک صفائی کی رعایت کے بغیر ھماری عمر طولانی اور صحت وسلامتی کے ساتھ نہیں ھوپائے گی. یعنی ھمیں چاھئے کہ دلخواہ آزادی کو محدود کریناور اپنی مرضی کے مطابق ھر چیز نہ کھائیں، غذا کی کیفیت اور اس کی مقدار پر بھی توجہ رکھیں، اسی طرح غذا کی قسم اور اس کے اوقات کی بھی رعایت کریں، کیونکہ اگر ان چیزوں کی رعایت نہیں کریں گے، مثلاً خراب شدہ کھانے کو کھائےں گے تو بیمار ضرور ھوجائیں گے،اور ھوسکتا ھے کہ ھماری جان بھی چلی جائے۔

صفائی اور ڈاکٹری کے قوانین واقعاً طبیعی ھیں جن کی ھمارے بدن کو ضرورت پڑتی ھے اور یہ قوانین دانشمندوں کی مسلسل کوششوں کے نتائج میں بنائے جاتے ھیں اور انسان کی زندگی صحیح وسالم طریقہ سے گذرنے کیلئے دوسروں کو تعلیم دی جاتی ھے۔

بدن کے لئے ان قوانین کی رعایت کے سلسلہ میں ھم نے جو کچھ عرض کیا اس کے پیش نظر اگر کوئی ڈاکٹر کھے کہ فلاں غذا کو نہ کھاؤ،نشیلی چیزوں کا استعمال نہ کرو، کیونکہ تمھارا ذھنی توازن ختم ھوجائے گا،اور تمھارے معدہ یا جگر یا کے لئے نقصان دہ ھے تو ھمارا کیا فرض ھے؟! کیا اس کا شکریہ نہیں کرنا چاھتے، کیونکہ اس نے ھماری راھنمائی کی اور ھمارے لئے سلامتی کی راہ بتائی ، یا اس پر اعتراض کریں کہ آپ سے کیا مطلب ھم کچھ بھی کھائیں؟! جس نے ھماری سلامتی کا راستہ بتایا گویا اس نے بھت بڑی خدمت کی ،لھٰذا ھمیں اس کے ھاتھوں کے بوسہ لیناچاھئے۔

جس وقت ھم بیمار ھوجاتے ھیں، بڑے بڑے ڈاکٹروں کے پاس جانے کے لئے کئی کئی دن پھلے وقت لےتے ھیں اور بڑی منت وسماجت سے کھتے ھیں کہ ھمارا معائنہ کرلیجئے، اور اس کے بعد ڈاکٹر کے تجویز کردہ نسخہ کی دوائی کی تلاش مینشھر کے چکر لگاتے ھیں تاکہ اس کو کھائیں،اور ٹھیک ھوجائیں، ھم ان تمام زحمتوں کو صحت وسلامتی اور تندرستی کے لئے برداشت کرتے ھیں، کیونکہ ھم چاھتے ھیں کہ ھماری عمر صحت وسلامتی کے ساتھ بسر ھو، لھٰذا اس مقصد کے تحت ڈاکٹری قوانین کی رعایت کرنا ضروری ھے، اوراس طرح ھماری آزادی محدودھوجاتی ھے اور جو بھی مرضی ھوتی ھے اس پر عمل نہیں کرتے۔

اس میں کوئی شک نہیں ھے کہ ان قوانین پر عمل کرنا ھماری صحت وسلامتی کا باعث ھے، نہ کہ ھماری خوشی میں رکاوٹ، ھمیں چاھئے کہ ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاھئےے، جنھوننے ھمیں صحت وسلامتی کا راستہ بتایا، کیا دنیا کا کوئی عقلمند انسان ڈاکٹری قوانین کو فردی زندگی میں دخالت کرنا کھتا ھے ، یا اس کو معاشرہ کی بھترین خدمت کے عنوان سے یاد کیا جاتا ھے؟

ھم نے اب تک جو کچھ بیان کیاوہ انسان کی ذاتی اور فردی زندگی سے متعلق تھا ، معاشرہ کے سلسلہ میں بھی بالکل اسی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

طرح ھے ، اگر کوئی یہ کھے کہ میں زندگی کے معنی کو نہیں سمجھ سکا او رنہیں چاھتا کہ زندہ رھوں ، اور میرے زندہ رھنے اور مرجانے میں کوئی فرق نہیں ھے !تو ظاھر ھے ایسے شخص کو کوئی عقلمند نہیں کھہ سکتا. اور اگر وہ ان قوانین کی رعایت کرنا پسند نہ کرے تو کوئی بھی حادثہ ھوسکتا ھے کیونکہ ھر چیز کے اسباب ھوتے ھیں اور انسان طبیعی کاموں میں کوئی اثر نہیں رکھتا، اور اس کا نتیجہ یا بیماری ھوگا یا موت. اگر کوئی انسان اپنی زندگی میں ھدف نہ رکھتا ھو ، اور جو چاھے کھائے تو اس کو اپنی زندگی کو حوادث کی نذر کرنا ھوگا، کیونکہ خود اس کے کاموں کی وجہ سے بیماری میں مبتلا ھوگااور آخر کار موت کی آغوش میں چلا جائے گا.

لیکن اگر کوئی اپنی زندگی کا ھدف رکھتا ھو او رطولانی عمر اور سلامتی چاھتا ھواور اس سلامتی سے ترقی خصوصاً معنوی ترقی چاھتا ھو تو وہ ڈاکٹری قوانین سے بے توجھی نہیں کرسکتا،یعنی ڈاکٹروں او رماھر افراد کے بتائے ھوئے قوانین کو لفظ بلفظ عمل کرکے اپنی آزادی کو محدود کرلے.

اگر معاشرہ کو بھی بے ھدف افراد کی طرح فرض کرلیا جائے کہ جن کے نزدیک زندگی وموت برابرھوتی ھے، نہ اپنا بقا چاھتے ھیں اور نہ ھی اپنے لئے شرف چاھتے ھیں، نہ ھی عزت چاھتے ھیں اور نہ ھی اپنا استقلال اور نہ ھی اپنی شخصیت اور عزت چاھتے ھیں اور نہ ھی اپنے لئے آخرت ومعنویت چاھتے ھیں، مسلماً ایسا معاشرہ جو چاھے کرے بالکل آزاد ھے اس کے لئے کسی بھی قانون کی رعایت کرنے کی ضرورت نہیں ھے؛ لیکن ایسے شخص کے لئے زندگی وموت برابر ھے.

انسان کو صرف اس وقت کسی قانون ومقررات کی ضرورت نہیں ھوتی جب موت وزندگی اس کی نظر میں مساوی ھو، یہاں تک کہ اگر موت کو بھی نہیں چاھتا اور زندہ یا مرنا اس کے لئے کوئی فرق نہیں رکھتا،تو اس کو کسی بھی قانون کی ضرورت نہیں ھے ورنہ اگر موت بھی چاھے تو اس کے لئے بھی خاص قوانین کی رعایت کرنا ضروری ھے،اور اس کو معلوم ھونا چاھئے کہ کن کاموں سے موت آسکتی ھے، لھٰذا کوئی بھی بامقصد کام بغیر کسی قانون کے ممکن نہیں ھے اورمطلق آزادی کے ساتھ کسی بھی مقصد تک پھونچنا ممکن نہیں ھے، اگر کوئی ھدف ھے تو اس کے لئے محدودیت کا قائل ھونا پڑےگا، اور ھر کام کے مقدمات اس کے قوانین وضوابط کے تحت ھونا چاھئے ، چاھے اس کا ھدف موت ھی کیوں نہ ھو.

اگر معاشرہ کچھ ھدف رکھتا ھے تو اس کے لئے قانون کی رعایت کرنا ضروری ھے، یعنی اپنی آزادی کو کم کرکے اپنی بعض خواھشات سے صرف نظر کرے. اور جو چاھے کرے تو پھر ھدف تک نہیں پھونچ سکتا،ھاں اگر اس کا کوئی ھدف نہ ھو، تو پھر اسے کسی قانون کی ضرورت نہیں ھے،ایسے معاشرہ کی مثال اسی شخص کہ جس کا کوئی ھدف نہیں ھے اور کچھ ھی دنوں میں موت کے گھاٹ اتر جاتا ھے، اس بناپر ، اگر معاشرہ کو دوام اور ترقی وپیشرفت کرنا ھو او رھمیشگی سعادت وعزت درکار ھو تو پھر اس کودقیق قوانین کی ضرورت ھے.

سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ معاشرہ کے لئے کس طرح قوانین بنائے جائیں؟ کون بنائے؟ کیا یہ قوانین ایک طرح کے واقعی امور ھیں جن کو کشف ھونا چاھئے، یا صرف اعتباری امور ھیں کہ جن کو بنایا جائے؟ یہ مسئلہ فلسفہ ٔ حکومت میں بھت اھم ھے.

ھم انسان کی فردی زندگی میں دانشمند حضرات کے کشف کئے ھوئے کچھ قوانین کا مشاھدہ کرتے ھیں، یعنی فلانمِکروب فلاں بیماری کا سبب بنتا ھے یہ اس واقعی رابطہ کی وجہ کہ جو حقیقی علت ومعلول کے درمیان پایا جاتا ھے اور دانشمند حضرات اس کو اپنے تجربوں سے کشف کرتے ھیں اور اس کو ڈاکٹری قانون کے عنوان سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ھیں کھ: فلاں بیماری سے بچنے کے لئے فلاں مکروب سے پرھیز کرنا ضروری ھے،یا اگر فلاں بیماری پھیل گئی تو اس بیماری سے محفوظ رھنے کے لکے فلاں ٹیکا لگوانا ضروری ھے. معاشرہ کو بھی اگر صحیح وسالم زندگی گذارنا ھے تواس کے لئے بھی قوانین کی رعایت کرنا ضروری ھے تو کیا یہ قوانین واقعاً طبیعت میں موجود ھیں کہ کچھ لوگ ان کو کشف کریں؟ یا نھ،یا قوانین اعتباری اور فرضی ھیں ، اور لوگوں کی رضایت کی خاطر ان کو کبھی کبھی بدلا بھی جاسکتا ھے، کیونکہ یہ قوانین اکثر لوگوں کی مرضی کے مطابق ھوتے ھیں. واقعاً یہ مسئلہ بھت اھم اور بنیادی ھے اور اس کا ایک پھلو فلسفہ سے متعلق ھے اور ایک پھلو انسانی علوم سے وابستہ ھے اور اس کا ایک پھلو معرفت شناسی سے تعلق رکھتا ھے اور ان کے بھت سے پیچیدہ مسائل ھیں جن کی بحث یونیورسٹیوں یا علمی مرکزوں میں ھونی چاھئے، اور ان تمام مطالب کو بیان کرنا اس وقت ھمارے لئے ممکن نہیں ھے، لیکن سب کے استفادہ کے لئے ھم ان میں سے کچھ منتخب مسائل کو بیان کرتے ھیں.

5-واقعی مصالح ومفاسد قانون کے پشت پناہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کیا واقعاً امنیت اور چوری سے روکنے کے درمیان کوئی رابطہ ھے؟ یعنی اگر امنیت چاھتے ھیں تو چوری نھیں ھونا چاھئے؟ یا نہ ، ان کے درمیان صرف ایک قراردادی رابطہ ھے، اور امنیت اور چوری دونوں ھی ممکن ھیں. کیا قتل اور ناامنی میں کوئی رابطہ ھے؟یعنی اگر کوئی ھر کسی کو قتل کرنا چاھے قتل کردے تو کیا واقعاً اس سے ناامنی پیدا ھوتی ھے یا یہ صرف قراردادی رابطہ ھے؟ کیا جنسی آزادی گھر کے اجڑنے کا سبب بنتی ھے یا نھیں؟ مثلاً اگر کسی زمانہ میں لوگوں کی پسند ھونے کی وجہ سے جنسی رابطہ کوآزاد قرار دیدیا جائے تو ایک روز کھنا بھی محدودھے کیونکہ اکثر لوگ اس کو پسند نھیں کرتے ھیں، تو کیاا یسا قانونن بنانا جس میں جنسی آزادی موجود ھو یا موجود نہ ھو، صرف ایک قراردادی مسئلہ ھے؟ یعنی کیا یہ کام کا ایک سلیقہ ھے کہ لوگ اس سے خوش ھوتے ھیں یا ناراض ھوتے ھیں ، اور ان کی مرضی کے مطابق قانون ھونا چاھئے؟ یا نہ ،بلکہ ایک واقعی رابطہ پر موقوف ھے،اور وہ یہ کہ اگر جنسی آزادی ھو تو پھر معاشرہ میں جسمی اور روحی بیماریانجیسے ایڈز وغیرہ پھیل جائیں گی، اور لوگوں کے گھر اجڑ جائیں گے، عورت مرد میں روحانی بیماریاں پھیل جائیں گی، بچے بے تربیت اوردوسری تباھی پھیل جائیں گی۔

بعض لوگوں کا اعتقاد یہ ھے کہ اجتماعی قوانین ،واقعی مصالح ومفاسد کے تابع ھیں، اور ایسا نھیں ھے کہ یہ قوانین لوگوں کی مرضی اور ان کے سلیقہ پر ھوں. جس طرح اگر شراب رائج ھوجائے تو روحی ، قلبی اور تنفسی بیماریاں پھیل جائیں گی یا اگر بیڑی سگریٹ کا رواج ھوا تو بھت سی بیماریاں پیدا ھوجائیں گی، اجتماعی مسائل بھی اسی طرح ھیں: اگر عورت مرد میں آزادانہ روابط ھوجائیں تو پھر معاشرے میں اس کے اثرات خطرناک ثابت ھونگے جس کے نمونے مغربی ممالک(کہ جھاں نامشروع روابط کافی حد تک رائج ھیں) میں ملاحظہ کرتے آئے ھیں، لھٰذا قانون بناتے وقت ان کے واقعی آثار بھی مدّ نظر رھیں، نہ یہ کہ صرف لوگوں کی مرضی کے مطابق ھی عمل کیا جائے اور یہ بھی دیکھا جائے کہ لوگوں کی اکثریت جنسی آزادی کو پسند کرتی ھے یا پسند نھیں کرتی. یا لوگوں کی اکثریت افیم وچرس کی آزادی کی خواھاں ھے یا نھیں؟ کیا قانون کو اسی طریقہ پر ھونا چاھئے یا یہ کشف کریں کہ نشیلی چیزوں سے کیا کیا نقصانات ھیں اگرچہ اکثریت اس کے موافق بھی ھو؟ آپ کی نگاہ میں کون سا راستہ صحیح ھے؟ اجتماعی قوانین لوگوں کی اکثریت کی بنا پر ھوں یا واقعی (نفع ونقصان کی) بناپر ؟ یعنی اجتماعی مصالح ومفاسد حقیقی اور واقعی امور ھیں یا صرف اعتباری یا سلیقہ ای امور ھیں؟

''ھیوم'' کے زمانہ کے بعد سے ، مغربی ممالک میں معرفت شناسی میں یہ بحث بیان ھوئی ھے کہ ''باید ھا ونباید ھا''(کیا ھونا چاھئے کیا نھیں ھونا چاھئے) خارجی واقعیت نھیں رکھتے اور ان پر عقلانی امور اور استدلال کی کوئی ضرورت نھیں ھے. ''خوب وبد'' انھینسلیقوں کی طرح ھے جو لوگوں کے درمیان پائے جاتے ھیں، مثلاً اگر کسی کو'' گلابی رنگ'' پسندھے تو اس سے یہ سوال نھیں ھوگا کہ کیوں آپ کو یہ رنگ کیوں پسند ھے، کیونکہ کسی کو یہ رنگ پسند ھے دوسرے کو کوئی دوسرا رنگ پسند ھے، تو کیا اجتماعی مسائل بھی رنگوں کی طرح ھےں ؟ یا نھیں ،بلکہ اجتماعی مسائل،واقعی مصالح ومفاسد کے تابع ھیں ؟ انسانی کردار کا اثر جو انسان کی فردی اور اجتماعی ، مادی ومعنوی زندگی پر ھوتا ھے ایک حقیقی رابطہ ھے ، یعنی درحقیقت ان میں علّت ومعلول کا رابطہ ھے،اور اجتماعی اورفردی زندگی میں انسانی کردار سعادت یا شقاوت کا سبب ھوتا ھے، لھٰذا یہ دیکھنا ضروری ھے کہ کون سے کام سعادت کے باعث ھیں تاکہ وہ کام جائز ھوں ، اور کون سے کام شقاوت وبدبختی کے باعث ھیں تاکہ ممنوع اور حرام ھوں. اب جبکہ یہ ثابت ھوچکا کہ انسانی کردار کا سعادت وشقاوت سے واقعی اور حقیقی رابطہ ھے تو ضروری ھے کہ ان روابط کو پھنچانا جائے اور انھیں کی بنیادپر قوانین بنائے جائیں. اس وقت سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ کون انسان کے مصالح ومفاسد کو بھتر طور پر جانتا ھے؟ ھم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ھے کہ خدا ان کو بھتر جانتا ھےلھٰذا قانون گذاری میں اسلام کا نظریہ ھے کہ انسان کی فردی اور اجتماعی زندگی کے اعمال اور سعادت وشقاوت میں علّی اور معلولی رابطہ ھے جن کو مصلحت ومفسدہ کھا جاتا ھے ، لھٰذا ان مصلحتوں اور مفسدوں کو پھچاننا ضروری ھے اور انھیں کی بنیاد پر قوانین بنائے جائیں، اور اکثر لوگوں کی مرضی کے مطابق قوانین نھیں بنانے چاھئے۔

حوالے

(1)مستدرک الوسائل ج12ص424.

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اکیسواں جلسہ

**اسلام اورجمہوریت (1)**

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر

ہم نے گذشتہ بحث کے دوران اسلام کے سیاسی نظریہ کو دوحصوں میں تقسیم کیاتھا:ایک قوہ مقنقنہ( قانون گذاری) دوسراقوہ مجریہ( قانون کو جاری کرنے والی طاقت)،اور اس سلسلہ میں ہو نے والے اعتراضات کے جوابات بھی دئے، نظریہ کی بنیاد یہ تھی کہ سیاسی حکومت منجملہ اسلامی حکومت کے دو حصے ہوتے ہےں، (البتہ ممکن ہے کہ دوسرے نظریات کے تحت تین یا چار حصے بھی ہوسکتے ھیں) پہلا حصہ قانون گذاری کا ہے اور دوسرا حصہ قوانین کا جاری کرنا ہے ،قانون گذاری کے سلسلہ میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ معاشرہ میں وہ قوانین حاکم ہوں جن کے ذریعہ معاشرہ کے مادّی ومعنوی مصلحتوں کو پورا کیا جاسکے، اسی بناپر وہ شخص معاشرہ کے لئے مکمل قانون بنا سکتا ہے جو انسان کے مادی ومعنوی تمام پہلوؤں اور اجتماعی زندگی کے مختلف شرائط سے باخبر ہو ، اور یہ قوانین اس طرح بنائے جائیں کہ جن سے عالم آخرت میں انسانی سعادت فراہم ہوسکے، اور ظاہر ہے کہ خداوندعالم یا خدا وندعالم کا منتخب بندہ ہی ایسے علم ودانش کا مالک ہوسکتاہے۔

اس کے علاوہ خداوندعالم کی تشریعی ربوبیت میں توحید کا تقاضا یہ ہے کہ خداکے بندے خدا کے احکامات کی اطاعت کریں اور خداوندعالم کے تشریعی ارادہ کو اپنی زندگی میں حاکم قرار دیں، اور اس کے مرضی کے خلاف قدم نہ اٹھائیں، لہٰذا قانون گذاری میں خداوندعالم کی تشریعی ربوبیت کی رعایت کی جائے۔ چونکہ اسلامی قوانین مخصوص حقیقت کے حامل ھیں لہٰذا انسان کے بنائے ہوئے قوانین سے امتیاز رکھتے ھیں۔

مختصر الفاظ میں یوں عرض کیا جائے کہ اسلامی قوانین خدا یا جس کو خدا اجازت دے کر بھیجے،اس کی طرف سے ہونا چاھئے۔ اسی طرح قوانین کو جاری کرنے والوں کے لئے بھی ہے، کیونکہ قانون کا مجری گویا معاشرہ کے لوگوں میں تصرفات کرتا ہے،اور ان کو قوانین الٰھی پر عمل کرنے پر آمادہ کرتا ہے، کبھی کبھی حدود وتعزیرات کو جاری کرتا ہے او رکبھی جرم کے مقابلہ میں خاص پابندیا ں لگاتا ہے۔

بھر حال یہ کچھ تصرفات ھیں جو خدا کے بندوں میں ہوتے ھیں، او ریہ تصرفات صرف وہ حضرات کرسکتے ھیں جو خداوندعالم کی طرف سے اذن یافتہ ہےں، ان کے علاوہ یہ تصرفات جائز نہیں ھیں۔

2۔قانون کے جاری کرنے والوں کے لئے بھی اذن خدا ضرور ی

ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ سوال کریں کہ جب ہم نے قانون کو قبول کرلیا اور ان کے جاری ہونے والے راستوں کواچھی طرح پہچان لیا اور یقین کرلیا کہ فلاں خاص موقع پر فلاں قانون جاری ہونا چاھئے، تو اس میں کوئی فرق ن نہیں ہے کہ قانون کا جاری کرنے والا زید ہو یا عمرو؟ جب خدا کا صحیح قانون جاری ہو جائے تو پھر خدا کی اجازت کی کیا ضرورت؟ ہم نے قبول کرلیا کہ معاشرہ میں قوانین الٰھی جاری ہوں ، لیکن پھر جاری کرنے والے کے بارے میں اجازت کی کیا ضروت؟

گذشتہ اعتراض کو اگر فقھی فضاء میں بیان کیا جائے تو جواب بھی فقھی روش کے لحاظ سے دیاجائے گا، اگر کوئی اس اعتراض کو فقھی تحقیق اور آزاد طریقہ سے بیان کرے، او رھم سے جواب لینا چاھے اور یہ چاھے کہ عمومی طور پر قابل فہم ہوتو پھر ہم اجتماعی مثالوں کے ذریعہ عام فہم زبان میں عرض کریں گے، مثلاً آپ کی گھریلو زندگی میں کچھ قوانین ہوتے ھیں جن کو آپ کی بیوی اور بچوں کو رعایت کرنا ہوتا ہے، مثلاً یہ کہیں کہ کوئی دوسرا کسی کی چیزکو ہاتھ نہ لگائے، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے اپنے کھلونے او رکاپی پینسل وغیرہ میں اس قانون کی رعایت کرتے ھیں، اور ان میں سے کوئی دوسرا بغیر اجازت کے کسی دوسرے کی چیز کو اٹھاتا ہے، تو اس پر اعتراض ہوتا ہے، یا اگر آپ کا کوئی پڑوسی آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے گھر میں داخل ہوکر آپ کے سامان کو لے جائے ،اگرچہ وہ سامان آپ کے نزدیک بے کار ھی کیوں نہ ھو، تو آپ فوراً اعتراض کردیتے ھینکہ میری اجازت کے بغیر کس طرح میرے گھر میں داخل ہوئے ،یا کیوں ھمارے سامان کو اٹھاکر لے گئے، یہاں تک کہ اگر ا س نے آپ کے ساتھ کچھ احسان بھی کررکھا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھو، پھر بھی آپ کو حق ھے کہ اس پر اعتراض کریں۔
ایک دوسری مثال کو فرض کیجئے کہ کسی ادارہ میں کچھ قوانین نافذ ھونا چاھتے ھیں لیکن ابھی تک اس ادارہ کے رئیس کا حکم نامہ نھیں آیا ھے، اگر کوئی آکر کھے کہ میں ایک بااطمینان اور باامن انسان ھوں، اور قوانین کو بھی اچھی طرح جانتا ھوں اور اب رئیس کی کرسی پر بیٹھتا ھوں اور ان قوانین کو یکے بعد دیگرے جاری کرتا ھوں، تو کوئی بھی اس کو اس کا م کی اجازت نھیں دیگا؛ یھاں تک کہ اگر وہ شخص بعد کا ھونے والا رئیس ھی کیوں نہ ھوں، جب تک اس کا حکم نامہ نہ آجائے اس کو حق نھیں ھے کہ کرسی پر آکر بیٹھے او رلوگوں کو حکم دے۔
اور اگر کوئی ایسا کام کرے بھی تو وہ مجرم مانا جائے گا، اور ھوسکتا ھے کہ اس کو عدالت میں بھی بھیج دیا جائے اور اس کو سزا بھی ھو، جب اس نے خدمت انجام دی ھے او راس نے وھی کام انجام دیا ھے کہ جو ابھی کچھ دنوں کے بعد ھونے والا ھے، کیوناس اصل کو تمام عقلمند حضرات قبول کرتے ھیں؟ اس لئے جب تک اس کے اوپر والا رئیس اس کو اس کام کی اجازت نہ دے تو اس کو ایسے کاموں کی اجازت نھیں ھے خلاف قانون کی تو دور کی بات ھے۔
معاشرہ میں اجتماعی زندگی کے اندر اس قبول شدہ اصل کے پیش نظر ھم آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتے ھیں، کہ وہ معاشرہ جو خدا سے متعلق ھے اور لوگوں نے خدا کو ربّ مانا ھے، اگر کوئی اپنے ربّ کی اجازت کے بغیر حکومت کرنا چاھے اس کی مثال اس شخص کی ھے کہ جو کسی ادارہ میں ریاست کرنا چاھے، یا مثلاً کوئی رئیس مملکت بننا چاھے، اور اس کے کاموں میں مشغول ھو؛ بغیر اس کے اس بلند رتبہ والا اس کو اجازت دے، یھاں تک کہ اگر اس کا کام بھی صحیح اور بجا ھو،تو اس سے باز پرس کی جاتی ھے، اور ممکن ھے کہ اس کو سزا بھی ھو، اسی وجہ سے ھم کھتے ھیں کہ اسلامی قوانین کا اجراء کرنے والا بھی خدا کی طرف سے ھو، جو لوگوں کا مالک حقیقی ھے، ورنہ اس سے باز پرس ضرور ھوگی، جیسا کہ ھم نے گذشتہ مثال میں عرض کیا ، اور اگر یہ فرض کریں کہ اس سے باز پرس بھی نہ ھو ، تو لوگوں پر اس کی اطاعت واجب نھیں ھے، یھاں تک کہ اسی قانون کے بارے میں لوگ کھیں گے کہ جب تک آپ کا حکم نامہ نہ آجائے تب تک آپ کیسے رئیس بن بیٹھے؟ اور جب تک لوگ یہ یقین نہ کرلیں کہ اس کو بلند مرتبہ رئیس نے اس رتبہ پر فائز کیا ھے اس کی اطاعت بھی نھیں کرتے۔
اسلامی نظریہ کے لحاظ سے ،معاشرہ کے تمام ھی افرادخدا کی مخلوق ھیں،اور خدا ان کا مالک اور خالق ھے، لھٰذا مالک کی اجازت کے بغیر کسی کو یہ حق نھیں ھے کہ اس کے امور میں دخالت کرے جب تک کہ ان کا مالک (خدا) اس کام کی اجازت نہ دے، یھاں تک کہ قانون الھٰی کووھی معین شخص جس کو خدا کی طرف سے اجازت ھے، جاری کرسکتا ھے، اسی وجہ سے اسلامی انقلاب کے بانی حضرت امام خمینیؒ نے اسلامی نظریہ کے مطابق اپنے کو اسلامی حاکم صدر مملکت کے لئے جو حکم نافذ کیا اس میں یہ تحریر کیا کہ میں تم کو نصب کرتا ھوں یعنی آپ نے کسی بھی موقع پر لوگوں کے ووٹ کوکافی نہ جانا، یھاں تک بعض موقعوں پر فرمایا: میں اُس ولایت کی رو سے جو تم پر رکھتا ھوں تم کو منصوب کرتا ھوں، ایک موقع پر آپ نے فرمایا:
''ان لوگوں کی باتوں کو نہ سنو کہ جو اسلامی نظریات کے خلاف ھیں، اور خود کو روشن فکر تصور کرتے ھیں اور ولایت فقیہ کو قبول نھیں کرتے، اگر ولی فقیہ اس کو منصوب نہ کرے تو اس کی حکومت غیرمشروع ھے اور جب غیر مشروع ھوئی تو وہ طاغوت ھے، اور اس کی اطاعت طاغوت کی اطاعت ھوگی''( صحیفہ نور ج9ص251.) یہ کوئی امام خمینیؒ کا ذاتی نظریہ نھیں ھے بلکہ یہ نظریہ قرآن وحدیث سے اخذ کیا گیا ھے، بھر حال یہ اس شخص کا نظریہ ھے جس نے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی ھے۔
لھٰذا قانون کو جاری کرنے والا، اولاً اسلامی نظریہ کے مطابق تمام قوانین کو جاری کرنا، ثانیاً وہ خدا کی طرف سے اذن یافتہ ھو. اور یہ اذن کبھی خاص ھوتاھے جیساکہ حضرت رسول خدا او رائمہ معصومین علیھم السلام کے بارے میں ھے یا ان لوگوں کے بارے میں ھے جن کو خود آنحضرت نے منصوب فرمایا ھے، یا جس طرح حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی طرف سے بعض اسلامی ریاستوں کے والی وحاکم معین ھوئے ھیں، یا جس طرح امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے زمانہ میں نواب اربعہ خاص طور پر منصوب ھوئے۔
ان تمام مقامات میں یہ افراد اس شخص کی اجازت سے منصوب ھوئے جو اپنی حکومت میں الھٰی قوانین کو بیان اور کو جاری کرتے تھے. کبھی یہ منصوب کرنا عام ھوتا ھے؛ جیسے امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت کے زمانہ میں، یا ان ائمہ علیھم السلام کے زمانہ میں کہ جو مبسوط الید (آزاد) نہ تھے اور حکومت ان کے ھاتھوں میں نہ تھی، ایسے موقعوں پر باصلاحیت افراد اذن عام کی بناپر منصوب اور احکام الھٰی کے جاری کرنے کے لئے معین ھوتے تھے، مثلاً حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے شیعہ فقھاء کو اجازت دی ھے کہ جن علاقوں میں لوگوں کی امام (ع) تک رسائی ممکن نہ ھو،وھاں علماء احکامات الھٰی کو جاری کریں اور حکومتی کاموں میں مشغول رھیں،زمانۂ غیبت میں یہ مسئلہ بدرجہ اولیٰ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ثابت ھے۔
کیونکہ جب امام حاضر اور مبسوط الید نہیں ھے یا امام تقیہ کی عالم میں ھے، تووہ بطور عام ان افراد کو منصوب کرتا ھے جو اس کی طرف سے حکومتی مسائل میں دخالت رکھتے ھیں، کیا یہ کام امام علیہ السلام کی غیبت کے زمانہ میں کہ جس میں امام علیہ السلام تک رسائی ممکن نہیں اولیٰ اور مناسب نہیں ھے؟
اس وقت ھم فقھی مبانی اور شرعی دلیلوں کو ثابت کرنا نہیں چاھتے ، صرف اس مسئلہ کی وضاحت کردینا چاھتے ھیں کہ اسلام میں حتیٰ اسلامی قانون کو جاری کرنے والے کے لئے بھی خدا کی اجازت کی ضروت ھے، اور کس طرح خداوندعالم قانون کو جاری کرنے والوں کو اجازت دیتا ھے، جیسا کہ ھم نے عر ض کیا کہ یہ اجازت یا کسی خاص شخص کے لئے بصورت خاص ھوتی ھے، یا بصورت عام جیسا کہ جامع الشرائط فقھاء کرام کے لئے ھے۔
اس نظریہ پر چاھے وہ قانون گذاری پھلو ھو یا قانون کو جاری کرنے والا پھلوبعض اعتراض ھوتے تھے، جن میں سے سب سے مھم یہ تھا کہ یہ نظریہ انسانوں کی آزادی کے مخالف ھے، البتہ ھم نے اس اعتراض کا گذشتہ گفتگو میں مفصل جواب عرض کردیا ھے. ان اعتراضات کا دوسرا حصہ قانون کو جاری کرنے کے بارے میں تھا، کہ یہ ولی فقیہ والا نظام ، جمھوریت کے ساتھ ھم آھنگ نہیں ھے. جمھوریت ایک ایسی حکومت ھے جس کو تمام ھی عقلاء عالم نے قبول کیا ھے ، یھاں تک وہ ممالک کہ جن میں سوسیالسٹی(Socialisty) حکومت تھی عملی میدان میں جمھوریت کے مقابلہ میں ٹھر نہ سکیں، اور مجبوراً ڈیموکراسک نظام کو قبول کرلیا. لھٰذا آج کا انسان ڈیموکراسک نظام کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رکھتا، اوریہ اسلامی حکومت جو ولایت فقیہ کی حکومت کے نام سے معروف ھے ، ڈیموکراسک سے ھم آھنگ نہیں ھے۔

3۔ جمھوریت کے معنی اور اس کے استعمال میں ایک بحران
پھلے ضروی سمجھتے ھیں کہ لفظ ”جمھوریت“ (ڈیموکراٹک) "Democratique" کے بارے میں کچھ وضاحت کریں، کیونکہ ھوسکتا ھے بعض لوگ اس لفظ کے بارے میں کافی معلومات نہ رکھتے ھوں، جمھوریت کے لفظی معنی؛ لوگوں کی حکومت ، مراد یہ ھے کہ معاشرہ کے افراد بھی قانون گذاری اور اجرائے قانون میں اھم کردار رکھتے ھیں اور کوئی دوسرا قانون گذاری اور اجرائے قانون میں حق دخالت نہیں رکھتا، یہ ھیں لفظ ڈیموکراسک کے معنی۔
تاریخ کے اوراق پر جمھوریت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ھے: جیسا کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی ولادت سے پانچ صدی پھلے یونان کے پائے تخت ”آٹن“ مینیہ نظریہ وجود میں آیا اور کچھ مدت کے لئے یہ نظریہ اجراء کیا گیا اس طرح کہ تمام لوگ سوائے غلاموں اور ۲۰سال سے کم عمر والوں کے سبھی لوگ سیاسی او راجتماعی مسائل میں براہ راست دخالت کرتے تھے. جس وقت کوئی ۲۰ سال کا ھوجاتا تھا تو اپنے شھر کے سیاسی کاموں میں دخالت کرسکتا تھا. البتہ کسی پر ضروری نہیں تھا بلکہ یہ لوگ آزاد تھے. اس زمانہ میں لوگ کسی بڑے میدان میں جمع ھوتے تھے اور اپنے شھر کے بارے میں نظریات پیش کرتے تھے، بحث وگفتگو ھوتی تھی اور اسی کے نتیجہ میں تصیم گیری ھوتی تھی اور انھیں پر عمل ھوتا تھا،ایسا نہیں ھوتا تھا کہ کوئی خاص شخص یا خاص گروہ حکومت کے لئے معین ھوتا تھا، بلکہ خود افراد براہ راست اجتماعی وسیاسی مسائل میں دخالت کرتے تھے۔
اس طرز فکر کو جمھوریت یا لوگوں کی حکومت کا نام دیا جاتا تھا، حکومت کا یہ انداز ایک مدت تک یونان کے پائے تخت آٹن میں چلتا رھا، لیکن بڑے بڑے دانشمند اور فلاسفہ حضرات نے اس نظریہ کی بھر پور مخالفتکی، اور ا س کو برے نام سے یاد کیا کرتے ،یعنی اس کو جھال(جمع جاھل) کی حکومت کھتے تھے، ادھر عملی طور پر بھی اس جمھوری حکومت کے برے نتائج سامنے آئے ، اسی وجہ سے حکومت کا یہ سلسلہ ختم ھوگیا۔
طبیعی ھے کہ بڑے بڑ ے ممالک اور کثیر آبادی والے شھروں میں یہ طریقہ کار مشکل تھا کیونکہ ممکن نہ تھاکہ ھمیشہ اجتماعی مسائل میں تمام لوگ براہ راست دخالت رکھیں. چھوٹے شھروں میں یہ انداز کچھ مدت کے لئے ممکن ھے، لیکن لاکھوں والے شھروں میں کس طرح ممکن ھے کہ روز مرّہ کے کاموں میں سب مل کر کوئی فیصلہ لیں؟!
بھرحال یہ انداز ختم ھوگیا ، یھاں تک کہ ”رنسانس“ کے زمانہ میں ڈیموکراٹک کی ایک دوسری تصویر پیش کی گئی، وہ اس طرح کہ لوگوں کے کچھ نمائندے حکومت کے کاموں کے لئے منتخب ھوں ، اور وہ سبھی لوگوں کی نمائندگی میں حکومت کریں؛ کیونکہ لوگوں کی براہ راست دخالت ممکن نہ تھی. اس کے بعد سے اس نظریہ کے بہت زیادہ حامی پائے جانے لگے اور آھستہ آھستہ بعض ممالک میں اس طرح کی حکومت رائج ھوگئی،یھاں تک کہ انیسویں صدی میں تقریباً یورپ اور دوسرے ممالک میں اس طرح کی حکومت لوگوں مینمقبول ھوگئی اور اسی طرز پر حکومتیں بننے لگیں۔
ھمارے ملک مینبھی ڈیموکراٹک کا یھی طریقہ ھے، تمام لوگ حکومتی شعبوں کے مختلف ووٹنگ میں شرکت کرتے ھیں.

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مثلاً صدر مملکت اور اسلامی پارلیمنٹ کے نمائندگان کو ووٹوں کے ذریعہ انتخاب کرتے ہینکہ جو لوگوں کی نمائندگی میں قوانین بناتے اور ان کو جاری کرتے ھیں.
اسی طرح شوریٰ اور دوسرے انتخابات جن کا ذکر قانون اساسی میں آیا ھے شرکت کرتے ھیں. پس ڈیموکراسک کی دوسری تصویر جس میں سیاسی واجتماعی مسائل میں لوگ خود اپنی رائے او راپنے ووٹوں کے ذریعہ نمائندوں کو منتخب کرتے ھیں۔

4۔دور حاضر میں جمھوریت کا مفھوم
آج کے زمانے میں ڈیموکراسک کچھ اور ھی خاص معنی پیدا کرتی جارھی ھے اس حکومت کو ڈیموکراسی حکومت کھتے ھیں جس میں دین کا کوئی نقش نہ ھولہٰذا جس وقت یہ کھا جاتا ھے: ''فلاں حکومت جمھوری ھے او رفلاں ملک ڈیموکراسک طریقہ پر حکومت کرتا ھے'' اس کا مطلب یہ ھے کہ اس معاشرہ میں دین کا کوئی کرادر نھیں ھے، یعنی قانون کے بنانے والے اور قانون کو جاری کرنے والے کسی بھی موقع پر دین کی دخالت کو نھیں مانتے .
البتہ ڈیموکراٹک کا یہ انداز دین کی نفی نھیں کرتا، لیکن سیاسی واجتماعی مسائل میں دین کی دخالت کو قبول نھیں کرتے، اور اس چیز کی اجازت نھیں ھے کہ قانون کے جاری کرنے والے قوانین کو جاری کرتے وقت دین کی کوئی بات کریں، اور کوئی بھی طریقہ کار دینی احکام کی بناپر نہ ھو. درحقیقت ڈیموکریسی کا یہ طریقہ ''لائک'' اور ''سیکولر'' نظام کی بنیاد پر ھے جن کا نظریہ یہ ھے کہ سیاسی واجتماعی مسائل سے دین کو بالکل جدا اور الگ ھونا چاھئے. البتہ ھوسکتا ھے کہ خود قانون گذار یا قوانین کے جاری کرنے والے افراد متدین اور دیندار ھوسکتے ھیں کہ ھر ھفتہ کلیسا(گرجاگھر) میں جائیں اور وھاں نذر ونیاز کریں. ممکن ھے یہ لوگ دینی انجمنوں کے ممبر بھی ھوں اور حکومتی کاموں کے علاوہ ایک معمولی انسان کے طرح دینی کاموں میں بھی مشغول رھیں. لیکن حکومت کے کاموں میں چاھے قانون گذاری شعبہ ھو یا شعبہ اجراء قوانین دین کی کوئی بات نہ کریں۔
اگر آپ سنےں کہ مثلاً ''فرانس ''میں( جو آزادی او ر جمھوریت کا گھوارہ مانا جاتا ھے) ایک باحجاب لڑکی کو کالج اور یونیورسٹی میں جانے سے روکا جاتا ھے ، تو اس کی وجہ یھی ڈیموکراٹک ھے جس میں دینی کاموں سے روکنا اس کا ایک وظیفہ ھے، اور کھتے ھیں کہ ھماری حکومت ایک لائک حکومت ھے ، لہٰذا دین کی کوئی علامت ھمارے کسی بھی سرکاری شعبوں میں نھیں ھونا چاھئے،روسری اورنقاب کا لگانا دینی طرفداری کی ایک نشانی ھے، اور سرکاری شعبوں مثلاً مدرسہ میں اس کا پھننامنوع ھے ؛ ھاں اگر کوئی مدرسہ کلیسا سے مربوط ھوتا یا کوئی پبلک اسکول ھوتا تو اگر تمام لڑکیاں روسری پھنتی تو کوئی پریشانی والی بات نہ تھی، لیکن سرکاری کالج یا یونیورسٹی میں جھاں سرکاری سند دی جاتی ھے وھا ں یہ سب کچھ نھیں ھونا چاھئے، اسی طرح دوسرے وزارتخانوں میں دین کا کوئی اثر نھیں ھونا چاھئے. یہ تھی جمھوریت کی ایک نئی تفسیر جس کی بناپر دینی اثرات جمھوریت کے خلاف ھیں۔
ڈیموکراٹک کی اصلی اور نئی تصویر کے مطابق جس میں ڈیموکراسی کے معنی لوگوں کی حکومت ھے، اگر کچھ لوگ دیندار ھوں اور چاھیں کہ ادارہ جات میں دینی آداب ورسوم پر عمل کریں، تو پھر مخالفت نھیں ھونا چاھئے؛ کیونکہ یہ کام لوگوں کی مرضی کے مطابق اور ان کے بنائے قوانین کے اعتبار سے ھے، ڈیموکراسک کا تقاضا یہ ھے کہ لوگ ھر جگہ حتی مدارس اور وزارتخانوں او ردوسرے ادارجات میں لباس پھننے میں آزاد ھو، اور اگر لوگوں کی اکثریت دیندار ھے او راسی دین کی وجہ سے کوئی خاص قسم کا لباس پھننا چاھیں یا دینی پروگرام کرنا چاھیں ، تو پھر کسی کو حق نھیں ھے کہ ان کو روکے. جس وقت لوگوں کی مرضی سے یہ قانون بنایا گیا کہ وزارتخانوں، یونیورسٹیوں اور دوسرے اداروں میں نماز جماعت کا ھونا ضروری ھے یہ ڈیموکراسک (جس معنی میں ھم مانتے ھیں)کے خلاف نھیں ھے، کیونکہ خود لوگوں نے اس قانون کو بنایا ھے اور خود ھی جاری کرتے ھیں، لیکن ڈیموکراسک کی دوحاضر کیتصویر کے مطابق اجماعی وسیاسی مسائل میں دینی رجحان نھیں ھونا چاھئے۔

5۔ جمھوریت کی نئی تصویر سے استعمار کا بے جا فائدہ اٹھانا
جیساکہ ھم نے عرض کیا کہ ڈیموکراٹک کی نئی تصویر جسے استعمار ی حکومتیں پیش کرتی ھیں اور اپنے مقاصد کے تحت اس کو جاری کرتی ھے ، لائک اور سیکولرحکومتوں کے برابر ھے جو ذرہ برابر بھی یہ نھیں چاھتیں کہ سیاسی واجتماعی امور میں دین کی دخالت ھو. یھاں تک کہ اگر خود لوگ یہ کھیں کہ ھم اس دین کو قبول کرتے ھیں اور چاھتے ھیں کہ سرکاری دفاتر میں دینی رسم ورواج پر عمل کریں، پھر بھی لوگوں کی مرضی کو ڈیموکراسک کے مخالف سمجھا جائے گا۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسی وجہ سے جب ''الجزائر'' میں انتخابات ہوئے اور وہاں ایک اسلامی پارٹی کامیاب ہوئی اور ڈیموکراٹک اصولوں اور اس ملک کے قوانین کے مطابق حکومت بنانا چاھی اور اسلامی قوانین کو جار ی کرنا چاھا ، مخالفوں نے احساس کیا کہ یہ پارٹی تو مضبوط ہوتی جارھی ھے اور مستقبل میں اسلامی حکومت بنانا چاھتی ھے تو بغاوت کردی او رانتخاب کو رد کرکے اس پارٹی کے لیڈروں کو پکڑپکڑ کرجیل میں ڈال دیا، اور اس پارٹی کو ختم کرکے اس کو غیر قانون قرار دے دیا. اور چند سال گذرنے کے بعد بھی اس پارٹی کو سراٹھانے کی اجازت نہیں ھے، جب کہ اس اسلامی ملک نے لاکھوں قربانی دے کر اس آزادی اور استقلال کو حاصل کیا تھا، اور قربان ہونے والے وھی مسلمان تھے کہ جھنوں نے اسلام کی خاطر اس وقت کی استعماری حکومت سے جنگ لڑی تھی یہاں تک کہ الجزائز کے لوگوں کو آزادی نصیب ہوئی، آج وھاں کی حالت بھت زیادہ خراب ھے جیسا کہ اخباروں میں پڑھتے رھتے ھینکہ ھر روز دسیوں لوگ کو خطرناک طریقے سے قتل کیا جاتا ھے۔

وھاں رونما ہونے والے ان تمام حادثوں کے پیش نظر وھاں کی وہ حکومت جو بغاوت کرکے بنائی گئی ھے اس قتل وغارت گری کے ذریعہ اپنی حکومت کو مضبوط کرتی جارھی ھے، اور استعماری حکومتوں کے نزدیک وھاں کی یہ حکومت مقبول تر ھے، اس حکومت کے مقابلہ میں جو ووٹنگ او رلوگوں کی رائے سے بنی تھی جو دین اور اس کے احکامات کو جاری کرنا چاھتی تھی. اس خوف سے کہ کھیں دنیا میں ایک نئی اسلامی حکومت نہ بن جائے''اس طرح کی حکومت کو جمھوری نام رکھا، لیکن اگر خود لوگ اپنی رائے اور اپنی مرضی سے اسلام اور اسلامی حکومت کو چاھیناس کو غیر ڈیموکراٹک کھتے ھیں کیونکہ لوگ اسلام کی طرف رجحان رکھتے ھیں'' لھٰذا جمھوریت کی نئی تفسیر کی بناپر دین کو اجتماعی وسیاسی مسائل میں بالکل دخالت نہیں کرنا چاھئے، یہاں تک کہ کوئی لڑکی چادر یا مقنعہ پھن کر کالج نہیں جاسکتی؛ جیسا کہ ترکی میں بھی اسی طرح ھوتا ھے۔

استعماری پٹھو ، اسلامی ممالک میں بھی یہ خیال کرتے ھیں کہ اسلامی ممالک میں بھی اسی طرح کی جمھوریت ھونا چاھئے حکومتی مسائل میں دین کے لئے کوئی جگہ نہ ھو چاھے قانون گذاری والا شعبہ ھو یا قانون کے جاری کرنے والا شعبہ، وہ ممالک جو اسلامی حکومت بنانے کے لئے بھت زیادہ راغب ھیں ان میں ثقافتی حملہ اور یونیورسٹیوں میں نفوذ کے ذریعہ اسلامی رجحان کو ضعیف وکمزور کرنا چاھتے ھیں، اور جمھوریت کی اس تصویر کو رائج کرنا چاھتے ھیں، اپنے خیال ناقص میں یہ گمان کرتے ھیں کہ چند سال بعد جب یہ نسل بدل جائے گی تو انقلابی نسل ختم ھوجائے گی اور اس کی جگہ وہ نسل آجائے گی کہ جو انقلاب کے اصولوں سے واقف نہیں ھے، وہ نسل ڈیموکراٹک کی اس نئی تصویر وتفسیر کو بروئے کار لائے گی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جمھوریت کے تین معنی اور تفسیر ھیں:

1۔ لوگوں کا حکومتی مسائل میں براہ راست دخالت دینا جیسا کہ کچھ مدت کے لئے یونان میں رھی اور پھر ختم ھوگئی۔

2۔ اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعہ حکومت میں دخالت، جیسا کہ آج کل کے بعض ممالک میں رائج ھے او رخود ھمارے ملک میں بھی موجود ھے۔

3۔ حکومت کے تمام کام (قانون گذاری ھو یا اجرائے قانون) دین سے جدا ھوں، یعنی ڈیموکراٹک کاسیکولر اور لائک ھونا شرط ھے۔

6۔ اسلامی نظریہ کے مطابق جمھوریت کی مناسب تصویر

ھم نے اس سوال کے جواب میں کہ اسلام حکومت کے کس انداز کو قبول کرتا ھے ؟ ھم نے قانون گذاری کے بحث میں عرض کیا کہ اگر قانون گذاری مینجمھوریت کے یھی معنی ھوں کہ اگر لوگوں کی اکثریت(51 فی صد) جس قانون کی حمایت کریں وہ قانون معتبر اور واجب الاتباع ھے چاھے قرآن کی صریح آیات کے خلاف کیوں نہ ھو،تو اسلام ایسی ڈیموکراٹک کو نہیں مانتا، وہ اسلام جو خود حکومت کے مختلف پھلوٴں پر منجملہ عدالت (کورٹ) معاشی مسائل ، وغیرہ وغیرہ تمام مسائل میں قوانین رکھتا ھے وہ اس بات کی اجازت نہیں دےتا کہ اس کے صریح قوانین کے مخالف قوانین رواج پیدا کریں، اور اگر ھم اس طرح کے قوانین کو رسمی مانے تو گویا ھم نے اسلام کو نادیدہ قرار دیا ھے۔

ایسی جمھوریت کا اسلامی قانون گذاری سے مخالف ھونا ایک بدیھی اور ظاھری بات ھے اور کسی استدلال کی ضرورت نہیں ھے. اگر کوئی یہ کھے کہ جمھوریت قانون گذاری یعنی قانون کے معتبر ھونے میں اسلام کے ساتھ ھم آھنگ نہیں ھے ، ظاھر ھے کہ اسلام بھی اس کے ساتھ ھم آھنگ نہیں ھوسکتا، اور جب کسی مجموعہ میں اسلام کی مخالفت پائی جاتی ھوتو اس کی بارے میں دلیل بھی پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ھے،اور جب کسی مجموعہ میں اصل اسلام سے ایسی مخالفت موجود ھو تو پھر یہ سوال نہیں ھونا چاھئے کہ اسلام کے ساتھ ھم آھنگ ھے یہ نہیں؟ کیونکہ خود مجموعہ اس کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مخالفت میں بنایا گیا ھے ، پس اگر جمھوریت یعنی وہ قوانین جو اسلام سے متفق نہ ھوں ان کو معتبر ماننا تو پھر ھم یہ کھیں گے کہ اسلام اس جمھوری قانون کو معتبر جانتا ھے اس کا مطلب یہ ھوا کہ جو چیز اسلام سے سازگار نھیں ھے وہ سازگار ھوجائے، یہ ایک تناقض اور واضح البطلان نظریہ ھے استدلال کی ضرورت نھیں ۔

بھرحال جس چیز کی وضاحت کی ضرورت ھے جس کا ھم نے وعدہ بھی کیا ھے،وہ یہ ھے کہ جمھوریت کااجرائی سلسلہ ھے؛ یعنی قانون کو جاری کرنے والوں کے یقین میں لوگوں کا کیا کردار ھے؟،اسی طرح ان لوگوں کے انتخاب میں جو قوانین کو اسلامی نظریات کے تحت بنانا چاھتے ھیں (مثلاً اسلامی پارلیمنٹ کے ممبران )ان کے سلسلہ میں لوگوں کی کیا ذمہ داری ھے؟. اور جھاں پر اسلام کے ثابت اور دائمی قوانین نھیں ھیں ، اور آج کی ترقی یافتہ دنیا میں انسانی حالات کے پیش نظر نئے قوانین کی ضرورت ھوتی ھے، اسلام نے ان موارد میں حکومت کو اجازت دی ھے کہ اسلامی دائرہ میں ضروری قوانین کو بنائے ، مثلاً گاڑی چلانے سے متعلق قوانین وہ داھنی طرف چلیں یا بائیں طرف، یا ان کی رفتار کتنی ھو، ظاھر ھے کہ قرآن واحادیث میں اس سلسلہ میں کوئی واضح حکم تو ھے نھیں، اور ایسے متغیر قوانین زمان ومکان کے لحاظ سے بدلتے رھتے ھیں، یہ کام اسلامی حکومت کا ھے کہ وہ اسلام کے کلی نظریات کے مطابق مناسب قوانین بنائے۔

مذکورہ بحث کی رو سے نتیجہ یہ نکلتا ھے کہ جمھوریت اور لوگوں کی اھمیت کا اندازہ قانون گذار اور قانون کے جاری کرنے والے جواسلامی بنیادوں کی رعایت کرتے ھوئے مؤقت اور متغیر قوانین بناتے ھیں ان کی تعین میں لگتا ھے.

دوسرے الفاظ مینیوں عرض کیا جائے کہ جمھوریت یعنی لوگوں کا جدیت کے ساتھ اسلامی حدود وقیود کی رعایت کرتے ھوئے نمائندگان کے انتخاب کی معین شدہ خصوصیات کو مدنظر رکھتے ھوئے ان کے چننے کے لئے انتخابات میں شرکت کرنا،اور اس پرشروع انقلاب اور امام خمینیش کے زمانہ سے عمل ھوتاآیا ھے. مثلاً اسلامی پارلیمنٹ کا انتخاب، صدر مملکت کا انتخاب، خبرگان رھبری کا انتخاب اور شوریٰ کا انتخاب. لھٰذا لوگوں کے منتخب شدہ افراد میں خاص شرائط کا ھونا ضروری ھے۔

یعنی مسلمان اور اسلامی احکامات کا دلسوز ھو اور قانون بناتے وقت اسلامی قوانین کی رعایت ضروری ھے. اقلیت کے نمائندوں کے علاوہ تمام نمائندوں میں ان صفات کے علاوہ مسلمان اور احکامات اسلامی کا دلسوز ھونا ضروری ھے ، اور اس کے ساتھ شورای نگھبان ھے تاکہ ایسا نہ ھو کہ پارلیمنٹ کے نمائندوں نے غفلت یا غلطی سے ایسے قوانین بنا ڈالے ھوں جو اسلام کے مخالف ھوں ، شورای نگھبان کا وظیفہ یہ ھے کہ پارلیمنٹ کے بنائے ھوئے قوانین کو دیکھے کہ آیا اسلام سے مطابقت کرتے ھیں یا نھیں، اور اگر اسلام کے مطابق ھیں تو ان کی تائید کرتی ھے او راگر اسلامی نظریات کے موافق نھیں ھیں تو پارلیمنٹ کو واپس بھیچ دیتے ھیں تاکہ ان پر تجدید نظر کرے، ھمارے ملک میں اس طرح کے قوانین سسٹامیٹک ھیں جن کو سب قبول کرتے ھیں او رکوئی بھی ان کی مخالفت نھیں کرتا۔

اسی طر ح قانون کو جاری کرنے والے جن میں سب سے اوپر صدر مملکت ھوتا ھے یھاں بھی اسلامی قوانین کی رعایت ضروری ھے. سب سے پھلے صدر مملکت میں ایسے صفات ھوں جو قانون اساسی میں ذکر ھوئے ھیں جو کہ اسلام سے ماخوذ ھیں ذکر ھوا ھے، اور اپنی حکومت کو چلانے میں خدا کی طرف سے اذن رکھتا ھو، اس طرح کہ لوگوں کی اکثریت کی حمایت کے بعد ولی فقیہ کے ذریعہ منصوب ھو، لھٰذااس صورت میں اس کی حکومت مشروع اور جائز ھوگی ، یہ وہ چیزیں ھیں کہ جو ھمارے ملک میں انجام پاتی ھیں۔

لوگوں کے نقش اور اسلامی نظام میں ان کے دخالت کو بھتر طور پر سمجھنے کے لئے ایک مثال پیش کرتے ھیں؛ فرض کریں کہ ھم لوگ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے زمانہ میں ھوتے او راپنے شھر میں کسی شائستہ ،مناسب اور صالح شخص کو ولایت کے لئے مناسب سمجھتے اور امام علیہ السلام کی خدمت میں جاکر عرض کرتے کہ فلاں شخص ھمارے شھر میں والی ھونے کی صلاحیت رکھتاھے، ممکن تھا امام علیہ السلام ھمارے اس مشورے پر اس شخص کو والی کے عنوان سے منصوب فرماتے۔

اب اگر لوگوں کی اکثریت امام علیہ السلام کی خدمت میں یہ مشورہ پیش کرےں تو بطریق اولیٰ امام علیہ السلام اس مشورہ کو قبول فرماتے، اور اس شخص کو اپنی حکومت کے اس علاقہ کی ولایت کے لئے منصوب فرماتے.پس معلوم یہ ھوا کہ لوگوں کے کردارکی اھمیت حکومت اور حکومتی کاموں میں تھیوری کے لحاظ سے ھے اسی طرح کہ افراد تحقیق وبررسی کریں کہ قانون گذاری اور ان کے اجراء کے لئے کون افراد مناسب ھیں ان کو ووٹ دیں او رلوگوں کا ووٹ دینا گویا رھبری کو مشورہ دینا ھے اور درحقیقت ولی فقیہ سے ایک عھدوپیمان ھے کہ اگر اس کو ھماراحاکم معین کریں تو اس کی اطاعت کریں گے، اسی وجہ سے جب امام خمینیش کے زمانے میں لوگوں کی اکثریت کسی کو صدر مملکت کے عنوان سے منتخب کرتی تھی، تو حضرت امام خمینیش فرماتے تھے:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

میں ان کو جنھیں لوگوں کی تائید بھی حاصل ھے صدر کے عنوان سے منصوب کرتا ھوں ، یعنی لوگوں کے ووٹ ایک مشورہ کی طرح ھےں کہ ھم اس کو قبول کریں گے۔
یہ اسلامی حکومت کی تھیوری اور نظریہ ھے جو جمھوریت کے دوسرے معنی کے لحاظ سے کوئی مخالفت نھیں رکھتا، اور ۲۰ سال سے ھمارے ملک میں نافذ ھے او رکوئی بھی مشکل نھیں آئی. لیکن اگر جمھوریت کے معنی یہ ھوں کہ معاشرہ میں دین کی دخالت نہ ھوسرکاری اداروں میں کوئی بھی دینی پروگرام نہ ھونتو کیا ایسی چیز اسلام سے ھم آھنگ ھے یا نھیں؟ بے شک تیسرے معنی کی جمھوریت جو آج کا استعمار اس کی تفسیر کرتا ھے اور دوسروں پر اس کو تحمیل کرنا چاھتا ھے، سو فی صد اسلام ایسی جمھوریت کا مخالف ھے، کیونکہ یہ اسلام کے منافی ھے۔
لیکن جمھوریت دوسرے معنی یعنی اسلام کے ان شرائط کا لحاظ رکھنا جن کو اسلام نے قانون گذار اور قانون کے جاری کرنے والوں کے لئے معین کئے ھیں،گویا لوگ صالح او رباصلاحیت افراد کو قانون گذاری اور اجرائے قانون کے لئے انتخاب کریناور اپنی شرکت سے اسلامی حکومت سے ھمدردی اور ھمکاری کو ثابت کریناور خود کو ملک کے مسائل میں شریک جانیں. جمھوریت کی یہ تصویر اسلام کی نظر میں مقبول ھے اور ھمارے ملک میں اس پر عمل ھوتا ھے، اور اگر کسی مقام پر اس خلاف ورزی ھوتی ھے دیگر خلاف ورزیوں کی طرح جو گاھے گاھے وجود میں آتی رھتی ھیں تو ھم کو اس کی پیگیری کرنا چاھئے تاکہ دوبارہ اس قسم کی خلاف ورزی کی تکرار نہ ھو۔

اسلام اور سیاست جلد(۱)

بائیسواں جلسہ

**اسلام اورجمھوریت (2)**

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
ھم نے گذشتہ بحث کے دوران اسلام کے سیاسی نظریہ پر ھوئے بعض اعتراضات کے بارے میں گفتگو کی تھی ، جن میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر قوانین خداوندعالم کی طرف سے معین ھوں اور ان کو جاری کرنے والے بھی خداکی طرف سے معین ھوں تو یہ جمھوریت سے ھم آھنگ نھیں ھے، ھم نے اس اعتراض کے جواب میں عرض کیا تھاکہ جمھوریت کے کوئی خاص واضح وروشن معنی بیان نھیں ھوئے ھیں. ”آتن“ میں جمھوریت کا آغاز اس طرح ھواکہ شھر کے تمام لوگ شھری مسائل میں براہ راست دخالت کیا کرتے تھے. اور اس طریقہ کے عملی نہ ھونے اور دوسرے دلائل کی وجہ سے دانشمندوں اور فیلسوف حضرات کو اس پراعتراض ھوا. یھاں تک کہ ”رنسانس“ کے زمانہ سے خود پسند اور ظالم حکومتوں کے مقابلہ میں جمھوریت کی دوسری تصویر پیش کی گئی،اور مغرب زمین کے بڑے بڑے فیلسوف حضرات اس پر تنقید کرنے لگے ،یھاں تک کہ اس کی ایک قابل قبول شکل نکالی گئی اور اس کے بعد دوسرے ملکوں میں جانے لگی. اس کی موجودہ صورت یہ ھے کہ لوگ فقط پارلیمنٹ کے ممبران کے انتخابات میں شرکت کرتے ھیں، اور قوة مجری (صدر یا وزیراعظم) یا مسئول قوة قضائیہ ( رئیس قضاة) کے انتخاب میں لوگوں کا کوئی کردار نھیں ھوتا. اس نظریہ مینحکومت کی کوئی خاص شکل وصورت معین نھیں ھوتی اسی وجہ سے مختلف حکومتینبادشاھی، پارلیمنٹی، یا ریاست جمھوری حکومتیں اپنے کو جمھوری حکومت تصور کرتی ھیں، کیونکہ اس حکومت میں کسی نہ کسی طریقہ سے لوگوں کا کردار ھوتا ھے۔

2۔سیکولر جمھوری اور اس کے فلسفہ کی وضاحت
جیسا کہ ھم نے عرض کیا،مغربی ممالک کے سیاست داں حضرات نے جمھوریت کی ایک نئی شکل پیش کی ھے کہ جس جمھوریت میں ”لائیزم“ کے معنی پائے جاتے ھیں. یعنی ایک طرف تو لوگ بھی حکومت میں دخالت رکھتے ھوں او ردوسری طرف یہ کہ کسی بھی سرکاری دفتر میں دین کی کوئی نشانی نہ پائی جائے.
دین نہ توقانون گذاری مینکوئی دخالت ھو او رنہ ھی قانون کے جاری کرنے والے دین کے نام پر حکومت کریں،یھاں تک

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ جو شعبہ جات حکومت سے وابستہ ھیں ان میں بھی دین کی کوئی نشانی نہ ھو،دینی اعتقاد یا اس کی طرف داری کا کوئی وجود نہ ھو. اسی وجہ سے بعض حکومتوں میں لڑکیوں کوکالج میں باپردہ جانے سے روکا جاتا ھے، کیونکہ دینی نشانی کے ساتھ کالج میں جانے کا مطلب یہ ھے کہ حکومت اس کی حمایت کرتی ھے۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت کے یہ جدید معنی سوفی صد دین کے مخالف ھےں، او ر ایسی حکومتوں کو جمہوریت کا نام دینے کے بجائے ”بے دینوں کی ڈکٹیٹری“ کہنا مناسب ھے، کیونکہ یہ لوگ جمہوریت کے نام پر معاشرہ میں دینی اعتقادات اور مذھبی امور کو انجام دینے کی اجازت نہیں دیتے، اورسرکاری دفاتر میں دینی امور پر عمل کرنے کوممنوع قرار دیتے ھیں۔
یہ طریقہ کار کہ جس کی کوئی فلسفی بنیاد نہیں ھے اور نہ ھی یہ کوئی فلسفی نظریہ ھے، لیکن دشمنان دین کا مقصد یہ ھے کہ مغربی اور یورپین ممالک میں دین، خصوصاًاسلام کو پھیلنے سے روکا جائے، اور اپنی تمام تر کوشش کرتے ھیں کہ اپنے ممالک یہاں تک کہ اسلامی ممالک مینجمہوریت کے نام پر اسی جمہوری انداز کو اپنائیں کہ جس کا نمونہ الجزائر اور ترکی میںدیکھنے میں آتاھے۔
ڈکٹیٹری کی سخت شکل سے نکالنے کے لئے اور اس کی جگہ جمہوریت کی نرم وملائم شکل پیش کرنے کے لئے ایک فلسفہ تراشی شروع کی ،تاکہ دینداروں کے اعتراضات کا مقابلہ نہ کرنا پڑے، اور ان کے غصہ کو کم کرسکیں،اسی وجہ سے حکومتی دفاتر میں دینی نشانیاں نہ ھونے کی توجیہ اور وضاحت کرتے ھیناور فلسفہ کا راہ حل پیش کرتے ھیں کہ (جیسا کہ حقوق بشر کے نشریہ میں بھی موجود ھے) تمام انسان انسانیت میں برابر ھیں اور ان میں کوئی درجہ بندی نہیں ھے اور ھمارے پاس درجہ اول یا درجہ دوم کے انسان نہیں ھےں، اسی بناپر اگر کسی دین کے لئے کسی امتیاز کے قائل ھوں تو اس کا مطلب یہ ھے کہ ھم نے اس دین کو دوسرے دیگر ادیان پر ترجیح دی اور اس کا سب سے بڑا درجہ مانا. پس کسی دین کا احترام کرنا یاسرکاری دفاتر میں اس کے دینی رسم ورواج کی اجازت دینا ، گویا اس دین کو ایک خاص امتیاز دینا ھے جبکہ ھم تمام انسان برابر ھیناور کسی ایک کے دوسرے پر امتیاز کے قائل نہیں ھیں!
لیکن سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ یہ حکومتیں کس طرح اجازت دیتی ھیں کہ جس طرح چاھیں عمل کرےں جس طرح کا کپڑا پھننا چاھیں پھنےں،لیکن دیندار لڑکیوں کے باحجاب ھونے پر پابندی ھے ، درحقیت یہ بعض شھریوں کی آزادی کی نفی اور ان کے حقوق کی پامالی ھے۔

3۔سیکولر نظام کی فلسفی بنیاد مینمغالطہ
بھر حال ،وہ اپنی کارگردگی کے لئے مذکورہ توجیہ وضاحت پیش کرتے ھیں،لیکن اس میں ایک بھت بڑامغالطہ اور غلطی یہ پائی جاتی ھے کہ تمام انسانوں کا انسانیت میں برابر ھونے کا مطلب یہ نہیں ھے کہ تمام شھری ،شھری ھونے میں برابر ھوں. کیونکہ تمام انسانونکا انسانیت میں برابر ھونے کی بحث کو سب سے پھلے اور سب سے زیادہ اسلام نے تاکید کی ھے، جیسا کہ خداوندعالم ارشاد فرماتا ھے:
(یاأَیُّها النَّاسُ إناَّ خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَأُنْثیٰ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاکُمْ...)(1)
”لوگوں ھم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ھم ھی نے تمھارے قبیلے اور برادریاں بنائینتاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرلے، اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وھی ھے جو بڑا پرھیزگار ھو“
قرآن کریم واضح طور پر انسانوں کے درمیان فرق اور امتیاز کی نفی کرتا ھے اور ان کو ایک آدم کی اولاد کھتا ھے کہ جو آپس میں بھن بھائی ھیں، اور ان میں کوئی فاصلہ وامتیاز نہیں ھے. یہ مطلب کسی بھی آسمانی کتاب میں اس کیفیت کے ساتھ بیان نہیں ھوا ھے. اور ھم بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے معتقد ھیں کہ تمام انسان برابر ھیں اور انسانیت درجہ اول اورودم نہیں رکھتی، مشھور ومعروف شاعر سعدی کا یہ شعر بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ھیں

بنی آدم اعضای یکدیگر اند
کہ درآفرنیش زیک گوھرند

لھٰذا جوھر انسانیت تمام انسانوں میں برابر ھے اور انسانوں میں درجہ اول اور ودم نہیں ھے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ھے کہ تمام انسان تمام چیزوں میں برابر ھیں یہاں تک کہ ایک ملک کے تمام شھری تمام سھولتوں میں برابر ھوں. اور تمام دنیا میں اس کو ایک اصل کے عنوان سے بین الاقوامی حقوق میں قبول کیا گیاھے کہ کسی ملک کی تابیعت (نیشنلٹی) خاص شرائط اور خاص سھولتیں رکھتی ھے. ممکن ھے کوئی شخص اپنے ملک سے مھاجرت کرے اور چند سال کسی دوسرے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ملک میں زندگی بسرکرے ،اِس ملک کو فیض پھونچائے اور وھاں کے لوگوں کیلئے کافی خدمات انجام دے؛ لیکن پھر بھی اس کو وھاں کی نیشنلٹی اس کو نھیں ملے گی.
چونکہ مھاجر افراد کو نیشنلٹی ملنے کے لئے خاص شرائط وقوانین درکار ھوتے ھیں. اور جس وقت اس کو نیشنلٹی دینبھی تو ممکن ھے اس کو دوسرے درجہ کا شھری قرار دیں، اوراس کو اول درجہ کی شھریت والی سھولتیں اس کو نہ دیں. یہ مسئلہ تمام دنیا میں پایا جاتا ھے درحالیکہ تمام انسانوں کو انسانیت میں برابر مانا جاتا ھے، لیکن شھریوں کے حقوق اور سھولتیں نیشنلٹی کے لحاظ سے برابر نھیں ھیں، اور نیشنلٹی کا اول درجہ اور دوسرا درجہ ھے ،لھٰذا یہ کھنا محض ایک مغالطہ ھے کہ تمام انسان چونکہ انسانیت مینشریک ھیں لھٰذا انسانیت کا درجہ اول ودوم نھیں ، لیکن شھریت میں دو درجہ ھوسکتے ھیں اور اس کو اسلام نے بھی قبول کیا ھے۔
ھمیں ھوشیار رھنا چاھئے اور توجہ رکھنا چاھئے کہ مغربی ڈکٹیٹری حکومتیں اپنے کو جمھوری حکومتیں کھلاتی ھیں، تاکہ اپنے نامشروع مقاصد میں کامیاب ھوجائیں، ھمیں ان کی فریب کار شکل سے دھوکا نھیں کھانا چاھئے، حقیقت میں جمھوریت کی جدید شکل ایک ڈکٹیٹری ھے جس کی وجہ سے مسلمان عورتیں حجاب اور دوسرے مذھبی مراسم سے محروم ھیں. جبکہ ”حقوق بشر نشریہ“ میں موجود ھے کہ دین آزاد ھے اور سبھی لوگ دینی وظائف پر عمل کرنے میں آزاد ھیں ، اس میں یہ کوئی قید وشرط نھیں ھے کہ سرکاری دفاتر میں کوئی مذھبی کام ھو یا نہ ھو، لیکن اپنی مرضی کے مطابق اس کی تفسیر ومعنی کرتے رھیں اور جنگ کو صلح کے نام سے اور دوسروں پر ظلم کو حقوق بشر کی حمایت کے نام سے جائز جانتے ھیں ، اور ھم آپ ھر روزان کے ظلم وجور اور دھوکہ دھڑی کو دیکھتے رھتے ھیں۔

۴۔مدیریت کے میدان میں جمھوریت کا دوسرا رخ
جیسا کہ ھم نے عرض کیاکہ جمھوریت کے تین معنی ذکر کئے گئے ھیں کہ ان سب کا تعلق فلسفہ سیاست سے ھے، لیکن بعض مؤلفین جو خود کو دینی روشن فکر کھلاتے ھیں وہ یہ کھتے ھیں کہ جمھوریت کا فلسفہ سیاست سے کوئی ربط نھیں ھے، بلکہ جمھوریت مدیریت سے مربوط ھے ،اور اس کو حکومت یا حکومتی ادارہ سے کوئی ربط نھیں ھے،اور اس بحث کی جگہ سیاسی فلسفہ میں نھینھے. ھم ان لوگوں کے جواب میں مختصر طور پر اتنا عرض کرتے ھیں: کہ فلسفی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ھوجاتی ھے کہ سیاسی فلسفہ کے بارے میں ایسی کوئی کتاب نھیں ھے کہ جس میں جمھوریت سے بحث نہ کی گئی ھو، اب اگر جمھوریت کا سیاست سے کوئی تعلق نھیں ھے تو پھر سیاسی فلسفوں کی کتابوں میں اتنی زیادہ بحث کے کیامعنی؟ ان کے دعویٰ کا راز یہ ھے کہ جمھوریت کی جو نئی تصویر مغربی ممالک کے لیبرل دانشمندوں اور مؤلفوں نے پیش کی ھے تاکہ اس کو سیاسی مفھوم سے خارج کردیا جاسکے، اور اس کو دوسرے اجتماعی میدانوں میں داخل کردیں. ان کا کھنا یہ ھے کہ جمھوریت صرف کسی حاکم کی قدرت کو محدود کرنے یا چندمخالف گروھوں کے درمیان سازش (خلاف قانون تال میل) کرانے یا صرف حکومتی اداروں سے مربوط نھیں ھے بلکہ کسی بھی مدیریتی شعبہ میں ھوسکتی ھے: فرض کیجئے اگر کسی کارخانہ کے مختلف شعبوں کے مدیروں کے درمیان اختلاف ھوجائے، تو ان میں اتفاق کرانا ضروری ھے کیونکہ اگریہ اختلاف بڑھتا چلاجائے تو اس کارخانہ کی دیوالیہ نکل جائے گا، لھٰذا اس کارخانہ کے منافع کو فراھم کرنے کے لئے سبھی کو ایک دوسرے سے مشورہ کریں اور ان میں اتفاق ھو یا یہ کہ اکثر لوگوں کی رائے کو مانا جائے، اس طریقہ کار کو جمھوریت کھا جاتا ھے۔
پس معلوم یہ ھوا کہ جمھوریت کسی سازمان کے اندر ھوئے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ھے،اور جمھوریت کے یہ معنی سیاسی فلسفہ سے خارج ھے اور مدیریت کے دائرے میں شامل ھے. اگرچہ حکومت بھی چونکہ معاشرہ کی کثیر تعداد کو ادارہ کرنا بھی ایک مدیریتی کام ھے ، لیکن بھرحال اس کے خاص حدود ھیں ،یہ لوگ جمھوریت کے معنی میں وسعت دینے کے لئے کھتے ھیں کہ اگر دوگروھوں میں اختلاف ھوجائے اور مذکورہ طریقہ سے آپس میں سازش کرلیں تو اسی کا نام جمھوریت ھے. اس بارے میں مزید وضاحت اس طرح ھے کہ دوگروھوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں ممکن ھے کہ ایک گروہ زیادہ مضبوط ھو او ر دوسرے پر مسلط ھوجائے او راپنے نظریہ کو اس پر زبردستی تحمیل کردے، تو ظاھر ھے کہ یہ طریقہ جمھوری نھیں ھے؛ لیکن اگر آپس میں اتفاق ھوجائے اور آخرکار اکثریت کے نظریہ کو تسلیم کرلیں تو گویا انھوں نے جمھوریت کو تسلیم کرلیا ھے۔
البتہ ھم کسی اصطلاح کو بنانے یا کسی علمی اصطلاح میں وسعت دینے کے مخالف نھیں ھیں، لیکن یہ فراموش نھیں کرنا چاھئے کہ درحقیقت یہ معنی سیاسی میدان سے مربوط ھینجس کو دوسرے مسائل میں بھی وسعت دی گئی ھے. اور اجتماعی علوم میں ایسے بھت سے معنی موجود ھیں جن کو شروع میں کسی خاص میدان میں استعمال کیا جاتا تھالیکن ان میں وسعت دینے کے بعد ان کو دوسرے میدانوں میں میں بھی استعمال کیا جانا لگا،مثال کے طورپر آپ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

''اسٹراٹیجی''(Strategie) (یعنی لشکر کشی) کے لفظ سے آگاہ ھیں جو تمام ھی محافل میں مشھور ھے.کہ دراصل اس کے معنی''سوق الجیشی'' ( لشکر کشی) کے ھیں اور اس کو فوجی سطح پر بولا جاتا ھے اور اسٹراجسٹ اس کو کھا جاتا ھے جو جنگ کا نقشہ اور اس کو کمانڈ کرنے کی ذمہ داری لیتا ھے، مثلاً کسی حملہ کا پلان بناتا ھے، اور اس حملہ کی راھنمائی کرتا ھے، یہ لفظ جنگی فوج کی ھدایت یا اس کے طریقہ حرکت یا جھاں سے حرکت ھوتی تھی یا جھاں پر پڑاؤ ڈالا جاتا تھایا جھاں سے حملہ شروع ھوتا تھااس علاقہ کو سوق الجیشی یا اسٹراٹیجک علاقہ کھا جاتا تھا۔
اس کے بعد اس لفظ میں وسعت دی گئی اور دوسرے علوم میں بھی اس کو استعمال کیا جانے لگا، مثلاً خود ھماری سیاسی بحث میں بھی ''اسٹراٹیجک سیاست'' ایک اصطلاح ھے. یھاں تک کہ تعلیمی شعبہ کی بعض مدیریتوں میں اسٹراٹیجک مسائل بیان ھوتے ھیں، اور ھمارے قانون اساسی میں میں بھی ایسے بھت سے اصول ھیں جو اسٹراٹیجک پھلو رکھتے ھیں، اس اصل کے مانند جو یہ کھتی ھے کہ ملک کے قوانین کو اسلامی قوانین کے مطابق ھونا چاھئے. لیکن بعض ان لوگوں پر تعجب ھے کہ جو قانون اساسی کا دم بھرتے ھیں اور اسی کو سند بناتے ھیں کہ گویا قانون اساسی قرآن سے بالاتر کوئی چیز ھے لیکن کبھی ایسی مخالفت کرتے ھیں کہ گویا قانون اساسی کی ان کی نظر میں کوئی اھمیت نھیں ھے. جھاں پر قانون اساسی میں لوگوں کی رائے کے احترام کے بارے میں ملتا ھے تو گویا قرآن مجید کو بھی ان کے برخلاف بولنے کی اجازت نھیں ھے. پیغمبر اور ائمہ معصومین اور امام زمانہ علیھم السلام کو بھی لوگوں کی رائے کی مخالفت کا حق نھیں ھے.؟!
لیکن جب قانون اساسی یہ کھتا ھے کہ ملک کے قوانین اسلامی قوانین کے مطابق ھونے چاھئےں،تو وہ اس کو بھول جاتے ھیں اور اس کی مخالفت شروع کردیتے ھیں اور کھتے ھیں کہ معیار لوگوں کی رائے ھے!!
کیا اسی قانون اساسی میں نھیں ھے کہ اس ملک کے قوانین کو اسلامی قوانین کے مطابق ھونا چاھئے؟ لھٰذا اگر کوئی چیز اسلامی نظر سے حرام ھو تو پھر آپ قانون اساسی کو سند بناکرکس طرح اس کو جائز کرسکتے ھیں؟ اس قانون اساسی کے پیش نظر کہ جو قوانین اسلام کی رعایت پر اتنی تاکید کرتا ھے یہ کھہ کر کہ اخبارات آزاد ھےں، کس طرح اسلامی مقدسات اور اسلام کے ضروری احکامات کی توھین کی جائے؟
اخبارات خاص قوانین کے تحت آزاد ھیں نہ یہ کہ قانون سے بڑہ کر آزاد ھوجائیں. جب قانون اساسی اسلامی مقدسات کے احترام کو واجب کرتا ھے اور ضروریات دین کا انکار اور اسلامی قوانین کا مسخرہ کرنا ، نیز خدا وپیغمبر کا مذاق بنانا جو مرتد ھونے کا سبب ھے تو پھر اخبارات کے قوانین اس کو کس طرح جائز کرسکتے ھیں. قانون اساسی اس وجہ سے لکھا گیا تاکہ اسلامی جمھوری کے مفھوم کو واضح وروشن کرسکے۔

5۔جمھوری اسلامی میں اسلام وولایت فقیہ کا سب سے اھم مقام
انقلاب کی کامیابی کے پھلے سال یعنی 1358ء ہ شمسی میں جمھوری اسلامی کا'' رفرنڈم'' "Referendum" (ھمہ پرسی) ھونے والا تھا جس میں حکومت کی شکل وصورت کے لئے خاص نشانات پیش کئے گئے تاکہ سبھی لوگ اس کے حساب سے ووٹ ڈالیں. ان میں سے بعض جمھوری، جمھوری ڈیموکراٹک، جمھوری ڈیموکراٹک اسلامی، جمھوری اسلامی تھے. لیکن امام خمینی ش نے فرمایا: ''جمھوری اسلامی'' نہ ایک لفظ کم نہ زیادہ، اور اس میں 98فی صد لوگوں نے ''جمھوری اسلامی'' کو ووٹ دئے، یعنی اسلامی حکومت کی قید وشرط کو نھیں ھٹایا جاسکتااور اس کی جگہ ''ڈیموکراٹک'' لفظ کو نھیں رکھا جاسکتا. اور اگر ڈیموکراٹک کا لفظ اسلام سے بالاتر کوئی چیز تھی تو کیوں امام خمینیش نے اجازت نہ دی کہ اس لفظ کو اسلامی حکومت کے ساتھ اضافہ کیا جائے؟
اور اگر جمھوریت اور ڈیموکریسی میں کوئی فرق نھیں ھے تو جب جمھوریت ھے تو ڈیموکریسی بھی ھے، لھٰذا ڈیموکریسی لفظ کے لانے کی کوئی ضرورت ھی نھیں ھے. پس جب بعض لوگ ''جمھوری ڈیموکراٹک'' پر تاکید واصرار کررھے تھے، تو امام خمینیش نے ان کی مخالفت کی؛ معلوم یہ ھوا کہ ڈیموکراسی کے مختلف معنی ھوسکتے تھے اور جمھوریت میں بعض چیزوں کا اضافہ ھوسکتا تھا کہ جن کی نفی کی گئی ھے اور وہ یہ ھے کہ اسلام سے بڑہ کر لوگوں کے ووٹوں اور ان کے نظریات پر تکیہ نھیں کیا جاسکتا۔
بھرحال ھماری حکومت ،جمھوری اسلامی ھے کہ جن کے ستون لوگوں کے شانوں پر ھیں اور انھیں لوگوں نے انقلاب کیا ھے اور اپنے انقلاب کی اسلامی قوانین کے تحت حفاظت کرتے ھیں. مرحوم شھید استاد مطھری ش اس سلسلہ میں ھماری بحث کو وضاحت کرتے ھوئے بیان دیتے ھیں کہ :
''جمھوریت حکومتی شکل کو بیان کرتی ھے اور اسلامیت حکومت کے محتویٰ کو بیان کرنے والا ھے'' حکومت کا محتویٰ یہ ھے کہ اسلامی قوانین کونافذ کیا جائے لیکن حکومت کی شکل وصورت بادشاھت کے مدمقابل ھے. لھٰذا ھماری حکومتی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بادشاهی نہ ہوگی، بلکہ اس کی شکل جمہوری اور اس کے قوانین اسلامی ہونگے. اصل احکام اسلامی ہوں گے اور اسلام سے پہلے یا اسلام کے بعد کوئی چیز نہ ہوگی۔

حضرت امام خمینیؒ مکرر فرمایا کرتے تھے :
جمہوری اسلامی میں ہر حکومت یا کسی بھی حکومتی پوسٹ کی مشروعیت ولی فقیہ کی اجازت پر موقوف ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس پر ولایت فقیہ کی تھیوری قائم ہے، اور ہم نے اس مسئلہ کو فقہاء کرام اور سب سے زیادہ امام خمینیؒ سے حاصل کیا ہے، جس پر عقلی ونقلی دلیلیں بھی قائم ہیں. کیونکہ ولی فقیہ امام معصوم (ع) کا جانشین ہوتا ہے اور تمام چیزوں کو الٰہی ارادے کے تحت ہونا چاہئے اور چونکہ ولی فقیہ امام معصوم (ع) اور خدا وندعالم کی طرف سے اجازت رکھتا ہے، لہٰذا کسی بھی نظام کی مشروعیت ولی فقیہ کی اجازت پر موقوف ہے.
البتہ یہ طریقہ ان لوگوں کے نظریات سے موافق نہیں ہے جومغربی تمدن سے متاثر ہیں. اور ہماری اس نظریہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ توحید کے نظریہ سے لیا گیا ہے اور اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ہے؛ نہ یہ کہ علماء کرام کی صنف سے اخذ شدہ ہے. اور جیسا کہ ہم نے پہلے وضاحت کی تھی کہ خداوند عالم کی تشریعی ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ قانون گذاری اور نفاذ قانون دونوں خدا کی اجازت سے ہونے چاہئےں، اوراگر اس کے علاوہ ہے تویہ ایک قسم کا شرک ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس معاشرہ میں لوگ کوئی کردار نہیں رکھتے،اس حکومت میں لوگوں کا کردار (اسلام کے معین کردہ پہلو سے) سوفی صد ہے اور اس سلسلہ میں کوئی دوسری چیز اس کے بدلہ نہیں رکھی جاسکتی، لیکن مشروعیت اورمقبولیت میں ایک فرق کا قائل ہونا ضروری ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ”رنسانس“ کے بعد سے مغربی نظریہ کے لحاظ سے حقوقی و فلسفی اور اجتماعی گفتگو میں خدا یا دین کی کوئی بات نہیں ہونی چاہئے، البتہ مغربی نظریہ سے ہماری مراد صرف وہ لوگ نہیں ہیں کہ جو مغربی ممالک میں زندگی بسر کرتے ہیں، بلکہ ہماری مراد وہ نظریہ ہے، جو مغرب میں مو جودہ نظام کے نزدیک قبول شدہ ہے. مثلاً جس وقت حقوق بشر کے نشریہ میں انسانوں کے حقوق کی بات آتی ہے تو اس مینتو خدا سے انسانی رابطہ کا بیان ہے ہی نہیں. اور اگر کسی مذہب کی بات ہوتی ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ ہر انسان مذہب کو اختیار کرنے میں آزاد ہے، وہاں یہ کوئی گفتگو نہیں ہوتی کہ کون سی چیز حق ہے یا کون سی چیز باطل ہے، خدا ہے یا نہیں، ایسی چیزیں بالکل بیان نہیں ہوئی ہیں.
اور جس وقت اجتماعی حقوق منجملہ حقوق اساسی، حقوق شہری یا کیفری حقوق کی بات ہوتی ہے تو اگر کسی جگہ یہ حقوق خدا سے مربوط ہوتے ہیں تو ان کی کوئی گفتگو نہیں ہے، وہاں بالکل یہ بات بیان نہیں ہے کہ خدابھی لوگوں پر حق رکھتا ہے یا نہیں؟ یا خدا کی طرف سے انسانوں پر کوئی تکلیف ہے یا نہیں؟ انھوں نے حقوقی گفتگو میں خدا کے حقوق کی بالکل کوئی بات نہیں کی، لیکن اگر ہم چاہیں اپنے اعتقادات کی بناپر اسلامی تعلیمات اور حقوق الٰہی پر مبنی اپنے ملک کے حقوق کومعین کریں تو ان کوہمیں روکنے کا کوئی حق نہیں ہے. ہم مسلمان اورموحد ہونے کے لحاظ سے معتقد ہیں کہ تمام حقوقی مسائل ، اجتماعی ،شہری اور سیاسی حقوق میں تمام جگھوں پر خدا کا لحاظ رکھیناور تمام حقوق سے بالاتر خدا کے حق کو مانےں،اور اس کے حق کے بدلے میں ہم پر کچھ تکالیف عائد ہوتی ہیں جن کو ہمیں انجام دینا چاہئے۔
دوسری طرف یہ کہ صرف انسانوں کے حقوق کی ہی بات نہیں ہونا چاہئے بلکہ حق وتکلیف ساتھ ساتھ بیان ہونے چاہئےں اور سب سے اہم خدا کے معین کردہ تکلیف ہے. خداوند عالم کی تشریعی ربوبیت کا حق یہ ہے کہ تمام انسان سیاسی واجتماعی مسائل میں خدا کے احکام کو قبول کریں. اور ہم چونکہ مسلمان ہونے کے ناطے یہ حق رکھتے ہیں کہ اپنے اعتقادات کی بناپر اپنے ملک میں قوانین بنائیں اور ان پر عمل کریں. اور ہمارے قانون اساسی میں یہ کام ہوا ہے اسی وجہ سے ہمارے نزدیک یہ اہم اور اول درجہ رکھتا ہے اور قانون اساسی کا احترام ، اسلام کے احترام کے مانند ہے۔

6۔اسلام کی مورد قبول جمہوریت
جمہوریت کے ایک معنی اسلام کے موافق ہے اور ایک معنی(یعنی تیسرے معنی) اسلام کے سوفی صد مخالف ہے.
جمہوریت کے دوسرے معنی خاص شرائط کے ساتھ قابل قبول ہے لیکن بغیر کسی قید وشرط کے قبول نہیں ہے. اور چونکہ اسلامی قوانین کی رعایت ضروری ہے لہٰذا قانون گذاری مینکسی بھی مرکز کو یہ حق نہیں ہے کہ اسلام کے ضروری احکام کی مخالفت کرے اور یہ ایک ایسی اصل ہے جو دینی لحاظ سے مقبول ہے، لہٰذا اس اصل کو قبول کرتے ہوئے ہم جمہوریت کو قبول کرتے ہیں؛ لیکن اگر اس اصل کو نہ مانا جائے اور جمہوریت کا یہ مطلب ہو کہ الٰہی حدود اور احکامات اسلامی کی مخالفت کو بھی جائز کرلیا جائے تو پھر ہم اس جمہوریت کو سوفی صد ردّ کرتے ہیں. او

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رجمھوریت کے اختلاف کو حل کرنے کے طریقہ کی حد تک لیا جائے تو ھم کھیں گے کہ جھاں تک اختلافات کو حل کرنے کے لئے اسلامی احکامات کافی ھیں تو یہ مقدم ھیں لیکن اگر کوئی ایسی جگہ ھو کہ اسلام نے اس کے راہ حل کے لئے کوئی معین راستہ پیش نہ کیا ھو اور کوئی باصلاحیت مرجع نہ ھو تو پھر اکثریت کی رائے کو مانا جائے گا، یعنی اگر کسی مقام پر کوئی دلیل شرعی یا تحقیقی نظریہ موجود نہ ھو یا اس اختلاف کو حل کیا جاسکے۔
مثلاً کچھ لوگ قانون کے تحت کسی مھم کام کے لئے کو ئی شوراٰی بنائیں اور تمام لوگ اسلام کا اعتقاد رکھتے ھوں اور اسلامی قوانین کی رعایت کرینلیکن کسی مسئلہ میں اختلاف ھوجائے اور اکثرلوگوں کی کچھ نظر ھو اور اقلیت کی کچھ نظر ، اوران دو نظریات کو ترجیح دینے کے لئے بھی کوئی راستہ نہ ھو تو یھاں پر اکثریت کی نظر مقدم ھے اور اکثریت کی نظر کی مخالفت کرنا ترجیح مرجوح ھوگی (جوقبیح ھے)۔
خلاصہ یہ ھوا کہ اگر کسی مقام پر کوئی مرجح نہ ھواور اکثریت کی نظر سے ھمیں ظن(گمان) حاصل ھوجائے تو یہ ظن ھمارے نزدیک معتبر اور مرجح ھے،اور اگر اکثریت کی وجہ سے ظن حاصل نہ ھوتو اس کو ترجیح دینا بغیر کسی مرجح کے ھوگا جو عقلا مذموم اور نادرست ھے۔ یہ طریقہ بس اسی حد تک معتبر ھے،لیکن اس طریقہ سے ناجائز فائدہ اٹھاناصحیح نھیں ھے کہ لوگوں کی اکثریت کو اقلیت کے مقابلہ میں کیا جائے، مثلاً فرض کیجئے ایک فوجی نقشہ بنانے کے لئے دہ افسر معین ھوئے اور دوسری طرف ایک ھزار عام آدمی ھوں کہ جن کو فوجی مسائل سے بالکل بھی کوئی آشنائی نہ ھو، اگر عام لوگوں کی رائے پر توجہ کی جائے او ران کو مانا جائے او ران ماھر افسروں کی رائے پر عمل نہ کیا جائے تو یہ کام عقل سے دور ھے۔ لھٰذا جمھوریت اختلافات کو حل کرنے کے لئے خاص شرائط کے ساتھ معتبر ھے؛ لیکن ھر اکثریت کو ھر اقلیت پر ترجیح دی جائے تو اس کا کوئی اعتبار نھیں ھے۔

حوالے
1۔سورہ حجرات آیت 13.

اسلام اور سیاست جلد(۱)

تئیسواں جلسہ

**انسانیت میں اصل وحدت کی تحقیق اور شھریوں کی اتباع**

1۔ اسلامی نقطہ نظر کسی کا صاحب حق ھونا
فلسفہ سیاست کی بحثوں میں فلسفہ حقوق بھت قریب ھے اور دونوں میں مشترک یا مشابہ مسائل بیان کئے جاتے ھیں مثال کے طور پر سیاست کی بحث میں حقوقی مسائل کی تحقیق کی جاتی ھے اسی بنیاد پر ھم نے فلسفۂ حقوق(یعنی انسانوں کا انسانیت کے اعتبار سے اھم ھونا) کی بحث میں اس سے پھلے والے جلسہ میں اشارہ کیا تھا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ اگرچہ تمام انسان انسانیت میں مشترک ھیں اور اسلام کی نظر میں انسانوں کے ما بین پھلے طبقہ اور دوسرے طبقہ کے انسان نھیں ھیں لیکن اس کا مطلب یہ نھیں ھے کہ اجتماعی مسائل میں تمام انسان حقوق اور تکالیف کے اعتبار سے مساوی ھیں، اس بارے میں جو افراد مکمل طور پر ان مسائل سے آگاہ نھیں ھیں یا ان کے ذریعہ سوء استفادہ کرتے ھینتاکہ اسلام اور انقلاب کے مخالف نظریات رکھتے ھوئے بھی اپنے کو مسلمان او رانقلابیوں کی فھرست میں کھڑا کرسکیں اور اس کی وجہ سے انقلاب سے فائدہ اٹھاسکیو،اور صرف یھی نھیں بلکہ انقلاب کے خلاف مطالب تلاش کرسکینانھوں نے اس بارے میں مغالطہ کیا ھے کیونکہ معاشرہ میں پھلے طبقہ اور دوسرے طبقہ کے انسان نھیں ھیں لھٰذا تمام افراد کے حقوق برابر ھونا چاھیئے جیسے گروہ بنانے کے لئے اقدام کرنا اور ملک ملت میں کسی بلند عھدے کا پانا ۔ ان کے نظریہ کے مطابق ھر شخص چاھے وہ کسی بھی عقیدہ کا تابع ھی کیوں نہ ھو وہ صدر مملکت یا وزیر اعظم ھوسکتا ھے اور کوئی بھی پارٹی بنا سکتا ھے۔
چونکہ ان کا استدلال یہ ھے کہ جب انسانوں کے مابین پھلا طبقہ اور دوسرا طبقہ نھیں ھے اور تمام انسان برابر ھیں اور ھم جو انقلاب اسلامی اور قانون اساسی کو تسلیم نھیں کرتے ھیں تو ھم کو یہ حق ھے کہ تمام حقوق میں برابر حصہ ملے اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مغالطہ کے بارے میں یہ عرض کردیا گیا ھے کہ صحیح ھے کہ انسانوں میں پھلا طبقہ اور دوسرا طبقہ نھیں ھے، یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ھے لیکن تمام حقوق و وظائف اصل انسانیت میں سب کے درمیان مشترک نھیں ھیں بلکہ بعض حقوق و وظائف میں اصل انسان کے علاوہ دوسری خاصیتیں ھوتی ھیں، بھر حال کچھ افراد نے اس مطلب کو درست نھیں سمجھا یا اپنی کسی غرض کی وجہ سے اس مطلب کی غلط تفسیر کی ،اور کھا کہ فلاں صاحب کھتے ھےنکہ ھم شھریوں کے مابین پھلا طبقہ اور دوسرا طبقہ موجود ھے اور شھریوں کے پھلے طبقہ سے مراد روحانیت ھے اور بقیہ دوسرے شھری دوسرے طبقہ میں شمار کئے جاتے ھیں۔

حقیر اس شبہ کے لئے اس وقت کے جلسہ کو مخصوص کرتا ھے،قارئین کرام اس موضوع کے واضح ھونے کے لئے جو بحث حقوق عالم کے فلسفیوں کے مابین بیان ھوتی ھے اور اس کے مختلف جواب دیئے گئے ھیں اس کی طرف توجہ دیجئے وہ بحث یہ ھے کہ۔ اصولی طور پر ریشہ حق کیا ھے ؟ یعنی کس طرح کوئی صاحب حق بنتا ھے، یہ جو کھا جاتا ھے کہ فلاں شخص حق رکھتا ھے یا نھیں رکھتا یہ حق کھاں سے پیدا ھوتا ھے ؟ ھم کس بنیاد پر کھتے ھیں کہ کوئی شخص فلاں کام کو انجام دینے کا حق رکھتا ھے یا نھیں رکھتا ؟ فلسفہ حقوق کے مختلف، جیسے مکاتب حقوق تاریخی، پوزیتویزم حقوق طبعی اور دوسرے حقوقی مکاتب ھر ایک نے اس کے مختلف جوابات دئے ھیں ۔

اسلام کا اس بارے میں خاص نظریہ ھے یعنی اسلام کی نگاہ میں تمام حقوق در اصل خدا وند عالم کی طرف بازگشت ھوتی ھے۔ چونکہ ھستی اسی کے کرم سے ھے اور ھر شخص کے پاس جو کچھ ھے وہ اسی کا دیا ھوا ھے ۔ اور تکوینی میں ھمارا وجود اور کچھ ھمارے پاس ھے وہ خدا کے لئے ھے (انَّا لِلّٰہِ )اور تمام چیزیں (مِنَ اللّٰہ ) ھیں اسی طرح تشریعی امور بھی خدا کی طرف سے مستند ھونے چاھئیں ۔ حقوق کے پیدا ھونے کے بارے میں یہ ھمارا کلی نظریہ تھا جس کو ھم نے مختصر طور پر بیان کیا ھے کہ۔ خدا وندہ عالم تمام انسانوں کو مساوی حقوق عطا کرتا ھے ؟ یا بعض بندوں کو خاص حق عطا کرتا ھے کہ دوسروں کو وہ حق نھیں دیتا ؟ مختصر طور پر ھم یہ جانتے ھیں کہ خدا وند عالم نے انبیاء کو جو حقوق عطا کیئے ھیں وہ دوسروں کو عطا نھیں کیئے ھیں اس نے ماں باپ کو کچھ حقوق عطا کیئے ھیں اور اولاد کو دوسرے حقوق دیئے ھیں۔

لیکن کیا (معاذاللہ ) خدا وند عالم کا قانون بغیر حساب وکتاب کے ھے یعنی خداوند عالم بغیر کسی معیار و ملاک کے کسی کو کوئی حق دیتا ھے اور دوسرے کو وہ حق عطا نھیں کرتا ھے یا اس کی نظر میں کوئی خاص ملاک و معیار پایا جاتا ھے ؟ اور اگر کوئی ملاک و معیار ھے تو کونسا ملاک ھے ؟ تو جن حقوق کو خداوندعالم اپنے بندوں کو عطا کرتا ھے وہ ان خاص وظائف کی وجہ سے ھے جن کو وہ انجام دیتے ھیں .ھم کو خداوند عالم نے اس لئے پیدا کیاھے تاکہ ھم اپنے ارادہ و اختیار سے کمال حقیقی اور سعادت ابدی کی طرف حرکت کریں، لہٰذا ھم پر ایک کلی فریضہ عائد کیا گیاھے جسکو اسلامی ثقافت میں خدا کی عبادت سے کھاجاتاھے اور خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتاھے:

(أَلَمْ عَھدَ إِلَیْکُمْ یَا بَنِیْ آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوْا الشَّیْطَانَ إِنَّہ لَکُمْ عَدُوٌّ مُبِیْنٌ وَأَنِ اعْبُدُوْنِی ھذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِیْمٌ.)(1)

”اے آدم کی اولاد کیا میں نے تمھارے پاس یہ حکم نھیں بھیجا تھا کہ (خبردار) شیطان کی پرستش نہ کرنا وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ھے۔ اور یہ کہ دیکھو صرف میری عبادت کرنا یھی (نجات کی) سیدھی راہ ھے “

اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتاھے :

(فَأَرْسَلْنَا فِیْھمْ رَسُوْلاً مِنْھمْ أَنِ اعْبُدُوْا اللّٰہ ...).(2)

”اور ھم نے انھیں میں سے (ایک صالح کو) رسول بنا کر ان لوگوں میں بھیجا (اور انھوں نے اپنی قوم سے کھا ) کہ خدا کی عبادت کرو ۔ “

نتیجہ کے طور پر تمام انبیاء کی دین کی طرف دعوت پرستش خدا سے شروع ھوتی ھے اور تمام انسانوں کے لئے یہ کلی وظیفہ اقتضاء حقوق رکھتا ھے یعنی جب انسان اللہ سے قریب ھونا چاھتا ھے تو لازم چیزیں اس کے اختیار میں ھونی چاھئے اسی طرح معاشرہ میں کچھ راستے اور قونین ایسے ھونا چاھئیں جو ان کی راھنمائی کرسکےں ۔ جب انسان خدا وند عالم کی طرف بڑھنا چاھتاھے تو اس میں حیات ھونا چاھئے تو معلوم ھوا کہ حق حیات پھلا حق ھے ۔ دوسرا حق راستہ چلنے کے لئے آزادی ھونا چاھئے اس کے لئے کہ یہ راستہ اجباری نھیں ھے بس انسان کو کسی راستہ کو انتخاب کرنے کے لئے آزاد ھونا چاھئے ،تیسرا حق اس مادی دنیا کی نعمتوں کو استعمال کرنا ھے اس لئے اگر انسان اس دنیا کی نعمتوں سے استقادہ نھیں کرے گا تو زندگی نھیں گذارسکے گا اور اپنی حیات کو باقی نھیں رکہ پائے گا، وہ اپنی حیات کو باقی رکھنے اور کمال حقیقی وابدی اور خدائے ھستی تک مکمل سیر کے لئے اس دنیا کی کھانے اور پینے کی چیزوں سے استفادہ کرنے کا حق رکھتا ھے، خداوندعالم نے جن خواھشات کو انسان میں رکھا ھے ان میں سے جنسی شھوت بھی ھے او رانسان کو اس سے استفادہ کرنے کا حق ھے، اس لئے اس کو اپنے لئے ھمسر کی تلاش کرنا ھوگی، چونکہ انسان خود

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مشاهدہ کررھا ھے کہ حقوق اور وظیفہ آپس میں مربوط ھیں۔
گذشتہ بحثوں میں ھم نے حق اور وظیفہ کے سلسلہ مینیہ اشارہ کیا تھا ا کہ ھم پر خداوندعالم کی طرف سے یہ حکم ھے کہ ھم خدا کی طرف چلیں اوراس کی اطاعت کریں، اور اس کے مقابلہ میں ھمارے کچھ حقوق ھیں جن سے ھم استفادہ کرتے ھوئے اس راہ کو ھموار رکھیں۔
اس بنیاد پر معاشرہ میں جو کچھ لوگوں کی عمومی زندگی میں ان کے خدا تک پھونچنے میں رکاوٹ بن رھا ھو تو اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ھے کہ اس کی روک تھام کرے اور حکومت کو چاھئے کہ وہ اسلامی معاشرہ سے ان چیزوں کو دور کرے جو خدا کی خوشنودی میں حائل ھورھی ھیں، اسی طرح انسان اپنی شخصی اور فردی زندگی میں بھی انسان مکلف ھے کہ وہ اپنی زندگی کو کامل بنانے میں آنے والی ھر چیز کو مھیا کرے او ران کو مظبوط بنائے، او راس راہ میں جو رکاوٹیں ھیں ان کو دور کرے، اس بنا پر حقوق پانے کا معیار او رملاک افراد کی قابلیت اور ان میں شرائط کا پایا جانا ضروری ھے تاکہ ان کے ذمہ کچھ وظائف اور ذمہ داریاں دی جاسکیں اور انھیں کی وجہ سے ان کو حقوق دئے جائیں۔

۲۔تکالیف ا ور حقوق کے مابین طبیعی اور کسبی اختلاف کا اثر
اب تک بیان کیئے گئے مطالب کی روشنی میں صرف اس وجہ سے کہ تمام انسان ایک ھیں اور اصل انسانیت میں مشترک ھیں تو کیا سب کے حقوق ووظائف میں برابر ھونے چاھئیں؟ یہ درست ھے ھم تمام انسان اصل انسانیت میں شریک ھیں لیکن خود انسانوں کے اندر بھت زیادہ اختلافات پائے جاتے ھیں جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتاھے ۔-

(الف)۔اختلافات طبیعی اور جبری
میں فرق انسانوں کے مابین سب سے زیادہ اختلافات طبعی اختلافات ھیں. جیسے جنسی فرق مفھوم زیست شناسی کے عنوان سے (منطقی مفھوم کے اعتبار سے نھیں) جو مرد اور عورت کے مابین پایا جاتا ھے . ان دونوں کے مابین فیزیولوجی(علم اعضا ) اور بائی لوجی (علم حیات) روانی اور عاطفی مسائل میں اختلافات پائے جاتے ھیں . انھیں اختلافات کی وجہ سے ان کے مابین وظائف اور حقوق کے لحاظ سے فرق رکھا جاتا ھے یعنی یہ صحیح ھے کہ عورت بھی انسان ھے اور مرد بھی انسان ھے اور دونوں ایک ھی درجہ میں ھیں اور انسانیت میں دو درجہ نھیں ھوتے ھیں لیکن عورت کے جسم میں خاص بناوٹ کے ساتھ ساتھ روحانی بناوٹوں کی وجہ سے اس کے ذمہ خاص وظائف عائد کیے گئے ھیں، عورت جو کردار بچے کی ولادت اور اس کو دودہ پلانے میں ادا کرتی ھے مرد کبھی اس ذمہ داری کو وفا نھیں کرسکتا. اور اس بارے میں ان دونوں کو ایک نظر سے نھیں دیکھا جاسکتا .چونکہ یہ مسئلہ عورت اور مرد کے طبعی (فطری ) اختلاف سے مربوط ھے اور اسی وجہ سے خاص وظائف اس کے ذمہ عائد کئے گئے ھیں . اب جب عورت اپنی ذاتی اور طبیعی خصوصیات کی وجہ سے اس چیز کی پابندھے جیسے بچے کو نو مھینے تک اپنے پیٹ میں رکھے، اور اس کے بعد دوسال تک بچہ کو دودہ پلانے کی ذمہ داری اور پرورش اس کے ذمہ ھے انھیں سب امور کی وجہ سے اس کے لئے خاص حقوق نظر میں رکھے گئے ھیں .
اگر یہ طے ھو کہ عورت اپنی طبیعی اور ذاتی خاصیتوں کی وجہ سے بچہ دار ھواس کے بعد میں بچہ کو دودہ پلاکر اس کو بڑا کرے اور اسی حالت میں بالکل مردوں کی طرح کام کرے اور ا پنی زندگی کے خرچ فراھم کرے، تو یہ اس کی اصلی ذمہ داری نہ ھوگی بلکہ اس پر ظلم ھوگا بچہ دار ھونے اور بچہ کو غذا دینے جیسی مشکل ذمہ داریونکا تقاضا یہ ھے کہ اس کے خاص حقوق ھونے چاھئیں یعنی مرد کا وظیفہ ھے کہ وہ عورت کا خرچ پورا کرے، اگر یہ طے ھو کہ عورت خود کام کرے تو بھت سے کام ایسے ھونگے جن سے بچہ ساقط ھوجائگا یا بھت سے کام ایسے ھوں گے کہ وہ بچہ کو وقت پر دودہ نھیں پلاسکے گی عاطفی نقطہ نظر سے بھی اگر عورت چین وسکون نہ رکھتی ھو اور اپنی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر میں ھے تو یہ اضطراب و بے چینی بھی بچہ میں اثر انداز ھوتی ھے ۔
علمی اعتبار سے یہ ثابت ھوا ھے کہ عورت کو جتنا بھی روحی آرام ھوگا وہ اسی لحاظ سے بچہ کی تربیت کرے گی. اسی وجہ سے اسلام میں عورت کے لئے خاص حقوق رکھے گئے ھیں، ان میں سے ایک یہ ھے کہ بیوی کا خرچ شوھر کے ذمہ ھے، یھاں تک کہ عورت بچہ کو دودہ پلانے کی اجرت اپنے شوھر سے لے سکتی ھے یعنی یہ اجرت ان زحمتوں کی ھوتی ھے جو بچہ کو دودہ پلانے میں اٹھاتی ھے، اسی وجہ سے گھر میں اس کوخاص اھمیت ھونی چاھئے۔
لھٰذا مرد وعورت کے مابین حقوق اور وظائف کے اعتبار سے یہ تصور کرنا دونوں انسان ھیں، لھٰذا ان کے حقوق اور ذمہ داریاں بھی ایک ھی طرح کی ھوں، یہ غلط ھے. ھاں دونوں انسانیت میں شریک ھیں لیکن عورت اور مرد ھونے میں شریک نھیں ھیں مرد اپنی خاص خصوصیات کا حامل ھے اور عورت اپنی خصوصیات کی متحمل ھے یھی خاص

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خصوصیات وظائف اور حق میں اختلاف کا سبب ہیں .
اس وجہ سے انسانو ں کے درمیان کچھ اختلافات طبعی اور جبری طور پر پیدا ہوتے ہیں . یعنی کوئی شخص بھی اپنے لئے عورت ہونے کو منتخب نہیں کرتا اور اسی طرح کوئی عورت اپنے کو مرد ہونا منتخب نہیں کرتی ہے یہ مسئلہ تو ارادہ الٰھی سے مربوط ہے ،خدا فرماتا ہے:
( یَھَبُ لِمَنْ یَشَاءُ إِنَاثاً وَ یَھَبُ لِمَنْ یَشَاءُ الذُّکُوْرَ.)(3)
''اور جسے چاھتاھے (فقط) بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاھتاھے (محض) بیٹے عطا کرتاھے '' نتیجہ یہ نکلا کہ افراد کا ارادہ واختیار اپنی اور اپنی اولاد کی نسیت معین کرنے میں دخالت نہیں رکھتا لیکن جب کسی کو جنسیت کے لحاظ سے مرد یا عورت بنادیا گیا تواس کے ذمہ خاص تکلیفیں قرار دیدی گئیں جن کا انجام دینا اختیاری ہے اور اس کے کچھ حقوق بھی ہوں گے جن کو وہ وفا کرسکتا ہو . لہٰذا اس طرح کے اختلافات کو اختلافات طبیعی کہا جاتا ہے۔

(ب)انسانوں کے مابین دوسرا اختلاف اختیاری ہے
جو افراد زندگی بسر کرنے کی خاطر خاص شرطونکو حاصل کرتے ہیں فرض کرلیئجے جو شخص علم دین حاصل کرتا ہے وہ اپنے اندار اتنی صلاحیت پیدا کرلیتا ہے، معاشرہ میں کسی عہدہ کو سنبھال سکے لیکن جاھل شخص اس عہدہ کو نہیں سنبھال سکتا. یا وہ افراد جو کسی فن میں مہارت حاصل کرلیتے ہیں وہ لوگ اس لحاظ سے کہ انسان کے حقوق مساوی ہیں ان کا زحمت نہ اٹھانے والے افراد اور جنھوں نے کسی فن میں کوئی مہارت حاصل نہیں کی ان سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ہے.
اگر کوئی درس پڑہ کر اور زحمت اٹھاکر پائیلیٹ بن جائے تو اس کے مقابل میں اگر کوئی درس نہ پڑھنے والا. زحمت نہ اٹھانے والا اور اس فن میں مہارت نہ رکھنے والا یہ ادعا کرے کہ میں بھی پائیلیٹ بننا چاھتا ہوں تو اس کا یہ دعوی قابل قبول نہیں ہوگا بیشک تمام افراد اس کو یہی کہیں گے کہ اگر تم پائیلیٹ بننا چاھتے ہو تو پہلے علم حاصل کرو.
اسی طرح اگر جاھل اور مسائل سیا سی سے نا واقف شحص یہ کہے کہ میں بھی وزیر اعظم ہونے کا حق رکھتا ہوں تو اس سے یہی کہیں گے کہ:وزیر اعظم بننے کی کچھ شرطیں ہوتی ہیں تم ان شرطوں کو حاصل کرلیتے اور تمہارے اندر ذاتی توانائی ہوتی تو تم بھی کنڈیڈیٹ ہوسکتے تھے اور لوگوں کے ووٹ حاصل کرکے منتخب ہوسکتے تھے . لہٰذا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ انسانوں کے مابین پہلا اور دوسرا درجہ نہیں ہے لہٰذا میں بھی وزیر اعظم ہونے کا حق رکھتا ہوں. ایسا نہیں ہے کہ ہر انسان خواہ وہ ملت کی راہ کے خلاف ھی کیوں نہ چل رہا ہو ، اورملک کے اساسی و بنیادی قانون کو قبول نہ کرتا ہو یہ کہے :
چونکہ مینبھی انسان ہوں لہٰذا وزیر اعظم ہونا چاھتا ہوں؟ لہٰذا صرف اس وجہ سے کہ تم انسان ہو، تم کو ملک کی کوئی پوسٹ دے دی جائے کیونکہ ہر پوسٹ کے لئے کچھ نہ کچھ شرطیں ہوتی ہیں. مثال کے طور پر اسلامی ملک میں وزیر اعظم مسلمان ہونا چاھئے، ایک غیر مسلمان شخص ( درحالیکہ ہم اس کے احترام کے قائل ہیں اور قانون اساسی بھی اس کے لئے حق کا قائل ہوا ہے ) وزیر اعظم نہیں بن سکتا.

3. افراد کے لئے شہریت کے قوانین مینمختلف درجات کا معین ہونا
پوری دنیا میں خاص منصب کے لئے خاص شرطیں رکھی گئی ہیں منجملہ جن امور میں خاص شرطیں رکھی گئیں ہیں ان میں سے ایک نیشنلٹی کا مسئلہ ہے اور عالمی حقوق میں یہ بات مسلم ہے کہ نیشنلٹی یکساں او ربرابر نہیں ہے اور خصوصی حقوق بین الملل سے مختصر سی آشنائی رکھنے والا انسان بھی اس مطلب کو درک کرتا ہے. فرض کرلیجئے اگر ایک ایرانی شخص کسی یورپی ملک یا امریکا کے کسی ملک میں رھنا چاھتاھے پہلے تو اس کے وھاں پر رھنے کے لئے اس میں کچھ شرطوں کا ھونا ضروری ہے اگر اتفاقاً اس کو نیشنلٹی دے بھی دی جائے تو اس کووزیر اعظم ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی. کیوں کہ وہ درجہ دوم کا شہری ہے ممکن ہے وہ ایک طولانی مدت تک اپنے تمام امتحانوں میں کامیاب رہا ہو، اور درجہ دوم کی نیشنلٹی سے درجہ اول کی شہریت میں آجاے۔
بھر حال اگر کوئی شخص جس ملک کی شہریت رکھتا ہو ایسا نہیں ہے کہ وہ تمام حقوق جو اس ملک کے باشندے رکھتے ہیں اس شخص کو بھی وھی حقوق دیدے جائیں. چونکہ شہریت میں فرق ہے اور کئی درجہ رکھتی ہے ، اگر ھم مان لیں کہ انسانیت کے درجات نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شہریت بھی درجے نہیں رکھتی، . ہر ملک اپنے باشندوں کے لئے خاص شرطوں کا قائل ہے اسلام میں بھی خاص شرطیں ہیں صرف یہ کہ تمام انسان انسانیت میں شریک ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شہریت میں بھی سب برابر ہیں .

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لہٰذا نتیجہ یہ نکلاکہ ہر ملک کے افراد اس ملک کے باشندے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی منصب اور مقام کے لحاظ سے ایک نہیں ہیں اور ان کے حقوق بھی جدا جدا ہیں . لیکن کونسا معیار و ملاک ان کے حقوق معین کرتا ہے اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں ،حقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تمام اذن الٰھی کی طرف پلٹتے ہیں جو لوگ لیبرال (آزادی خواہ) ممالک یا ڈیمو کریٹ (جمہوری) ممالک میں زندگی بسر کرتے ہیں وہ قوانین کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کو لوگوں کی رائے کا تابع ہونا چاہئے. لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ: لوگوں کی رائے کے علاوہ خدا کی اجازت بھی ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ ہماری رائے اورخواہش خدا کے قانون کے خلاف نہیں ہوں.
بہرحال کوئی بھی ملک تمام افراد کے لئے مساوی شہریت کا قائل نہیں ہے اور چونکہ انسانیت میں درجہ نہیں ہے لہٰذا شہریت بھی درجات نہیں رکھتی اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا، ہمارے اساسی اور بنیادی قوانین میں بھی اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، اور ہمیں تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو قانون اساسی کے اس بند پر توجہ نہیں کرتے ،قانون اساسی کا بند یہ کہتا ہے:
''جو اشخاص بھی ایرانی نیشنلٹی حاصل کرنا چاہتے ہیں یا حاصل کریں گے وہ تمام حقوق جو ایرانیوں کے لئے مقرر ہیں وھی حقوق ان کے لئے بھی ہیں سوائے وزیر اعظم، وزرات، یا ھر طرح کی خارجی سیاست کے عہدہ ''
یعنی جو شخص بھی ایران کی شہریت میں آجائے اس کو سیاسی عہدہ دار یا سفیر بننے کا حق نہیں وہ کونسلیٹ اور وزیر نہیں بن سکتا ہے حالانکہ اس نے ایرانی شہریت قبول کرلی اور ایرانی حکومت نے بھی اس کو اپنی نیشنٹی دے دی لیکن اس کو اس طرح کے حقوق مانگنے کا کوئی حق نہیں یہ ہمارے (ایران) کے قانون۔

4۔اسلام کی نگاہ میں پہلے اور دوسرے طبقہ کی شہریت
ھم اب شہریت کے متحقق ہونے اور اس کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر کو تفصیلی طور پر بیان نہیں کرسکتے، اس لئے کہ یہ بحث فلسفہ حقوق سے مربوط ہے اور ہماری بحث کا موضوع فلسفہ سیاست ہے. لیکن مختصر طور پر ھم یہ عرض کرتے ہیں کہ ممالک کی حد بندی میں اسلام کا حقوقی نظریہکی رو سے اعتقادات اصل ہےں، اور جغرافیائی اعتبارسے حد بندی کی کوئی اصل نہیں ہے۔
اسلام کا سب سے پہلا ھدف یہ ہے کہ دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہو (انشاء اللہ امام زمانہ عجل اللہ تعلی فرجہ الشریف کے ظہور کے بعد قائم ہوگی)اس میں جغرافیائی حد بندی اٹھالی جائے گی اور تمام افراد امت اسلام اور ایک حکومت کے شہری ہونگے اور ان کی شہریت کا ملک اسلام ہے اس حکومت میں غیر مسلمان افراد کے حقوق اور وظائف مسلمانوں سے متفاوت ہونگے، غیر مسلمان کو ایک مسلمان کے تمام وظائف اور عہدہ نہیں ملے گا،اور نہ ھی اس کو مسلمان کے تمام حقوق اس کو دیئے جائنگے یہ اسلام کا پہلا ھدف ہے۔
لیکن خاص شرائط کے اعتبار سے ولی فقیہ اور اسلامی حکومت عنوان ثانوی کے ما تحت جغرافیائی حد بندی کو معتبر سمجھ سکتے ہیں اس بنا پر اگر ھم جغرافیائی حد بندی کو معتبر سمجھ سکتے ہیں تو اسلام کی طرح حکم اولی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ثانوی طریقہ اور مصلحتوں کی وجہ سے ہے جو منطقہ اور بین الاقوامی قوانین کے ماتحت ہے اور وہ قوانین ولی فقیہ کے دستخط کے ذریعہ ھمارے لئے معتبر ھوتے ہیں اور حقیقت میں وہ تمام حد بندی ولی فقیہ کے ذریعہ متعین کی جاتی ہے
نتیجتاً پہلے طریقہ اور آئیڈیل اسلام میں شہریت کے دوسرے درجہ میں شمار ہونگے لیگن خاص شرطوں کی وجہ سے جغرافیائی حد بندی معتبر مانی گئی ہے اور قانون کی بنیاد پر شہریت کے لئے خاص شرطوں کو نظرمیں رکھا گیا ہے، ولایت فقیہ کے نظریہ پر کی بنیاد پر جب ان شرائط وقوانین پر ولی فقیہ دستخط فرمادیں تو تمام احکامِ اسلامی کی طرح وہ بھی واجب الاطاعت ھوں گے، جبکہ حضرت امام خمینی بش نے فرمایا ہے کہ ''اسلامی حکومت کے قوانین کی اطاعت کرنا واجب ہے''

5۔نظام ولایت فقیہ کا دوسرے نظاموں سے فرق
جو افراد ھمیشہ جمہوریت کا دم بھرتے ہیں او راپنی حکومت کو ولایت فقیہ کی بنیاد پر اچھا نہیں سمجھتے انھوں نے اس ملک کے لئے ولایت فقیہ کی خدمات کی طرف توجہ نہیں دی ہے، اوروہ یہ بھی توجہ نہیں کرتے کہ ولایت فقیہ کے نظریہ کی بنیاد پر اسلامی حکومت کے احکام وقوانین اور اسلامی پارلیمینٹ کے وضع کئے ھوئے قوانین کی شورای نگھبان کی تائید کے بعد اطاعت کرنا واجب ہے، چونکہ وہ ولی فقیہ کی اجازت سے اس مرحلہ تک پھونچے ہیں، اور ان کا اذن خدا کا اذن ہے، اس نظام کا ایک بڑا امتیازیھی ہے، لیکن اگر ھم ولایت فقیہ کو تسلیم نہ کریں توکم از کم وجوب

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عرفی کی بناپر قوانین کی اتباع کرنا ہوگی، جو لوگ اپنی خواہش کے قانون کو رائے دے چکے ہیں،ورنہ خود اپنے ہی عہد پر وفادار نہیں ہوں گے،اور اگر دل چاہے تو اس عہد سے لوٹ جائیں اور اپنی درخواست پر تجدید نظر کریں اور اپنی خواہش کے مطابق قانون میں تغیر وتبدیلی کرسکتے ہیں، جمہوری حکومت میں لوگوں پر قوانین کی اطاعت کرنا کوئی واجب نہیں ہے۔

اسلامی حکومت میں ولی فقیہ کی اجازت اور دستخط سے قانون معتبر جانے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ لوگوں کے خود لازم کردہ اور وجوب عرفی کی بناپر ان کے لئے لازم ہوتے ہیں اور وجوب شرعی بھی رکھتے ہیں اور ان کی مخالفت کرنا گناہ اور سزا کا باعث بھی ہوتا ہے۔

اسلامی حکومت کے قوانین کی اتباع کرنے اور جو قوانین اکثر لوگوں کی رائے کا نتیجہ ہوتے ہیں ان کی اتباع کرنے میں کتنا فرق ہے اورچونکہ نمائندہ مجلس کو اکثر لوگوں نے اپنے ووٹ دے کر منتخب کیا اور خود اس کی اتباع کرنے کو لازم قرار دیا ہے اب جن افراد نے اس قانون کی ووٹ نہیں دئے یا وہ اقلیت جنھوں نے اس نمائندہ مجلس کو ووٹ نہیں دئے ان افراد کو اس قانون کی کسی حدتک اتباع کرنا چاھئے؟ جو قانون اکثر افراد کی رائے سے بنایا گیاھو تو کیا نفسیاتی، عاطفی اور قلبی اعتبار سے اس قانون کے مخالف افراد پر بھی اس قانون کی اتباع کرنا لازم ہے؟ اور کس طرح قلبی طور پر بھی وہ اکثر لوگوں کی خواہش کی مطابق ملتزم ہوں؟

جو قوانین اسلامی حکومت کے ذریعہ نمائندگان مجلس کے توسط سے بنائے جاتے ہیں، اور ولی فقیہ نے بھی ان کی تائید فرمادی وہ خداوندعالم کی طرف سے واجب ہوگئے اور ان کی اطاعت کرنا واجب ہے، او رجن افراد نے ان قوانین کو اپنی رائے نہیں دی ہے ان پر بھی شرعی طور پر ان کی اتباع کرنا لازم ہے، البتہ تمام افراد اس بات سے واقف ہیناور اسلامی حکومت کے قوانین کو تہہ دل سے تسلیم کرتے ہیں ان کو شرعی قوانین کی حیثیت دیتے ہیں اور ان کی مخالفت نہیں کرتے ۔

چونکہ وہ الٰہی اور اسلامی حکومت کے قوانین وضوابط سے آشنا ہیں اس طرح سے قوانین کے ضوابط کو قبول کرنا اور اس کی اتباع کرنا یہ نظام الٰہی کی خصوصیات میں سے ہے جو ہمارے ملک میں نظام ولایت فقیہ کے ماتحت وجود مینآئی ہے، اسلامی انقلاب سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ تمام لوگوں پر رہبر اور ولی فقیہ کی اطاعت کرنا ضروری ہے اور ان کے اوامر اور راھنمائی کی طرف خالصانہ قدم اٹھانے ہی سے ہم کامیاب ہوئے ہیں ،چاھے وہ دوران انقلاب ہو یا انقلاب کے بعد کا زمانہ، اور فی الواقع جنگ میں کامیابی اور سرفرازی کا رازبھی یہی ہیں۔

دنیا میں کون سا ایسا شخص ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی میں ایک اہم چیز لوگوں کا اپنی مذہبی رہبر پر اعتقاد رکھنا اور ان کی اطاعت کرنا تھا، اس وقت یہ کہنا بہت ہی بے انصافی ہوگی کہ جس ملک میں شہیدوں نے اپنی جانفشانی اور فداکاریوں سے امام خمینی ؒش اور مرجع تقلید کے امر سے جہاد کیا اور اسی راہ میں شہید ہوگئے اورجس کی برکت سے اسلامی نظام وجود میں آیا اور یہی آزاد فضا جو شہیدوں کے خون اوران کی فداکاریوں کا نتیجہ ہے اس میں کچھ لوگ یہ کہیں کہ : امام خمینیؒش نے ایک دفعہ ہوا طوفان مچایا اور لوگوں کی تحریک کو نہضت انقلاب اسلامی کا نام دیدیا،کیا اس دعوے کی کوئی حقیقت ہے؟ اگر ایران کی عوام انقلاب کے موقع پر اپنے دینی اور شرعی وظیفہ کو انجام دینے کے لئے قیام نہ کرتے اور گولیوں کی بوچھار میں اپنے سینوں کو سِپر نہ بناتے تو کیا انقلاب کامیاب ہوجاتا؟ اور اگر امام خمینیؒش کا حکم نہ ہوتا تو کیا وہ اس کام کو کرتے؟ حقیقت کو بھُلانا اور اس کا انکار کرنا بے انصافی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دین اور امام خمینی ؒشکے رہبریت نے ہمیشہ انقلاب کے کامیاب ہونے، اس کے دوام پانے اس کے بعد جنگ میں کامیابی پانے اور تمام مشکلوں اور سختیوں میں ثابت قدم رہ کراھم کردارادا کیا ہے، اور انشاء اللہ حضرت امام خمینی قدس سرہ کے لائق وشائستہ جانشین (حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی) اور ان کی حکیمانہ تدبیروں کے زیر سایہ یہ کامیابی وموفقیت ایران کے فدارکار لوگوں کی یکتائی اور ہمدلی کے ذریعہ اسی طرح باقی رہے گی، اور لوگ ولی فقیہ کے سایہ میں کمال اور ترقی کے مزید مراحل کو طے کریں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہواکہ شہریت کی درجہ بندی کرنا ایک ایسی چیز ہے جس کو پوری دنیا کی تمام حکومتوں میں تسلیم کیا گیا ہے البتہ اسلام کے نقطۂ نظر اور دوسروں کے نقطۂ نظر سے شہریت کے ملاک اور اس کی شرطوں میں فرق ہے، لیکن شہریت کے درجہ میں اختلاف ایسی چیز نہیں ہے کہ ہم اس کو ایجاد کیا ہو، اور شہریت کے درجہ میں یہ فرق انسانیت میں لوگوں کے مشترک ہونے سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے ، تمام انسان انسانیت کے درجہ میں ایک ہیں، لیکن یاتو ان میں طبیعی طور پر وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو وظائف اور حقوق کے اختلاف کا سبب ہوتی ہیں یا وہ جو خصوصیات، طاقت اور قابلیت کو حاصل کرتے ہیں ان کی وجہ سے ان کو کچھ منصب دئے جاتے ہیں او ران کے عوض

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

میں ان کو حقوق دئے جاتے ھیں، تو اب حقوق اور وظائف کے مابین فرق یا تو طبیعی ھے یا افراد کے انتخاب اور اختیار میں ھے، مثال کے طور پر وہ خاص دین کو تسلیم کرلیں یا کسی فن میں مہارت حاصل کرکے کسی منصب کوحاصل کرلیں، اور اس میں کوئی شک وشبہ ھی نھیں ھے کہ یہ اختلاف اور کسب شدہ خصوصیات اور منجملہ اصول مبانی کو تسلیم کرنا وہ انسان کی شھریت میں مؤثر ھوسکتا ھے۔

والسلام

حوالے

.1سورہ مومنون آیت 22.
2۔سورہ شوری آیت49.
3۔سورہ یٰس آیت0 6

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com